ساتواں پتھر
علیم الحق حقی
DENNY
FISHER
Mt. Zion Cemetry

دیدہ زیب اور
خوبصورت کتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد طاہر نذیر

اشاعت	2010ء
سرورق	عبیداللہ
اہتمام	محمد نذیر طاہر نذیر
کمپوزنگ	طاہر سنز آرٹ سیکشن
مطبع	تکبیر پرنٹرز لاہور
قیمت	300 روپے

ساتواں پتھر

یہ وہ دن ہیں، جب قبرستان میں لوگ جوق در جوق آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ایامِ طہارت سے پہلے کا ہفتہ ہے، جس میں اعمالِ خیر کی تاکید کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں، ان دنوں میں نیکی کا اجر بہت بڑھ جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے مزاج کے اعتبار سے نیکی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خیرات، لوگوں کی مدد، ان کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ، درگزر، ایثار...... اعمالِ خیر کی کوئی کمی نہیں لیکن ان میں سے ایک اہم کارِ خیر اس عرصے میں قبرستان جا کر ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا بھی ہے۔

میں دو سال سے اس قبرستان میں موسموں کی سختی، سردی اور برف باری، دھوپ اور بارشوں سے بے نیاز ہوں۔ میں گیٹ پر نظریں جمائے اپنے لوگوں کی آمد کا منتظر ہوں۔

اب وہ آتے نظر آئے ہیں۔ سفید سنگ مرمر کے محرابی دروازوں پر وہ رُک گئے ہیں اور عجیب سی بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، اور نظریں چرا رہے ہیں۔ ان کے ہونٹ تھرتھرا رہے ہیں۔ شاید ٹھٹھرے ہوئے لفظوں کے بوجھ سے، جنہیں ادا کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ پھر وہ دروازے سے گزرے اور قبرستان میں داخل ہوئے۔ ان کے دائیں جانب قبرستان کے مجاور کا کاٹیج ہے اور بائیں جانب قبرستان کا ریکارڈ آفس، جہاں ان تمام لوگوں کے موجودہ پتے درج ہیں، جو کبھی اس دنیا میں چلے پھرے، محبتیں اور نفرتیں کیں، عذاب و ثواب کمائے اور بالآخر قدرت کے قانون کے مطابق اپنے لواحقین کو چھوڑ کر اس شہرِ خموشاں میں آ بسے، جہاں ہوا کی سرگوشی کے سوا کوئی آواز

نہیں ہوتی۔

اب وہ لوگ قبرستان کی مرکزی سڑک پر چل رہے ہیں۔ اطراف میں چھوٹی چھوٹی گلیاں ہیں، جن میں مزار ہیں۔ مزار کیا، قبروں کے گرد چوحدی کہہ لیجیے انہیں۔ وہ پلاٹ ہیں اور ہر گلی کے بیرونی سرے پر ایک بورڈ لگا ہے، جس پر اس گلی میں موجود پلاٹوں کے نمبر لکھے ہیں......تمام نمبر نہیں۔ یہ سمجھ لیں جیسے پلاٹ نمبر ۱۱۱ تا پلاٹ نمبر ۱۲۰ اور گلی کے ہر پلاٹ کے باہر اس کے نمبر کی تختی موجود ہے۔ اگر کوئی اپنا مطلوبہ پلاٹ نمبر بھول جائے تو وہ ریکارڈ آفس میں نام بتا کر معلوم کر سکتا ہے۔

میرے لوگ پورے اعتماد کے ساتھ چل رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ وہ کچے راستے پر مڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ سامنے سے چھوٹے قد کا ایک بوڑھا شخص آ رہا ہے۔ اس کی سفید مونچھوں پر تمباکو نوشی کی وجہ سے کناروں پر بھورا پن غالب آ گیا ہے۔ اس کے سینے پر ایک بیج لگا ہے۔ وہ سوسائٹی کی طرف سے مقرر کردہ فاتحہ خواں ہے۔ اب عبرانی زبان تو کسی کسی کو ہی آتی ہے، اور دعائیں عبرانی زبان میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے فاتحہ خواں کے بغیر کام نہیں چلتا۔

فاتحہ خواں کچھ پوچھتا ہے۔ میرے لوگوں میں سب سے بوڑھا آدمی دھیرے سے ایک نام لیتا ہے۔ فاتحہ خواں سر ہلاتا ہے اور پلٹ کر چلتا ہے۔ میرے لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ پھر بھی وہ بوڑھے فاتحہ خواں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ وہ ایک پلاٹ میں داخل ہوتے ہیں۔ بوڑھا فاتحہ خواں قبر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ سروں کو تفہیمی جنبش دیتے ہیں۔ فاتحہ خواں ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ میرے لوگ کتبے پر لکھے الفاظ پڑھ رہے ہیں۔ ان کے اندر خاموشی اور سکون ہے۔ پھر وہ نظریں اٹھاتے ہیں اور سر کی جنبش سے فاتحہ خواں کو اشارہ کرتے ہیں۔

فاتحہ خواں آگے آ کر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ فرداً فرداً ہر ایک کا نام معلوم کرتا ہے، تاکہ انہیں دعا میں شامل کر سکے۔ پھر وہ دعا شروع کرتا ہے۔

بوڑھے فاتحہ خواں کی آواز اور دعا کے اجنبی اور نامانوس الفاظ قبرستان میں گونج

رہے ہیں لیکن میرے لوگوں میں سے کوئی انہیں نہیں سن رہا ہے۔ وہ سب تو بس یادوں میں گم ہیں۔

دعا ختم ہوئی۔ فاتحہ خواں کا ہدیہ دیا گیا اور وہ دوسرے سوگواروں کی تلاش میں باہر نکل گیا۔

اب یہاں ایک رسم ہے۔ کہتے ہیں کہ قبرستان میں حاضری کا ریکارڈ مرتب کرنے والا ایک فرشتہ ہر رات قبرستان آتا ہے۔ تو اس کے ریکارڈ میں اندراج کے لیے یہاں آنے والا ہر شخص زمین سے ایک چھوٹا سا پتھر اُٹھا کر قبر پر رکھ دیتا ہے۔ اپنی نشانی کے طور پر! تاکہ فرشتہ آئے تو اس کی حاضری کا اندراج کر لے اور خدا کے ہاں اسے اس کا اجر ملے۔

میرے سب لوگ اِدھر اُدھر پتھر کی تلاش میں دیکھتے ہیں، پھر جھکتے ہیں اور پتھر اُٹھا کر، ایک ایک کر کے قبر پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ سب اب پھر میری یادوں میں گم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے میں ایک مختلف شخص ہوں۔ دنیا میں کوئی شخص بھی دو افراد کے لیے ایک جیسا کبھی نہیں ہوتا۔ اپنی ماں کے نزدیک میں وہ شریر بچہ ہوں، جو جب بھی عدم تحفظ کے احساس سے دوچار ہوتا تھا تو اس کی باہوں میں چھپ کر، اُس کے سینے سے لگ کر خود کو محفوظ و مامون سمجھنے لگتا تھا۔

اپنے باپ کے لیے میں ایک بہت مشکل بیٹا ہوں، جو ہر پل باپ سے محبت کا ثبوت طلب کرتا تھا۔ جس کی تند محبت کا سامنا کرنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ جو شدید محبت کے باوجود ساری عمر اس سے اختلاف کرتا رہا......لڑتا رہا۔

اپنی بہن کے لیے میں خوش باش اور زندہ دل چھوٹا بھائی ہوں، جس کی جرات پر اسے پیار بھی آتا تھا اور جو اسے خوفزدہ بھی کر دیتی تھی۔ اپنے بہنوئی کے لیے میں وہ دوست ہوں، جس میں خودغرضی کے ساتھ ایثار کی خوبی تھی۔ جو زندگی کی کامیابیوں اور ناکامیوں میں، اُمید اور مایوسی میں اور خوابوں اور تعبیروں میں اس کا شریک تھا۔

اپنی بیوی کے لیے میں وہ محبوب ہوں، جو ضدی، خودسر اور متلون مزاج تھا۔ جس کی

محبت پہاڑی دریا کی طرح تند و تیز تھی۔ جو اپنی جیتی جاگتی نشانی بیٹے کی شکل میں اسے دے کر رخصت ہو گیا۔

اپنے بھانجے کے لیے میں وہ گاڈ فادر ہوں، جس نے رشتے کا حق ادا کر دیا۔

اپنے بیٹے کے لیے......؟ اپنے بیٹے کے لیے میں کیا ہوں، یہ میں نہیں جانتا، کیونکہ وہ مجھے جانتا ہی نہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ میں آج بھی سب کی یادوں میں اتنا ہی زندہ اور تر و تازہ ہوں، جتنا کل تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہاں سات افراد موجود ہیں، لیکن قبر پر صرف چھ پتھر ہیں۔ مجھے محرومی کا احساس ہو رہا ہے کہ میری قبر ساتویں پتھر سے محروم ہے۔ یہ محرومی اس لیے اور بڑی ہے کہ میرے لیے سب سے اہم وہی ساتواں پتھر ہے۔ اور مجھے یہ بھی دُکھ ہے کہ میں سب کی یادوں میں پہلے کی طرح زندہ اور تر و تازہ ہوں، لیکن اپنے بیٹے کی یادوں میں رہوں ہی نہیں۔

لیکن میرا ڈھائی سالہ بیٹا میری قبر کے پاس اُداس کھڑا کچھ سوچ رہا ہے۔

میں اسے پکارتا ہوں... میرے بیٹے! میرے پیارے بیٹے!

وہ چونکتا ہے۔ سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھتا ہے۔ پھر یوں ساکت ہو جاتا ہے، جیسے اس کی تمام حسیں صرف سماعت میں مرکوز ہو گئی ہوں۔

وہ جبلی، نسلی اور جینیاتی طور پر مجھے جانتا ہے لیکن اسے اس کی آگہی حاصل نہیں۔ مجھے خود اسے یہ آگہی دینی ہوگی۔

میں پھر اسے پکارتا ہوں۔ میرے بیٹے!

وہ سر ایک طرف جھکاتا ہے، جیسے غور سے سن رہا ہو۔

یہاں سب لوگ مجھے جانتے ہیں میرے بیٹے۔ سوائے تمہارے سب کے لیے میں حقیقت ہوں۔ پھر بھی تم یہاں گم سم کھڑے ہو۔ تم اتنے اُداس اور سوگوار کیوں ہو؟ اُس شخص کے لیے جسے تم جانتے بھی نہیں۔ تم ان سب سے میرے بارے میں سنتے رہتے ہو کہ میں یہ تھا، میں وہ تھا لیکن تمہارے لیے وہ افسانے ہیں۔ میرے بارے میں ہر شخص

تمہیں وہی کچھ بتائے گا، جو وہ مجھے سمجھتا ہے۔ اپنی حقیقت تو میں ہی تمہیں سمجھا سکتا ہوں۔

تمہارے ننھے سے دل میں شکایت کا ننھا سا بیج ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں محرومی دی ہے۔ تم دوسرے بچوں کو باپ سے لپٹتے دیکھتے ہو، باپوں کو اپنے بیٹوں کو پیار کرتے دیکھتے ہو تو تمہیں اپنے اندر ایک خلا کا احساس ہوتا ہے، جسے تم ابھی سمجھ نہیں سکتے لیکن جو بہر حال تمہیں اذیت دیتا ہے۔ تم سوچتے ہو، سب کے ڈیڈی ہیں۔ تو تم کیوں محروم ہو۔ میں تمہیں چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ تب تم مجھ سے چڑتے ہو۔ میرے ننھے بیٹے کے چہرے پر استغراق کی سی کیفیت ہے، جیسے وہ بڑے دھیان سے سن رہا ہو۔

میرے بیٹے! ابھی یہ خلا بہت چھوٹا ہے۔ تم بڑے ہو گے، اسکول جاؤ گے تو یہ خلا اور بڑھے گا۔ دنیا کے تمام بیٹوں کا پہلا مثالیہ ان کا باپ ہوتا ہے۔ بچپن میں سبھی بچے ڈینگیں مارتے ہیں۔ تم ان کی ڈینگیں سنو گے...... میرے ڈیڈی دنیا کے سب سے طاقتور آدمی ہیں۔ میرے ڈیڈی سب سے ذہین، میرے ڈیڈی سب سے زیادہ مہربان، سب سے زیادہ محبت کرنے والے، میرے ڈیڈی کچھ بھی کر سکتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ تم اپنے اندر بڑھتی ہوئی تلخی لیے، خاموشی اور بے بسی سے یہ سب کچھ سنو گے اور کچھ بھی نہیں کہہ سکو گے۔ تم اندر ہی اندر جھنجھلاؤ گے، کڑھتے رہو گے۔ تمہارے دل میں میری شکایت گہری ہوتی جائے گی۔ خلا پھیلتا جائے گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ میں اس خلا کو ابھی بھر دینا چاہتا ہوں۔

میرے بیٹے! محرومی صرف تمہاری نہیں، میری بھی ہے۔ صرف تم مجھ سے محروم نہیں ہوئے، میں بھی تو تم سے محروم ہوا۔ موت نے وہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں مجھ سے چھین لیں، جو درحقیقت اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ آدمی کو طمانیت سے بھر دیتی ہیں۔ میں تمہیں گود میں لے کر نہیں ٹہل سکا۔ میں نے تمہیں پہلی بار کھڑے ہوتے، ڈگمگاتا ہوا پہلا قدم اُٹھاتے نہیں دیکھا۔ تم کسی بات پر روئے تو میں تمہارے آنسو نہیں پونچھ سکا۔ تم کسی چیز سے ڈرے تو تمہیں اپنے سینے سے نہیں لگا سکا۔ تمہاری زبان سے ادا ہونے والا پہلا لفظ نہیں سن سکا۔ تمہاری زبان سے ڈیڈی کی پکار نہیں سن سکا لیکن ابھی تو کیا، تم جوان ہو کر

بھی میری محرومی کو نہیں سمجھ سکو گے۔ ہاں، جب تم باپ بنو گے تو میری محرومی تمہاری سمجھ میں آئے گی۔

خیر، اسے چھوڑو میرے بیٹے، اس وقت تو بات تمہاری محرومی کی ہے۔ تمہارے سینے کے خلا کی ہے۔ سو میں تمہارا باپ، تم سے التجا کر رہا ہوں۔ میری بات دھیان سے سنو۔ مجھ سے شاکی نہ ہو میرے بیٹے۔ مجھ سے مت چڑو۔ مجھے رد بھی نہ کرو۔ ہو سکے تو میرے بارے میں اپنے فیصلے کو تھوڑی دیر کے لیے موخر کر دو۔ پہلے اپنے باپ کی کہانی سن لو۔ میں انسان تھا میرے بیٹے اور انسان خطا کا پتلا ہے۔ مجھ میں خامیاں بھی تھیں اور کمزوریاں بھی۔ اپنی زندگی میں میں نے بے شمار غلطیاں کیں، بہت سے لوگوں کو مایوس بھی کیا لیکن میرے بیٹے! میں جان بوجھ کر تمہیں مایوس نہیں کر سکتا۔ کوئی باپ بھی نہیں کر سکتا۔ تم میری بات سنو میرے بیٹے! مجھے سمجھو، مجھے جانو تا کہ مجھے پہچان سکو۔

آؤ، میری اُنگلی تھامو۔ میں تمہیں آغاز کی طرف لے چلوں۔ بالکل شروع سے سنو، دیکھو اور جانو۔ میں اور تم نسلوں کی زنجیر کی جڑی ہوئی کڑی ہیں۔ ہم دونوں کا خون، لحم، قلب اور ہماری یادداشت، ہماری آگہی خدا کے بنائے ہوئے جینیاتی قانون کے تحت ایک ہے۔ ان تمام عناصر میں ہم یکجا ہیں۔ میں مر گیا لیکن خدا کی رحمت سے تمہارے اندر زندہ رہوں گا، یہاں تک کہ تم مجھے اپنے بیٹے کو سونپ دو گے۔ یوں میں نسلوں میں زندہ رہوں گا۔

آؤ، میں تمہیں اپنی یادوں کی بھول بھلیاں میں لے چلوں۔ تمہاری یادداشت پر اپنی مٹی یادیں مرتسم کر دوں۔ اپنے وجود کی، اپنی خوبیوں، اپنی خامیوں کی، اپنی زندگی کے ہر لمحے کی آگہی تمہیں سونپ دوں۔ آؤ میرے بیٹے! آؤ۔ تا کہ تمہارے سینے کا خلا بھر جائے۔ تمہیں کوئی شکایت نہ رہے۔ تبھی تو میری محرومی دور ہوگی۔ آج میری قبر ساتویں پتھر سے محروم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگلے سال میری قبر پر ساتواں پتھر بھی ہوگا۔ آؤ میرے ننھے بیٹے! میری اُنگلی تھام لو

تبدیلی لانے والا دن

یکم جون ۱۹۲۵ء

میں اپنی یادداشت کے نکتہ آغاز پر کھڑا ہوں۔ یہ میری آٹھویں سالگرہ کا دن ہے۔ میں ایک ٹرک کے اگلے حصے میں ایک سیاہ فام شخص کے برابر بیٹھا، پرتشویش نظروں سے اسٹریٹ کارنرز کے گزرتے ہوئے سائن بورڈ ٹٹول رہا ہوں۔

ایک کارنر کے قریب پہنچتے ہوئے ٹرک کی رفتار کم ہوتی ہے۔ ''کیا یہی بلاک ہے؟'' ڈرائیور نے میرے برابر بیٹھے ہوئے سیاہ فام سے پوچھا۔

سیاہ فام میری طرف مڑا ''کیا یہی بلاک ہے لڑکے؟'' اس نے وہی سوال مجھ سے کر دیا۔ اس کے بڑے بڑے سفید دانت نمایاں ہو گئے۔

میں اتنا خوش تھا، ایسے ہیجان میں مبتلا تھا کہ میرے لیے بولنا بھی دشوار تھا۔ ''ہاں، یہی ہے'' میں نے لرزتی آواز میں کہا اور پھر اسٹریٹ کو دیکھا۔ وہ مکان میں نے پہچان لیے۔ وہ تمام کے تمام ایک جیسے تھے۔ ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا اور پتلا درخت تھا۔ میں ماما اور پاپا کے ساتھ اس روز بھی یہاں آیا تھا، جب انہوں نے میری سالگرہ کے تحفے کے طور پر اسے خریدا تھا۔

اس روز جب یہ سودا ہوا تو سبھی لوگ مسکرا رہے تھے۔ رینٹل اسٹیٹ والا، جس سے پاپا نے مکان خریدا، وہ بھی مسکرا رہا تھا لیکن پاپا بہت سنجیدہ تھے۔ انہوں نے اس سے کہا تھا ''مجھے یہ مکان یکم جون کو مکمل اور تیار چاہیے۔ کیونکہ وہ میرے بیٹے کی سالگرہ کا دن ہوگا اور یہ مکان میری طرف سے اس کی سالگرہ کا تحفہ ہے۔''

اور آج یکم جون تھی، اور ہم اس مکان میں شفٹ ہو رہے تھے۔

ٹرک کو موڑا گیا۔ بجریلے راستے پر اس کے ٹائروں کی چرچراہٹ اُبھری۔ میرے نئے گھر کے سامنے والی سڑک ابھی کچی تھی۔ وہاں ابھی صرف سرمئی رنگ کے بجریلے کنکر ڈالے گئے تھے۔ ٹرک چل رہا تھا تو وہ کنکر اُچھل اُچھل کر اس کے مڈگارڈز

سے ٹکرار ہے تھے۔

''یہ رہا...... یہ ہے میرا گھر'' میں اپنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا اور ٹرک میں ہونے کے باوجود خوشی سے اُچھلنے لگا ''یہ اس بلاک کا آخری مکان...... یہ میرا ہے...... میرا گھر''

ٹرک مکان کے سامنے رُکا۔ ڈرائیو وے میں ہماری کار موجود تھی۔ مریم میری بہن، جو مجھ سے دو سال بڑی تھی، میری ماما کے ساتھ خیر و برکت کے لیے روٹی اور نمک لے کر پہلے ہی آ گئی تھی۔ نئے گھر میں سب سے پہلے یہ دونوں چیزیں لے جائی جاتی ہیں۔ ان کی آمد کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ صفائی ستھرائی بھی کر لیں۔ ماما تو مجھے بھی ساتھ لانا چاہتی تھیں لیکن مجھے ٹرک میں بیٹھنے کا شوق تھا، اور ٹرک ڈرائیور کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔

میں نے ٹرک کے رُکنے سے پہلے دروازہ کھول کر چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا، لیکن سیاہ فام نے ہینڈل پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے میرا ارادہ بھانپ لیا تھا ''ایک منٹ لڑکے، ایسی جلدی بھی کیا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اب تو تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔''

ٹرک رُکا تو اس نے خود دروازہ کھول دیا۔ جلد بازی کی وجہ سے میرا پاؤں پھسلا اور میں نیچے جا گرا۔ دو مضبوط ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا ''چوٹ تو نہیں لگی تمہیں؟'' نیگرو نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ اُس وقت میں چاہتا بھی تو نہیں بول سکتا تھا۔ میں تو بس ٹکٹکی باندھے اپنے گھر کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ سرخ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا براؤن رنگ کا مکان تھا۔ فی الحال وہ دو منزلہ تھا لیکن چھت پر تیسری منزل کے لیے تختہ بندی کی گئی تھی۔ سامنے ایک چھوٹا سا پورچ تھا۔ میں نے زندگی میں اتنا خوبصورت مکان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ایک پرغرور سانس لے کر گلی کی طرف دیکھا لیکن گلی سنسان تھی۔ اس پورے بلاک میں واحد ہمارا

مکان تھا جو آباد ہو رہا تھا۔

نیگرو میرے برابر آ کھڑا ہوا ''تمہارا مکان بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے کہا ''تم بڑے خوش قسمت لڑکے ہو کہ تمہیں ایسا گھر ملا''

میں شکر گزاری کے جذبے کے ساتھ مسکرایا۔ پھر میں نے لپک کر سیڑھیاں چڑھیں اور دروازے پر دستک دی۔ ''ماما...... ماما'' میں پوری قوت سے چلایا۔ ''میں آ گیا ماما''

دروازہ کھلا اور ماما نظر آئیں۔ انہوں نے سر پر ایک بڑا رومال لپیٹ رکھا تھا۔ میں ان کے پاس سے گزر کر اندر گیا اور کمرے کے وسط میں رُک گیا۔ پورے مکان میں وہ خوشبو رچی ہوئی تھی، جو نئے پن سے مشروط ہوتی ہے۔ دیواروں پر، زینے کی چوبی ریلنگ پر اور کچن کی کیبنٹ پر...... ہر جگہ تازہ روغن تھا۔

میں پلٹا اور میں نے ماما کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ماما! میرا کمرا کون سا ہے؟''

وہ پہلا موقع تھا کہ مجھے الگ کمرا ملنے والا تھا۔ اس سے پہلے ہم ایک اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ میرا اور میری بہن کا ایک کمرا تھا۔ مِمی کو میری موجودگی میں کپڑے بدلنے میں بڑی پریشانی ہوتی تھی، اور ماما کو اس کی بڑی فکر تھی کہ بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ وہ پاپا سے کہتی رہتی تھیں۔ پھر ایک دن انہوں نے ناشتے پر مجھے بتایا کہ اب ہم ایک مکان خریدنے والے ہیں، اور اس میں میرا اپنا ایک کمرا ہوگا۔

ماما نے مجھ سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا ''سیڑھیوں کے ساتھ جو آخری کمرا ہے، وہ تمہارا ہے ڈینی'' ان کا لہجہ خوشی سے چھلک رہا تھا ''اور اب پلیز! تم یہاں بیچ میں نہ لڑھکتے پھرو۔ مجھے بہت کام کرنے ہیں''

میں سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ نئی کوری سیڑھیوں پر اپنے جوتوں کی آواز مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اُوپر پہنچ کر میں ہچکچایا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سب سے بڑا کمرا دادا اور پاپا کا تھا۔ وہ سامنے کے رُخ پر تھا۔ ان کے برابر والا کمرا مِمی کا تھا اور پھر میرا کمرا تھا۔

میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور بڑی آہستگی سے اندر داخل ہوا۔

وہ چھوٹا سا کمرہ تھا...... دس فٹ چوڑا اور چودہ فٹ لمبا۔ اس میں دو کھڑکیاں تھیں۔ ان سے ہمارے گھر کے عقب میں واقع ایک اور مکان نظر آتا تھا۔ میں نے پلٹ کر اپنے عقب میں کمرے کے دروازے کو بند کیا۔ پھر میں آگے بڑھا اور میں نے کھڑکی کے شیشے سے اپنا چہرہ چپکا کر دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس طرح دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے کھڑکی کھول دی۔

میں نے ڈرائیو وے کو دیکھا، جو دونوں گھروں کے درمیان موجود تھا۔ میری ناک کے عین نیچے ہماری نئی کار تھی، جو پاپا نے حال ہی میں خریدی تھی اور مکان کے عقبی حصے میں گیراج تھا اور گیراج کے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا، سوائے کھلے میدان کے۔

میں پلٹا اور دوبارہ کمرے کے وسط میں آیا۔ وہاں سے میں ایک دائرے کی شکل میں گھوما۔ چاروں دیواروں کا جائزہ لیا ''میرا کمرا...... یہ میرا کمرا ہے۔'' میں بار بار کہے جا رہا تھا۔

پھر میں فرش پر لیٹ گیا اور اپنا رخسار فرش سے چپکا دیا۔ فرش ٹھنڈا تھا۔ پالش کی بو میری ناک میں چبھنے لگی۔ میری آنکھیں جلنے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور چند منٹ یونہی لیٹا رہا۔ پھر میں نے ٹھنڈے فرش کو اپنے ہونٹوں سے چوم لیا ''میرے گھر! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں'' میں نے سرگوشی میں کہا ''تو پوری دنیا میں سب سے خوبصورت گھر ہے اور تو میرا گھر ہے اور میں تجھ سے محبت کرتا ہوں''

''ڈینی! یہ تم فرش پر کیا کر رہے ہو؟''

میں تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف گھورا۔ وہ مریم تھی۔ ماما کی طرح اس نے بھی اپنے سر پر رومال باندھا ہوا تھا ''کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں'' میں نے کھسیا کر کہا۔

اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ میں کیا کر رہا تھا ''ماما تمہیں نیچے بلا رہی ہیں۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا ''وہ لوگ فرنیچر اُوپر لانے والے ہیں''

میں اُس کے پیچھے پیچھے زینے کی طرف چل دیا۔ مکان کا نیا پن ابھی سے پھیکا پڑنے لگا تھا۔ سیڑھیوں پر قدموں کے نشان دھبوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ فرنیچر نشست گاہ میں پہنچایا جا چکا تھا۔ قالین رول کی شکل میں ایک کونے میں دو دیواروں کے بیچ لگا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

ماما کمرے کے بیچ میں کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پر گرد کے نشان تھے۔ ''ماما! میرے لیے کوئی کام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

عقب سے مجھے میمی کی تمسخرانہ ہنسی سنائی دی۔ وہ لڑکوں کو ناپسند کرتی تھی اور ان کی تحقیر کرتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نکمے ہوتے ہیں اور ان کا کوئی مصرف نہیں۔ مجھے غصہ آ گیا ''ماما......؟''

ماما مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔ ماما جب مجھے مسکرا کر دیکھتی تھیں تو ان کا چہرہ نرم ہو جاتا تھا۔ مجھے ایسے میں وہ بہت ہی اچھی لگتی تھیں۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور چھیڑنے والے انداز میں بالوں کو بکھیر دیا ''نہیں بلونڈی۔ تمہارے لائق یہاں کوئی کام نہیں۔ تم ایسا کرو کہ کچھ دیر باہر جا کر کھیل آؤ۔ ضرورت پڑی تو میں تمہیں آواز دے لوں گی۔''

میں نے ماما کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بہت خوش تھیں۔ میں جانتا تھا، وہ جب خوش ہوتی ہیں تو مجھے بلونڈی کہہ کر پکارتی ہیں اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ میمی کو یہ بات بہت بری لگتی ہے۔ ہماری فیملی میں بلونڈ بالوں والا ایک میں ہی تھا۔ باقی سب لوگوں کے بال براؤن تھے۔ کبھی کبھی پاپا اس حوالے سے ماما کو چھیڑتے بھی تھے۔ یہ لڑکا بلونڈ کلر کے بال کہاں سے لایا ہے؟ یہ کلر تم نے کہاں سے پکڑا اس کے بالوں کے لیے؟ اور اس بات پر ماما بہت زیادہ خفا ہوتی تھیں۔ میری سمجھ میں کبھی اس کی وجہ نہیں آئی تھی۔

میں نے میمی کو دیکھ کر منہ چڑایا اور گھر سے نکل آیا۔ ٹرک سے پورا سامان اُتارا جا چکا تھا۔ کافی فرنیچر سڑک پر رکھا تھا۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا سڑک پر بکھرے سامان کو دیکھتا رہا۔ وہ ایک گرم دن تھا۔ نیگرو نے اپنی شرٹ اُتار دی تھی۔ اس کی سیاہ جلد کے نیچے اس

کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں، جیسے کسی نے انہیں پانی سے نکال کر زمین پر ڈال دیا ہو۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ کیونکہ زیادہ تر کام وہی کر رہا تھا۔ دوسرے لوگ یا تو باتیں کر رہے تھے یا اسے حکم دے رہے تھے کہ یہ کام ایسے کرلو اور وہ کام ویسے کرلو۔

کچھ ہی دیر میں مجھے اس منظر سے اُکتاہٹ ہونے لگی۔ میں نے کارنر کی طرف دیکھا اور سوچا، دوسرے بلاک میں کس طرح کے پڑوسی ہوں گے۔ پھر مجھے اپنے گھر کے عقب کا کھلا میدان یاد آیا، جسے میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا۔ مجھے تجسس ہونے لگا۔ پہلے ہم جہاں رہتے تھے وہاں تو کوئی کھلی جگہ تھی ہی نہیں، بس بڑے بڑے بدنما اپارٹمنٹ ہاؤس تھے۔

کھلے دروازے سے میں نے دیکھا، ماما بری طرح مصروف تھیں۔ میں نے پکار کر ان سے پوچھا کہ میں دوسرے بلاک کی طرف جا سکتا ہوں لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں مڑا اور کارنر کی طرف چل دیا۔ اس وقت میں خوشی اور احساسِ تفاخر سے لبریز ہو رہا تھا۔ میں نے بہت خوشگوار دن گزارا تھا اور اب میرا اتنا خوبصورت اپنا گھر تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ میرا آنے والا جنم دن ایسا ہی خوبصورت اور کامیاب ہوگا۔

کارنر سے مڑتے ہی مجھے ایک کتے کی خوف زدہ انداز میں بھونکنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا لیکن سنسان علاقے میں آواز کی سمت کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ بہرحال میں اپنی سمجھ کے مطابق آواز کی سمت بڑھتا رہا۔

پڑوس کا وہ علاقہ نیا نیا آباد ہوا تھا۔ اسے ہائیڈ پارک کہا جاتا تھا۔ بروک لین کا ایسٹ فلیٹ لبش کا علاقہ۔ میں سڑک پر چلتا رہا۔ ادھر اُدھر نامکمل اور نیم مکمل مکانات تھے۔ دھوپ میں ان کے سفید چوبی فریم چمک رہے تھے۔ میں اس سے اگلی سڑک پر گیا تو تعمیرات پیچھے رہ گئیں۔ یہاں کھلے میدان کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ خوفزدہ کتے کی چیخیں اب زیادہ بلند آہنگ ہوگئی تھیں لیکن ان کی حتمی سمت کا تعین میں اب بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن مجھے یہ نیا تجربہ ہو رہا تھا کہ کھلی فضا میں آواز کا حجم بڑھ جاتا ہے، اور وہ زیادہ دور تک بھی پہنچنے لگتی ہے۔ ہم پہلے جہاں رہتے تھے، جہاں پاپا کا ڈرگ اسٹور تھا، وہاں تو

قریب کی آواز بھی صاف سنائی نہیں دیتی تھی۔

اگلے بلاک کے کھلے میدان کو ابھی پاٹا بھی نہیں گیا تھا۔ ایک کارنر سے دوسرے کارنر تک وہ تو بس ایک گہرا خالی گڑھا تھا۔ نہیں، فاصلے فاصلے سے وہ کئی گڑھے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ جب وہ گڑھے پاٹ دیے جائیں گے تو وہاں مکان تعمیر ہوں گے۔

اب میری سمجھ میں آ گیا کہ کتے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ اس سے بھی آگے والا بلاک تھا۔ وہاں مجھے دو لڑکے کھڑے نظر آئے، جو جھک کر کچھ دیکھ رہے تھے۔ شاید کتا کسی گڑھے میں گر گیا تھا۔ میں نے قدم تیز کیے اور چند ہی لمحوں میں ان لڑکوں کے پاس پہنچ گیا۔

وہ ایک چھوٹا سا براؤن رنگ کا کتا تھا۔ وہ اُچھل کر گڑھے کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتا اور دوبارہ گڑھے میں گر جاتا۔ پھر وہ خوف زدہ انداز میں بھونکتا۔ ہر بار وہ بہ مشکل آدھا فاصلہ طے کر پاتا تھا اور جب بھی وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو کر گرتا، دونوں لڑکے قہقہے لگانے لگتے۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ کوئی مضحکہ خیز بات تو نہیں تھی۔

''یہ تمہارا کتا ہے؟'' میں نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے مڑ کر مجھے دیکھا، لیکن جواب نہیں دیا۔ میں نے اپنا سوال دہرایا۔

ان میں سے بڑے لڑکے نے بڑے اسٹائل سے پوچھا ''یہ بات پوچھنے والا ہے کون؟'' اس کی آواز اور لہجے میں کوئی چیز تھی جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ وہ انداز دوستانہ ہرگز نہیں تھا۔

''میں تو بس یونہی پوچھ رہا تھا''

وہ سینہ پھلا کر میری طرف بڑھا۔ ''میں نے پوچھا کہ یہ پوچھنے والا کون ہے؟'' اس کا لہجہ پہلے سے بھی خراب تھا۔

میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اب میں پچھتا رہا تھا کہ میں اپنے نئے گھر سے نکلا ہی کیوں۔ گھر میں سامان رکھا اور سیٹ کیا جا رہا تھا۔ ماما نے مجھے محض اس لیے باہر جانے کو

کہا تھا کہ میں کام کرنے والوں کے لیے رکاوٹ نہ بنوں۔ دوسرے یہ کہ مجھے چوٹ بھی نہ لگے اور میں اتنی دور نکل آیا۔ ''یہ تمہارا کتا ہے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش بھی کی تھی۔

بڑے لڑکے نے اپنا چہرہ تقریباً میرے چہرے سے ملا دیا۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ ''نہیں'' بالآخر اس نے جواب دیا۔

''اوہ'' میں نے کہا اور قریب جا کر کتے کو دیکھنے کی کوشش کی، جو اب بھی اپنی ناکام کوششوں میں مصروف تھا۔

''تم کہاں سے آئے ہو؟'' بڑے لڑکے نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''میں نے تمہیں پہلے یہاں نہیں دیکھا''

میں اُس کی طرف پلٹا ''۴۸ ویں مشرقی اسٹریٹ سے۔ ہم آج ہی یہاں آئے ہیں۔ بالکل نیا مکان ہے ہمارا۔ اس بلاک میں ہم پہلے لوگ ہیں''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ڈینی فشر'' میں نے کہا ''اور تمہارا کیا نام ہے؟''

''پال ... اور یہ میرا بھائی ہے، ایڈی''

ایک منٹ ہم تینوں خاموشی سے کتے کو دیکھتے رہے۔ اس بار اس نے آدھے سے زیادہ فاصلے طے کر لیا تھا۔ مگر پھر وہ پھسل کر گر گیا۔ پال ہنسنے لگا۔ ''کیسے مزے کی بات ہے۔ اس بے وقوف میں اتنی عقل بھی نہیں کہ گڑھے سے باہر نکلنے کی ترکیب سوچ سکے۔''

''یہ کوئی مذاق کی بات نہیں'' میں نے کہا ''شاید خود سے تو یہ کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔''

''تو کیا یہی اس کی سزا ہے۔ گرا ہی کیوں تھا گڑھے میں''

میں خاموش رہا۔ ہم گڑھے کے کنارے کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ پھر مجھے اپنے دوسری طرف تحرک کا احساس ہوا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ ایڈی تھا۔ وہ مجھ سے چھوٹا تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسکرایا۔ جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔

پال دوسری طرف آ گیا اور میرے برابر کھڑا ہو گیا۔ اس کے انداز میں کوئی بات تھی، محسوس کر کے میری اور ایڈی کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی۔ ایڈی شرمندہ نظر آنے لگا۔ اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔

''تمہارا اسکول کون سا ہے؟'' پال نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ شاید ایونیو ڈی پر یوٹیکا'' میں نے جواب دیا۔

''کون سی کلاس میں ہو''

''فور اے''

''تمہاری عمر کتنی ہے؟''

''آٹھ سال'' میں نے فخر سے کہا ''آج میری سالگرہ ہے۔ اسی لیے تو ہم آج یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ پاپا نے یہ مکان مجھے سالگرہ کے تحفے کے طور پر دیا ہے۔''

پال نے حقارت سے ہونٹ سکوڑے۔ میں اسے متاثر نہیں کر سکا تھا۔ ''تو تم بڑے اسمارٹ ہو.....ہونہہ.....اور تم میرے ہم جماعت ہو۔ جبکہ میں نو سال کا ہوں''

''دراصل مجھے تھری بی میں ترقی دی گئی تھی'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھوں سے سرد مہری اور سختی جھلکنے لگی ''تو تم سیکرڈ ہارٹ جاؤ گے؟''

میرا ذہن اُلجھنے لگا ''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سیکرڈ ہارٹ چرچ'' اس نے کہا ''ٹراوئے کے قریب''

''نہیں'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو ہولی کراس جاؤ گے؟ وہ بڑا چرچ جس کا اپنا قبرستان بھی ہے۔''

''کیسا قبرستان؟'' میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا مجھے۔ میں اس کے سوالوں کے جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایسی کون سی اہم بات ہے کہ جس کے لیے وہ سوال پر سوال کیے جا رہا ہے۔

اس نے کلیرنڈن روڈ کی طرف اشارہ کیا۔ کوئی ایک بلاک دور مجھے قبرستان کا جنگلا دکھائی دیا۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، میں

وہاں بھی نہیں جاؤں گا۔''

''تو پھر تم کون سے چرچ جاؤ گے؟'' وہ پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔

''میں کسی بھی چرچ نہیں جاؤں گا'' میں نے کہا

وہ چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا ''تو تم خدا پر ایمان نہیں رکھتے؟'' بالآخر اس نے سوال اُٹھایا۔

''کیوں نہیں؟ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں چرچ نہیں جاتا''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا ''چرچ نہیں جاتے تو اس کا مطلب ہے کہ خدا پر بھی یقین نہیں رکھتے۔''

''میں خدا پر یقین رکھتا ہوں'' میں نے زور دے کر کہا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں یہودی ہوں'' میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں چمک سی اُبھری، اور ان کے چہروں کا تاثر معاندانہ ہو گیا۔ پال جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھا۔ جبلی طور پر میں پیچھے ہٹا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو یہ دونوں پاگل ہو رہے ہیں۔

پال نے میرے چہرے سے چہرہ ملاتے ہوئے کہا ''تم یہ بتاؤ کہ تم نے مسیح کو کیوں قتل کیا؟''

اس کے لہجے کی وحشت نے مجھے اور ڈرا دیا ''میں نے تو نہیں کیا'' میں نے سہم کر کہا ''میں تو انہیں جانتا بھی نہیں''

''تمہی نے کیا تھا'' ایڈی چلایا ''ڈیڈی نے مجھے بتایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں نے مسیح کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے انہیں صلیب پر گاڑ دیا تھا۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ اب پاس پڑوس کے تمام مکانوں میں ملعون آباد ہو جائیں گے۔''

میں نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ ''میری بات سنو، ممکن ہے کہ کچھ

یہودیوں نے انہیں قتل کیا ہو لیکن میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔ لیکن میری ماما ہمیشہ کہتی ہیں کہ وہ یہودیوں کے بادشاہ تھے۔''

''اس کے باوجود انہوں نے انہیں قتل کر دیا'' پال اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ کتا پھر بھونکنے لگا تھا لیکن میں پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ میں کچھ ایسا سوچنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے وہ کم از کم میری طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ ''ممکن ہے، انہوں نے اس لیے انہیں مارا ہو کہ وہ اچھے بادشاہ نہ رہے ہوں'' میں نے کہا۔

اس پر تو ان کے چہرے سپید پڑ گئے۔ میں ڈر گیا۔ میں نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن پال نے مجھے پکڑ لیا اور میرے دونوں ہاتھ پہلوؤں سے چپکا دیے۔ میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ میں نے رونا شروع کر دیا۔

اچانک پال مسکرایا۔ اس نے میرے ہاتھ چھوڑے اور پیچھے ہٹ گیا ''تم اس کتے کو باہر نکالنا چاہتے ہو نا؟''

میں نے اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کی اور ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھیں ''ہہ..... ہاں''

اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا ''تو ٹھیک ہے یہودی بچے، جاؤ اور اسے نکال لو۔''

میں نے گھبرا کر ایک طرف ہٹنے کی کوشش کی لیکن وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر تیزی سے میری طرف جھپٹا تھا۔ میں بچ نہیں سکا۔ اس کے ہاتھ میرے سینے سے ٹکرائے۔ میرے قدم اُکھڑے اور میں پیچھے کی طرف گرا۔ میں نے کئی لڑھکنیاں کھائیں اور گڑھے کی دیواروں سے ٹکرایا۔ میں سہارے کے لیے کچھ تھامنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہاں تھامنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ میں گڑھے کی تہہ سے ٹکرایا۔ چند لمحے تو میں سانس بھی نہیں لے سکا۔

پھر مجھے مسرت بھری آوازیں سنائی دیں اور ایک گرم کھردری زبان میرے چہرے کو چاٹنے لگی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب میں نے دیکھا وہ براؤن کتا نہیں چھوٹا سا پلا

تھا، جو میرا چہرہ چاٹ رہا تھا۔ اس کی دم بڑے جوش وخروش سے ہل رہی تھی، اور اس کے حلق سے مسرت بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔

جب اُٹھ کر کھڑا ہوا اور اُوپر کی طرف دیکھا۔ اب مجھے اپنے رونے پر شرمندگی ہو رہی تھی لیکن اب جبکہ کتا مجھے وہاں موجود پا کر خوش تھا تو میں پہلے کی طرح خوفزدہ بھی نہیں رہا تھا۔

پال اور ایڈی جھک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے مکہ دکھاتے ہوئے انہیں اس واحد گالی سے نوازا، جو مجھے آتی تھی۔ انہوں نے جھک کر زمین سے کچھ اُٹھایا اور اگلے ہی لمحے ہم پر پتھروں اور کنکروں کی بارش ہوگئی۔ پلے کے پتھر لگا تو وہ بری طرح رونے لگا۔ میں نے اپنے سر کو دونوں بازوؤں اور ہاتھوں سے چھپالیا۔ یہاں تک کہ وہ بارش رک گئی۔ مجھے خوش قسمتی سے کوئی پتھر نہیں لگا تھا۔

میں نے پھر سر اُٹھایا اور انہیں للکارا ''میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں'' میں چلایا۔

وہ دونوں مضحکہ اُڑانے والے انداز میں ہنسنے لگے ''سالے یہودی ...'' پال نے چیخ کر کہا۔

میں نے انہی کے پھینکے ہوئے پتھروں میں ایک اُٹھایا اور انہیں مارا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے دوبارہ ہم پر پتھر اور کنکر برسا دیے۔ اس بار میں تیار نہیں تھا۔ ایک پتھر چھیلتا ہوا میرے رُخسار پر لگا۔ میں نے ایک اور پتھر مارا۔ مگر وہ بھی انہیں نہیں لگا اور وہ جھک کر مزید پتھر تلاش کرنے لگے۔

اب وہ بڑے پتھر لڑھکا رہے تھے، جنہیں اُٹھانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ میں گڑھے کے بیچ میں آ کھڑا ہوا۔ پلا بھی میرے ساتھ آ گیا تھا۔ میں اس کا سر سہلانے لگا۔ پھر میں نے اپنی آستین سے اپنا چہرہ پونچھا اور دونوں بھائیوں کی طرف دیکھا۔

وہ مجھے گھونسے دکھا دکھا کر نجانے کیا کچھ بک رہے تھے۔ میں ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔ پلا میرے قدموں کے پاس بیٹھ کر غور سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی دم مشینی انداز

میں ہل رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کی تھوتھنی سے اپنا رُخسار لگا دیا ''سب ٹھیک ہے ڈاگی'' میں نے اسے تسلی دی ''ان منحوسوں کے جانے کے بعد ہم باہر نکل سکیں گے۔''

میں انہیں انگوٹھا دکھا کر چڑاتا رہا۔ ان کے لڑھکائے ہوئے بڑے پتھر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ پھر سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا اور وہ دونوں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بھی میں دیر تک اس پتھر پر بیٹھا رہا۔

آدھا گھنٹا گزر گیا تو مجھے یقین ہوا کہ وہ واقعی جا چکے ہیں۔ مگر اس وقت تک اندھیرا ہو چکا تھا۔ میں گڑھے کی دیوار کے پاس گیا اور وہاں کھڑے ہو کر اُوپر کی طرف دیکھا۔ وہ کافی اُونچی اور ستواں دیوار تھی لیکن میرا خیال تھا کہ مجھے اُوپر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ دیوار میں کہیں بڑے چٹانی پتھر اور کہیں جھاڑیاں پیوست تھیں جن پر پاؤں بھی جمائے جا سکتے تھے اور انہیں تھام کر سہارا بھی لیا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک بڑے پتھر کو تھام کر اوپر چڑھنا شروع کیا۔ میں کوئی پانچ فٹ اُوپر گیا ہوں گا کہ نیچے سے پلے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پلا نیچے بیٹھا چمکتی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے حلق سے مسرت بھری آواز نکالی۔

''آؤ..... تم بھی آ جاؤ'' میں نے اُسے پکارا ''انتظار کس بات کا ہے؟''

اس نے چھلانگ لگائی اور دیوار پر پنجے جما کر رینگتے ہوئے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ وہ اپنا پیٹ دیوار سے چپکائے ہوئے بڑھ رہا تھا لیکن عین اس وقت وہ پھسل گیا، جب ہمارے درمیان فاصلہ بمشکل ایک فٹ کا رہ گیا تھا۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اُس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے اُوپر کھینچ لیا۔ وہ دم ہلا کر خوشی کا اظہار کرنے لگا۔

''کم آن'' میں نے اس سے کہا ''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے''

میں نے اسے پتھر پر بٹھایا اور خود اُوپر چڑھنے لگا لیکن چند منٹ اُوپر جا کر میں نے نیچے دیکھا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ دیوار سے چپکا ہوا تھا اور اس سے آگے نہیں بڑھا

جا رہا تھا۔ وہ مجھی کو دیکھ رہا تھا اور اس کی دم ہل رہی تھی۔

میں نے اسے پکارا۔ اس کی دم ہلتی رہی مگر وہ آگے نہیں بڑھا ''کیا بات ہے؟ ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ وہ بس دم ہلاتا رہا۔

وہ ہلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے پھر اُوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ چند منٹ اُوپر گیا ہوں گا کہ اس کے چیخنے اور رونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے نیچے دیکھا تو اس کا رونا موقوف ہو گیا اور دُم پھر ہلنے لگی ''ٹھیک ہے۔ میں نیچے آتا ہوں۔ پھر تمہیں بھی لے چلوں گا۔''

میں بڑی مشکل سے نیچے اُترا اور اسے دوبارہ گردن سے تھام لیا۔ ایک ہاتھ سے اسے پکڑ کر میں انچ انچ کر کے اُوپر چڑھنے لگا۔ آدھا فاصلہ طے کرنے میں مجھے پندرہ منٹ لگے۔ ذرا سا اُوپر چڑھتا تو مجھے اس کو کھینچنا پڑتا تھا۔

پھر میں سانس بحال کرنے کے لیے رُکا۔ میرا چہرہ اور میرے ہاتھ مٹی میں لتھڑ گئے تھے اور کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ ہم دونوں گڑھے کی دیوار سے چمٹے رہے۔ مجھے پھسلنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

چند منٹ کے آرام کے بعد ہم نے پھر چڑھنا شروع کیا۔ ہم تقریباً اُوپر پہنچ ہی گئے تھے کہ اچانک وہ پتھر جس پر میرے پاؤں کا بوجھ تھا ڈھیلا ہو کر پاؤں کے نیچے سے نکل گیا۔ میں پھسلا، اضطراری طور پر میں نے پلے کو چھوڑا اور دونوں ہاتھوں سے دیوار کو تھامنے کی کوشش کی۔ چند فٹ نیچے پھسلا، مگر پھر ہاتھ میں ایک جھاڑی آ گئی۔

پلا اب دردناک آواز میں رو رہا تھا۔ میں نے نیچے دیکھا لیکن وہ نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے گڑھے میں دیکھا۔ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو رہا تھا۔ اس کی نظریں مجھ پر جمی تھیں۔ میں نے پلٹ کر چڑھنا شروع کیا تو وہ دوبارہ رونے لگا۔

میں نے کوشش کی کہ اس کی التجا بھری پکار کی طرف سے کان بند کر لوں لیکن یہ آسان نہیں تھا۔ وہ گڑھے میں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتا اور پھر میری طرف تھوتھنی کر کے دردناک آواز میں روتا، جیسے مجھ سے شکایت کر رہا ہو۔

''آؤ نا.....'' میں نے پکارا۔

اُس نے چھلانگ لگائی مگر واپس نیچے جا گرا۔ پھر بھی روتا رہا۔ میری پکار پر وہ ناکام کوشش کرتا رہا۔ آخر تھک ہار کر وہ بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنا ایک پنجہ میری طرف اُٹھایا اور فریاد کرنے والے انداز میں بھونکنے لگا۔

مجھ سے نہیں رہا گیا۔ میں پھسلتا ہوا نیچے گڑھے میں گر گیا۔ وہ لپک کر میری باہوں میں آیا اور دم ہلانے لگا۔ میری قمیص پر اُس کے مٹی سے لتھڑے پنجوں کے نشان چھپ گئے۔ میں نے دیکھا، پتھروں کی رگڑ سے اس کے پنجوں کے نرم تلوے جگہ جگہ سے چھل گئے تھے۔

''آل رائٹ ڈوگی۔ اب ہم یہاں سے ساتھ ہی نکلیں گے۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

وہ شاید میری ہر بات سمجھتا تھا۔ کیونکہ فوراً ہی تشکر کے اظہار کے طور پر اس کی دم ہلنے لگی۔ میں نے گڑھے کا ہر طرف سے جائزہ لیا اور پھر ایک زیادہ اچھی جگہ تلاش کر لی جہاں سے اُوپر چڑھنا آسان تھا۔ وہ بھی لپک کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے سوچا، شاید ماما مجھے اس کو پالنے کی اجازت دے دیں۔

میں نے پھر کوشش شروع کی لیکن اب اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ آدھے راستے تک پہنچ کر میں پھر پھسل گیا۔ اب میں تھک گیا تھا، اور مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اندھیرے میں گڑھے سے نکلنا ناممکن تھا۔ اب تو چاند نکلنے کے بعد ہی کچھ کیا جا سکتا تھا۔ میں گڑھے کے بیچ میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ ماما بہت خفا ہوں گی۔ انہیں کھانے کے وقت کسی کا بھی گھر سے باہر ہونا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ادھر اب سردی ہونے لگی تھی۔

اچانک اندھیرے میں کوئی سرمئی سی چیز میرے قریب سے گزری۔ پلے کے حلق سے غراہٹ نکلی اور وہ اُس کے پیچھے لپکا۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔ کیا اس گڑھے میں چوہے موجود ہیں۔ میں نے پلے کو لپٹا لیا اور رونے لگا۔ اب ہم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکیں

گے۔ایک چوہا میرے پاؤں پر سے گزرا۔ میری چیخ نکل گئی۔ میں اچھل کر ایک طرف بھاگا۔ میں نے کئی بار چڑھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پھسل کر گر گیا۔

آخر میں گڑھے میں لیٹ گیا۔ اب مجھ میں ہلنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ میں زور زور سے چیخنے لگا ''ماما..... ماما'' لیکن میری اپنی آواز ہی گڑھے میں چکرا کر پلٹ کر واپس آتی رہی۔ میں چلاتا رہا۔ یہاں تک کہ میرا گلا بیٹھ گیا لیکن مجھے کہیں سے جواب نہیں ملا۔

پھر چاند نکل آیا۔ چاندنی میں ہر پتھر کی اوٹ میں سائے نظر آنے لگے۔ رات جیسے زندہ ہوگئی اور ہر طرف سے عجیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس لمحے ایک چوہا اُچھلا اور میرے سینے سے ٹکرایا۔ میں دہشت سے چلاتا ہوا پیچھے کی طرف گرا۔ پلا اس کے پیچھے لپکا اور اس نے نیچے گرتے ہی چوہے کو چھاپ لیا۔ اُس کے پنجے نے چوہے کی گردن توڑ دی۔ اس نے غصے سے چوہے کو منہ میں دبایا اور ایک طرف اُچھال دیا۔

میں پھر اٹھا اور گڑھے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ سردی اور خوف نے مجھے شل کر رکھا تھا۔ کتا میرے سامنے کھڑا بھونک رہا تھا۔ اس کی کمر پر تمام بال سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔ شاید وہ بھی خوف زدہ تھا۔ بازگشت کی وجہ سے گڑھے میں اس کی آواز یوں گونج رہی تھی کہ لگتا تھا، سینکڑوں کتے بھونک رہے ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ ہم کتنی دیر اس حال میں رہے۔ میری آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں اور میں انہیں کھولنے کی کوشش کیے جارہا تھا لیکن کب تک..... بالآخر میں تھکے تھکے انداز میں زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اب مجھے ماما کی ناراضی کی بھی پروا نہیں تھی۔ کیونکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اگر میں یہودی نہ ہوتا تو پال اور ایڈی مجھے گڑھے میں دھکا نہ دیتے۔ میں نے سوچا، یہاں سے نکلنے کے بعد ماما سے کہوں گا کہ ہم یہودی کے بجائے کچھ اور بن جائیں۔ تب تو لوگ مجھ پر اس طرح غصے نہیں ہوں گے لیکن میرے اندر کہیں یہ آگہی موجود تھی کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ ماما مان بھی گئیں تو پاپا ہرگز نہیں مانیں گے۔ میں انہیں جانتا تھا۔ پاپا جب کوئی ارادہ، کوئی فیصلہ کر لیں تو اسے کسی قیمت پر تبدیل نہیں

کرتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اب تک یہودی ہوتے ہی نہیں۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ان کے ساتھ بھی تو ہوتا رہا ہوگا۔ نہیں...... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

میں اُونگھنے لگا۔ مگر اس عالم میں بھی مجھے ماما کی ناراضی کی فکر تھی۔ پھر مجھے ایک اور خیال آیا۔ اس دن کا آغاز کتنا اچھا تھا۔ میری سالگرہ، اس کا تحفہ نیا گھر، خوشیاں ہی خوشیاں اور پھر ایک لمحے میں سب کچھ بدل گیا۔ پریشانی، خوف، اذیت...... کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔

مگر میرے اندر کسی نے کہا...... یہ زندگی ہے۔ جو پل ملے، پکڑ لو۔ اگلے پل کا کچھ پتہ نہیں۔ پھر نہ شکایت کام کرتی ہے، نہ افسوس اور نہ ہی پچھتاوا۔ یہ تو دو لمحوں کی کہانی ہے۔ ایک مٹھی میں بند جگنو ہے اور دوسرے کا نہیں پتا کہ وہ بھڑ ہوگی یا تتلی۔

کتے کے بھونکنے کی رفتار اور آواز دونوں بڑھ گئی تھیں۔ پھر اس گونجتی آواز کے درمیان مجھے اپنے نام کی پکار سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن نہیں کھول سکا۔ میں تھکن سے بے حال ہو رہا تھا۔

''ڈینی! ڈینی فنشر'' پکار بلند آہنگ ہوتی جارہی تھی۔

میری آنکھیں کھلیں تو گڑھے میں متحرک سایوں کا اضافہ ہوگیا تھا۔ کسی نے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ وہ مردانہ آواز تھی۔ میں کوشش کر کے اُٹھا۔ میں نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن لگتا تھا کہ میں آواز سے محروم ہوگیا ہوں۔ وہ محض کمزور سی سرگوشی تھی لیکن وہ آواز سن کر پلا بہت زور زور سے بھونکنے لگا۔ پھر مجھے گڑھے کے باہر سے آوازیں سنائی دیں اور کتے کا جوش و خروش اور بڑھ گیا۔

فلیش لائٹ کی روشنی گڑھے میں در آئی اور جیسے ٹٹولنے لگی۔ میں جانتا تھا کہ اپنی آواز ان تک نہیں پہنچا سکتا۔ میں روشنی کے پیچھے دوڑا، تاکہ دیکھ لیا جاؤں۔ پلا میرے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ اب بھی بھونک رہا تھا۔

پھر روشنی مجھ پر پڑی اور میں ساکت ہوگیا۔ میں نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ کسی نے چیخ کر کہا ''یہ رہا۔ مل گیا۔''

پھر پاپا کی آواز جیسے نیچے اُتر آئی ''ڈینی ..... ڈینی! تم ٹھیک تو ہو؟''

کوئی پھسلتا ہوا نیچے اُترا اور میری طرف بڑھا۔ میں روتے روتے اس سے لپٹ گیا۔ وہ پاپا تھے۔ ان کے بوسوں نے میرا چہرہ بھگو دیا۔ ان کے ہونٹ مٹی سے لتھڑ گئے ہوں گے لیکن انہیں پروا نہیں تھی۔ ''ڈینی! تم ٹھیک تو ہو نا؟'' وہ بار بار پوچھ رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں پاپا'' میں نے سسکیوں کے درمیان کہا ''لیکن ماما بہت ناراض ہوں گی۔ میں نے کپڑے گندے کر لیے ہیں''

پاپا ہنس دیے ''اس کی تم فکر نہ کرو'' پھر انہوں نے گڑھے کے دہانے کی طرف رُخ کرتے ہوئے پکارا ''رسی پھینکو۔ تاکہ اسے نکالیں''

''اس پلے کو نہیں بھولیے گا پاپا! اسے ہم ساتھ لے کر چلیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ یہ نہ ہوتا تو ہم یہاں تک پہنچ ہی نہ پاتے۔'' پاپا نے کہا۔ پھر اچانک پوچھا ''تم اسی کی وجہ سے یہاں پھنسے ہو؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں پاپا، پال اور ایڈی نے مجھے گڑھے میں دھکا دیا، کیونکہ میں یہودی ہوں''

پاپا مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اوپر سے رسی آ گری تو انہوں نے اُٹھا کر اسے میری کمر میں باندھا۔ پلے کو میں نے گود میں لے لیا۔ یوں ہمیں گڑھے سے باہر نکال لیا گیا ''یہ جگہ تو نئی ہے'' میں نے پاپا کو بڑبڑاتے سنا ''لیکن لوگ وہی پرانے ہیں''۔

میری سمجھ میں ان کی بات نہیں آئی۔ میں نے پوچھا ''پاپا! آپ کو مجھ پر غصہ تو نہیں آ رہا ہے''

''نہیں ڈینی، بالکل نہیں''

''تو میں یہ کتا پال لوں پاپا۔ یہ بہت اچھا ہے۔''

پلا شاید سمجھ گیا تھا کہ میں اُس کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ وہ اپنا سر پاپا کی ٹانگوں سے رگڑنے لگا۔ اس کی دم ہل رہی تھی ''ہم اسے ریکسی فشر کہا کریں گے۔''

پاپا نے ایک نظر مجھے اور پھر پلے کو دیکھا۔ پھر وہ ہنسنے لگے ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ ہی نہیں، شی ہے''

☆☆

میں نہا دھو کر صاف ستھرا ہو چکا تھا۔ اب کمرے میں اندھیرا تھا اور میرا بستر گرم تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے رات کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ نئے ماحول کی نئے علاقے میں نئی آوازیں تھیں۔ اب مجھے ان کے ساتھ رہنا تھا لیکن میں ان سے خوفزدہ نہیں تھا۔ کیونکہ میں اپنے گھر میں تھا..... اور اپنے کمرے میں۔ میری آنکھیں مندنے لگیں۔ میں نے کروٹ لی۔ میرا ہاتھ دیوار سے ٹکرایا۔ وہ تازہ پینٹ کی وجہ سے کھردری لگ رہی تھی۔

''اے میرے گھر! مجھے تجھ سے محبت ہے۔'' میں نیم خوابیدگی کی کیفیت میں بڑبڑایا۔

میرے بیڈ کے نیچے پلا کسمسایا۔ میں نے ہاتھ نیچے لٹکا کر اُسے چھوا۔ وہ نرم گیند سی لگ رہی تھی۔ نرم اور صاف ستھری۔ ماما نے پاپا سے کہا تھا کہ وہ اُسے نہلائیں۔ ورنہ وہ اسے میرے کمرے میں نہیں گھسنے دیں گی۔

میں نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا ''مجھے تم سے بھی محبت ہے ریکسی! تم مجھے اس گھر کے ساتھ ملی ہو۔''

پھر مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ جسم کی بچی کھچی اینٹھن بھی دور ہو گئی۔ نیند کی تھپکی سے جسم ڈھیلا ہو گیا۔ وہ میری زندگی کا پہلا دن تھا جو مجھے پوری طرح یاد تھا۔ اس دن مجھے ایک گھر ملا تھا اور اب وہ دن 'آج' سے گزری ہوئی کل میں تبدیل ہو رہا تھا اور میری زندگی کے تمام دن آنے والی کل تھے۔

☆☆

دن زندگی کے

کتابِ اوّل

دھوپ میری آنکھوں کے بند پپوٹوں پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور تکیے میں منہ چھپالیا۔ چند منٹ تو مجھے بہتر لگتا رہا۔ مگر پھر جیسے میرے بازو پر سے رینگتی رینگتی وہ میری تلاش میں تکیے تک پہنچ گئی۔ میں نے سوچا، اس سے چھپنا بے کار ہے۔ چنانچہ میں بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے ملیں اور پوری طرح بیدار ہوگیا۔

میں نے جماہی لی، انگڑائی لی، ماتھے پر سے بال ہٹائے اور کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوبصورت اور چمکیلی صبح تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں اور کچھ دیر سوؤں لیکن مشرق کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی سورج کے ساتھ سازباز ہوتی ہے۔ سورج سونے والوں پر کرنوں کے نیزے پھینکتا رہتا ہے۔ وہ انہیں سونے نہیں دیتا۔

میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ڈریسر پر رکھی گھڑی نے مجھے بتایا کہ سوا سات بجے ہیں۔ میں نے پاؤں لٹکائے اور اپنے سلیپرز کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ مگر وہ موجود نہیں تھے۔ میں مسکرایا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ ریکسی ہمیشہ انہیں بیڈ کے نیچے لے جاتی تھی اور انہیں اپنے تکیے کے طور پر استعمال کرتی تھی۔

میں نیچے جھکا اور سوتی ہوئی ریکسی کا سر تھپتھپایا۔ اُس نے سر اٹھا کر نیند سے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور دھیرے دھیرے دُم ہلانے لگی۔ میں نے اپنے سلیپر باہر کھینچ لیے۔ اس نے مجھے سلیپر پہنتے دیکھا اور دوبارہ سوگئی۔

میں کھڑکی کی طرف گیا۔ پاپا کے کمرے سے آوازیں سنائی دیں تو مجھے یاد آیا کہ یہ میرے لیے ایک اہم دن ہے۔ آج مجھے دائرہ مذہب میں داخل کرنے کی تقریب ہے۔ میں نروس ہوگیا۔ اس موقعے پر پڑھنے کے لیے جو کچھ مجھے یاد کرایا گیا تھا، وہ مجھے یاد بھی ہوگا؟

میں نے گہری گہری سانسیں لیں اور لمحوں میں میرا اعتماد بحال ہوگیا۔ چند لمحے بعد میں کسرت میں مصروف ہوگیا۔ کچھ بھی ہو، میں کسرت کا ناغہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک میرا وزن نہیں بڑھے گا، میں اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔

میں نے مختلف نوع کی مشقیں کیں، پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ ابھی تو کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ میں اپنی ایک ایک پسلی گن سکتا تھا۔ پھر میں نے اپنے سینے کو ٹٹولا کہ ممکن ہے راتوں رات اس پر بال اُگ آئے ہوں لیکن وہاں اب بھی سنہرے روئیں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی میرا جی چاہتا کہ میرے بال بلونڈ ہونے کے بجائے پال جیسے سیاہ ہوتے۔ پھر وہ واضح طور پر دکھائی دیتے۔

میں نے مزید کچھ بیٹھکیں لگائیں، پھر ڈمبل لے کر کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ اسی لمحے مجھے سامنے والے گھر کی کھلی کھڑکی کی طرف سے لائٹ کا سوئچ دبانے کی آواز سنائی دی اور سامنے والا کمرا روشنی سے بھر گیا۔ میں جلدی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور چھپ کر اپنی کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ وہ مارجوری این کا کمرا تھا جو میمی کی عزیز ترین سہیلی تھی۔ کبھی اُس کی کھڑکی کے پردے ہٹے ہوتے تو میرے مزے ہو جاتے۔ تاک جھانک کا موقع مل جاتا۔ مجھے اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ اس کے گھر کا رُخ مغرب کی طرف ہے۔ اس کی وجہ سے اسے صبح اپنے کمرے میں لائٹ جلانی پڑتی تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے جھانکا اور میری سانسیں رکنے لگیں۔ پردے ہٹے ہوئے تھے۔ اس ہفتے میں یہ تیسرا موقع تھا کہ وہ پردے برابر کرنا بھول گئی تھی۔ آخری بار جب میں نے اسے دیکھا تھا تو میرا خیال تھا کہ اسے میری موجودگی کا احساس ہے۔ اس لیے میں زیادہ احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ مجھے ہمیشہ چھیڑتی اور ستاتی، اور جب میں اس سے بات کرتا تو

ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ہمارے درمیان کئی تند و تیز جھگڑے ہو چکے تھے۔ حالانکہ جھگڑے کی بہ ظاہر کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی تھی۔

میں تو اسے اپنی تقریب میں مدعو ہی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میمی مصر رہی تھی۔

وہ ملبوسات کی کوٹھری سے نکلی۔ کھڑکی کے سامنے وہ نیچے سے کچھ اُٹھانے کے لیے جھکی۔ مجھے ایک زبردست نظارہ میسر آ گیا۔

پال کا کہنا تھا کہ وہ اس علاقے کی سب سے خوش بدن لڑکی ہے لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ میرے خیال میں میمی اس سے بہ درجہا اچھی تھی۔ کم از کم وہ مارجوری این کی طرح غیر متناسب نہیں تھی لیکن پال کے نزدیک جو مارجوری این کے پاس تھا، وہی درحقیقت تناسب تھا۔ اب وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی اور لگتا تھا کہ مجھے ہی دیکھ رہی ہے۔ میں نے اپنا سر اور نیچے کر لیا۔ وہ آپ ہی آپ مسکرائی۔ میں پریشانی محسوس کرنے لگا۔ وہ مسکراہٹ یہ اعلان کر رہی تھی کہ وہ سب کچھ جانتی ہے۔ کیا واقعی اسے پتا ہے کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں لیکن جس طرح وہ کمرے میں چل پھر رہی تھی، خود کو نمایاں کر رہی تھی، اس سے یہی لگتا تھا کہ وہ میری نظر بازی سے آگاہ ہے۔

باہر ہال کی طرف سے میمی کی آواز سنائی دی تو میں تیزی سے غوطہ لگا کر اپنے بستر میں غروب ہو گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میمی کی گرفت میں آؤں۔ بستر پر دراز ہوتے ہی میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ سامنے والے کمرے میں لائٹ آف ہو چکی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ میرا اندازہ درست تھا اور وہ میری تانک جھانک سے واقف تھی۔

قدموں کی چاپیں میرے دروازے تک آئیں تو میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سوتا بن گیا۔ دروازے سے میمی نے پکارا ''ڈینی! تم اُٹھ گئے ہو؟''

''ہاں! اب اٹھ گیا ہوں۔'' میں اٹھ کر بیٹھا اور آنکھیں ملنے لگا۔ ''تم کیا چاہتی ہو؟''

وہ جواب دینے کے بجائے کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''یہ تمہارے سلیپر آوارہ گرد ہو گئے ہیں''

''کیا مطلب؟''

''ٹہلتے ہوئے کھڑکی کے پاس چلے گئے ہیں...... تمہارے بغیر''

مجھے بہت زور کا غصہ آیا لیکن خود پر قابو رکھنے میں ہی بہتری تھی ''وہ ریکسی ان سے کھیلتی ہے نا''

''ریکسی بے چاری تو بے خبر سو رہی ہے۔'' میمی نے کہا ''تم پہلے سے اُٹھے ہوئے تھے نا''

اب جھوٹ بولنا مشکل تھا۔ میں نے کہا ''ہاں''

''کیا کر رہے تھے؟''

''ایکسرسائز''

''خیر...... ماما نے کہا تھا کہ تمہیں جگا دوں۔ اپنی تقریب والے دن تو تم گندے نہ رہو کم از کم'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی میں چھلانگ مار کر بستر سے اُترا۔ میرا جسم گرم ہو رہا تھا۔ نجانے کیوں، مارجوری این کے نظارے کے بعد یہی ہوتا تھا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اب میں ایسا دبلا پتلا بھی نہیں تھا۔ قد پانچ فٹ چار انچ، وزن ۱۱۴ پونڈ۔ جبکہ ابھی میں صرف ۱۳ سال کا تھا۔ مجھے چھ پونڈ وزن اور بڑھانا تھا۔ پھر اسکول کی فٹ بال ٹیم میں میری شمولیت ممکن ہو جاتی۔

اپنا باتھ روب پہن کر میں نے ہال میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا لیکن میمی کے کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ میں باہر نکلا۔ میمی اپنا بستر درست کر رہی تھی۔ میں اس کے کمرے میں چلا گیا ''میمی؟'' میں نے اُسے پکارا۔

''کیا ہے؟'' اس کے انداز میں بے مہری تھی۔

''تم پہلے باتھ روم جانا چاہتی ہو؟'' میں نے نظریں جھکا کر کہا۔

''کیوں؟'' اس کے لہجے میں شک تھا۔

نیچے سے ماما اور پاپا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اپنی آواز حتی الامکان دھیمی

رکھنے کی کوشش کی۔ ''وہ...... میں ...... میں شاور لوں گا نا اور تمہیں شاید جلدی ہو۔''

''مجھے کوئی جلدی نہیں'' وہ بے رُخی سے بولی۔

مجھے احساس ہو گیا کہ وہ خفا ہے۔ ''میمی! تم مجھ سے خفا ہو۔''

''سب لڑکے ایک جیسے ہوتے ہیں'' اس نے جھنجھلا کر کہا ''تم دن بہ دن اپنے دوست پال جیسے ہوتے جا رہے ہو''۔ میرا چہرہ تمتما اٹھا ''نہیں ...... ہرگز نہیں''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ تم مارجوری این کو تاکتے رہتے ہو''

''نہیں! یہ غلط ہے''

اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی ''اور میں ماما کو یہ بات بتانے والی ہوں''

میں نے جلدی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے ''نہیں، ایسا نہیں کرنا''

''تمہاری گرفت ...... تم مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو''

اس کی کلائیوں پر میری گرفت اور سخت ہوئی۔ ''تم ایسا نہیں کرو گی'' میں نے درشتی سے کہا۔

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں خوف تھا لیکن اس خوف کے نیچے سے تجسس بھی جھانک رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا ''ٹھیک ہے، میں ماما کو نہیں بتاؤں گی لیکن مارج کو ضرور بتاؤں گی کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی تم اسے چھپ چھپ کر دیکھتے ہو۔ وہ اپنی کھڑکی کے پردے نہ ہٹایا کرے۔''

میں نے اس کی کلائیاں چھوڑ دیں۔ مجھے فتح کا احساس ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ درست تھا، مارجوری این کو معلوم تھا کہ میں اسے دیکھتا ہوں۔ ''اور مارج پھر بھی پردے ہٹائے تو؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ یہی چاہتی ہے۔''

میں اس کے کمرے سے نکل کر باتھ روم میں چلا گیا۔ ٹھنڈے پانی کی پھواروں نے جسم بھگویا تو میرے دانت بجنے لگے لیکن میں ہٹا نہیں۔ جسم کی گرمی تو بہرحال ڈھل رہی تھی۔ پی ٹی ٹیچر نے گزشتہ روز سب لڑکوں کو سمجھایا تھا کہ ٹھنڈا پانی تمام ذہنی اور جسمانی مسائل کا حل ہے۔ سب کچھ ڈھل جاتا ہے اور ان کی بات سچی تھی۔ دماغ بھی

ڈھل گیا تھا اور جسم بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا لیکن میں نے آئینے میں دیکھا تو میرے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔

میں نے قمیص کے بٹن بند کیے، بالوں میں کنگھا کیا اور آئینے میں خود کو دیکھا۔ ماما یقیناً مجھے دیکھ کر خوش ہوں گی۔ میری جلد چمک رہی تھی اور بالوں کا رنگ اور ہلکا لگ رہا تھا۔

میں نے بیڈ سے نیچے جھک کر دیکھا ''اُٹھ جاؤ ریکسی! اب ہمیں باہر جانا ہے۔''

وہ فوراً ہی اُٹھی اور بیڈ کے نیچے سے نکل آئی۔ اس کی دم ہل رہی تھی۔ میں نے اس کا سر سہلایا۔ وہ میرا ہاتھ چاٹنے لگی۔

میں کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ کچن کی طرف سے ماما کی آواز آ رہی تھی۔ ان کے لہجے میں جوش تھا ''تم اپنی بھابی کو جانتے تو ہو۔ وہ تو باتیں بنانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ''وہ سمجھتی ہے کہ اس طرح کی تقریب اس کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا......''

''پرسکون ہو جاؤ میری'' پاپا نے ان کی بات کاٹ دی ''سب ٹھیک ہو جائے گا اور دیکھو، گھر پر دعوت کا فیصلہ بھی تم ہی نے کیا تھا''

میں نے سکون کی سانس لی کہ وہ میرے بارے میں بات نہیں کر رہے ہیں۔ یعنی میمی نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ اب یہ جھگڑا تو پچھلے چھ ماہ سے چل رہا تھا، جب سے دائرہ مذہب کی تقریب کی بات شروع ہوئی تھی۔

پاپا دعوت کے لیے کوئی ہال کرائے پر لینا چاہتے تھے لیکن ماما اس کے خلاف تھیں۔

''ہم فضول خرچی نہیں کر سکتے'' انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا ''کاروبار کی حالت اچھی نہیں۔ قرض کی ادائیگی تک تو تمہارے لیے دشوار ہو رہی ہے۔ بینک والے اپنے تین ہزار ڈالر کی واپسی کے لیے زیادہ انتظار تو نہیں کریں گے۔''

اور پاپا نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور کچھ وہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کاروبار مندا جا رہا تھا اور بہتری کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بلکہ یہ یقین لگتا تھا کہ حالات اور خراب ہوں گے۔ پچھلے چند ماہ میں پاپا بہت اعصاب زدہ، بہت چڑچڑے ہو گئے تھے۔

میں نے دروازہ کھولا اور کچن میں داخل ہوا۔ ریکسی میرے پیچھے پیچھے تھی۔ ''گڈ مارننگ'' میں نے کہا۔ پھر ماما سے پوچھا ''آپ کو اسٹور سے کیا کچھ منگوانا ہے؟''

ماما نے میری طرف دیکھے بغیر کہا ''وہی معمول کی چیزیں ڈینی''

''مجھے جیلی کا پیڑا ملے گا ماما؟''

ماما مجھے دیکھ کر مسکرا دیں ''ٹھیک ہے ڈینی'' انہوں نے شیلف پر رکھے جار میں سے ایک ڈالر نکال کر مجھے دیا ''آج تو میں تمہیں انکار نہیں کر سکتی۔'' میں ڈالر لے کر دروازے کی طرف بڑھا تو ماما نے کہا ''ریز گاری دھیان سے گننا ڈینی''

''جی ماما!''

دروازہ کھلتے ہی ریکسی تیر کی طرح باہر لپکی۔ ڈرائیو وے سے گزرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے میمی اور ماجوری این کو دیکھا۔ وہ سر جوڑے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے یوں ظاہر کیا جیسے انہیں دیکھا ہی نہ ہو لیکن دروازے پر ریکسی کی وجہ سے رُکنا پڑا۔

مارج نے میری طرف دیکھا اور چھیڑنے والے انداز میں کھلکھلا کر ہنسی۔ مجھے یقین تھا کہ میرا چہرہ تمتما اُٹھا ہوگا ''آج میں تمہاری پارٹی میں آ رہی ہوں'' اس نے مجھے پکارا۔

''مجھ پر احسان مت کرو'' میں نے چڑ کر کہا ''اگر میری وجہ سے آ رہی ہو تو آنے کی ضرورت بھی نہیں۔''

وہ پھر ہنسی...... وہی چڑانے والی ہنسی! ''مجھے نہیں دیکھو گے تو تمہیں لطف کیا آئے گا اور آج کی تقریب کے بعد تم مرد بن چکے ہو گے۔ میں دیکھنا چاہوں گی کہ تم میں کوئی فرق پڑا یا نہیں۔''

ریکسی اب سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ میں کوئی جواب دیے بغیر تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

...........☆☆...........

یہ دائرہ مذہب میں داخلے کی تقریب بھی عجیب ہوتی ہے۔ ایک لمحہ آپ لڑکا ہیں اور اگلے لمحے مرد۔ کنیسہ میں ہونے والی تقریب میں میں نے کامیابی سے تمام دعائیں پڑھیں۔ نیچے اترا تو ماما نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ وہ مجھے چھوڑ ہی نہیں رہی تھیں۔ مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ اب میں مرد تھا اور وہ مجھے یوں چپکائے کھڑی تھیں جیسے میں چھوٹا سا بچہ ہوں۔ اور وہ رو رہی تھیں۔

پاپا نے عقب سے میرے کندھے پر تھپکی دی ''شاباش ڈینی!'' پھر انہوں نے ماما سے کہا ''اب اسے چھوڑ بھی دو''

میں ان کی طرف مڑا۔ پاپا نے ایک پیپر کپ میں تھوڑی سی وسکی ڈال کر میری طرف بڑھائی۔ ''کیا کرتے ہو ہیری؟'' ماما کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''کم آن میری! اب ہمارا بیٹا لڑکا نہیں، مرد ہے۔'' پاپا نے کہا۔

میں نے تشکر سے انہیں دیکھا اور کپ لے کر منہ سے لگا لیا۔ مگر وہ تو آگ تھی، جو حلق سے گزر کر میرے معدے تک جا پہنچی تھی۔ مجھے پھندا لگا۔ میں کھانسنے لگا۔

''دیکھو...... یہ تم نے کیا کر دیا ہیری'' ماما نے ملامت بھرے لہجے میں پاپا سے کہا۔

میری آنکھوں میں پانی آ گیا اور پاپا ہنس رہے تھے۔ مجھ پر کھانسی کا ایک اور دورہ پڑا، اور ماما نے مجھے سینے سے چپکا لیا۔

...........☆☆...........

گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے ریکسی کو بیڈ روم میں بند کر دیا تھا۔ بھیڑ میں وہ ہمیشہ نروس ہو جاتی تھی۔ میں نشست گاہ سے گزر کر بیسمنٹ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اسے ماما نے بچوں کے لیے پلے روم بنا دیا تھا۔

انکل ڈیوڈ نے مجھے پکارا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑے پاپا سے باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کی طرف چلا گیا۔

''اب تم بڑے ہو گئے ہو ڈینی'' انکل نے کہا۔ پھر پاپا کی طرف مڑے ''اب جلد ہی میرے جوئیل کی طرح یہ بھی اسٹور میں تمہارا ہاتھ بٹایا کرے گا''

پاپا نے انکار میں سر ہلایا ''نہیں، یہ میرے ڈینی کی منزل نہیں'' انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا'' یہ کوئی پروفیشنل بنے گا...... وکیل یا ڈاکٹر۔ اور میں کسی دن اسے اچھا سا دفتر یا مطب بنا کر دوں گا۔''

میں نے پاپا کو حیرت سے دیکھا۔ میرے بارے میں ان کے کچھ خواب ہیں، یہ مجھے پہلی بار پتا چلا تھا۔ حالانکہ میں نے خود کبھی اس سلسلے میں نہیں سوچا تھا۔

انکل ڈیوڈ کے چہرے پر تفہیم کا تاثر اُبھرا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہیری'' انہوں نے کہا'' لیکن تم جانتے ہو کہ وقت کتنا دشوار ہے۔ تم جدوجہد کر رہے ہو، اپنی معاشی بقا کے لیے لڑ رہے ہو۔ ایسے میں اگر موسم گرما میں میرے جوئیل کی طرح تمہارا ڈینی تمہارا ہاتھ بٹائے تو اس میں برائی کیا ہے۔ اس طرح تمہیں پانچ ڈالر فی ہفتہ کی بچت ہوگی۔ اب پانچ ڈالر ان حالات میں کوئی اہمیت رکھتے ہیں'' انہوں نے میری طرف دیکھا ''ڈینی! بہت اچھا لڑکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمہارا ہاتھ ضرور بٹائے گا۔ کیوں ڈینی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا''

میں نے اثبات میں سر ہلایا ''یقیناً انکل ڈیوڈ'' میں کسی کو یہ کہنے کا موقع کیسے دے سکتا تھا کہ جوئیل مجھ سے بہتر ہے۔

پاپا نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں دکھ تھا، اور ان کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ ''اس پر ہم بعد میں بات کریں گے ڈینی'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''اسکول کی چھٹیاں تو ایک ماہ بعد ہوں گی۔ ابھی تو تم نیچے جاؤ۔ بچے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

سیڑھیوں پر میں رکا اور میں نے پلے روم کا جائزہ لیا۔ ماما نے دیواروں اور چھت کی زبردست آرائش کی تھی لیکن بچے بہت چپ چپ تھے۔ اُوپر بڑے لوگ یوں چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے، جیسے چیخنے کا مقابلہ ہو رہا ہو۔ ان کی گونجتی ہوئی آوازیں نیچے بیس منٹ میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ نیچے لڑکوں کا گروپ ایک طرف تھا اور لڑکیاں دوسری طرف تھیں۔ وہ سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

میں لڑکوں کے درمیان پہنچا تو میرا کزن جوئیل میری طرف بڑھا۔ وہ مجھ سے ڈیڑھ سال بڑا تھا۔ اس کا چہرہ مہاسوں سے بھرا تھا۔ میں نے مہاسوں کے متعلق جو کچھ سنا تھا، اس کی روشنی میں مجھے اُمید تھی کہ میں ان سے محفوظ رہوں گا۔

''ہیلو جوئیل'' مجھے خود بھی اپنی آواز عجیب سی لگی'' کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہاں...... ٹھیک ہے'' لیکن اس کی بے قرار نگاہیں لڑکیوں کو ٹٹول رہی تھیں۔

میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ مارجوری این کو تاڑ رہا تھا۔ مارجوری نے مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو سرگوشی میں میمی سے کچھ کہا۔ میمی کھلکھلا کر ہنس دی۔

میں ان کی طرف بڑھا۔ جوئیل میرے ساتھ تھا۔ ''کوئی مزاحیہ بات ہوگئی کیا؟'' میں نے اکھڑپن سے پوچھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ پر ہنس رہی ہیں۔

میمی نے نفی میں سر ہلایا، مگر فوراً ہی پھر ہنسنے لگی۔ مارج کے ہونٹوں پر تاؤ دلانے والی مسکراہٹ تھی ''ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے'' اس نے کہا'' کہ تم آؤ گے تو پارٹی میں جان پڑے گی''

میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا۔ سب بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ مارج نے سچ کہا تھا۔ اس وقت تو وہ دم توڑتی ہوئی پارٹی تھی۔ اُوپر بڑے لوگ اپنے انداز میں انجوائے کر رہے تھے لیکن نیچے موجود چھوٹوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں ''ارے...... تم لوگ اتنے چپ کیوں ہو؟'' میں نے بلند آواز میں پکارا ''چلو، کچھ کھیلیں''

''کیا کھیلیں؟'' میمی کے لہجے میں چیلنج تھا۔

میں نے احمقوں کی طرح خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس سوال کے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا، اور نہ ہی اس کا کوئی جواب تھا میرے پاس۔ میں نے بے بسی سے، سوالیہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا۔

''پوسٹ آفس سے شروع کریں'' مارج نے تجویز پیش کی۔

میرا منہ بن گیا۔ وہ لڑکیوں والا کھیل میں نہیں کھیلنا چاہتا تھا۔

''تو پھر تم کیا کھیلانا چاہتے ہو...... چھومنتر؟'' اس نے جل کر کہا۔

میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی، لیکن جوئیل نے میری بات کاٹ دی ''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔'' اس نے پرشوق لہجے میں کہا ''میں اس کے لیے تیار ہوں''

میں نے سر گھما کر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ مجھے پتا تھا کہ اس کا چہرہ مہاسوں سے کیوں بھرا ہے۔ پی ٹی ماسٹر نے سب لڑکوں کو بتا دیا تھا کہ جو لڑکے لڑکیوں کے چکر میں پڑتے ہیں ان کے چہروں پر مہاسے نکلتے ہیں۔ میں اس سے بحث کرنا چاہتا تھا لیکن سبھی لوگ اس کھیل کے حق میں تھے۔ ہم سب نیم دائرے کی شکل میں فرش پر بیٹھ گئے۔ مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ میں خود کوئی کھیل کیوں تجویز نہیں کر سکا۔

وہاں چھوٹا سا گرم کمرا تھا، اسے جادونگری کا درجہ دے دیا گیا۔ جوئیل پہلا جادوگر تھا۔ اس نے مارجوری این کو جادونگری میں طلب کر لیا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ دروازہ بند ہوگیا۔ کھیل شروع ہو چکا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ مارج مجھے طلب کرے گی!

اور میرا اندازہ درست تھا۔ جوئیل اندر بہت تھوڑی دیر رُکا تھا۔ پھر دروازہ کھلا، وہ باہر آیا۔ دروازہ بند کرکے وہیں کھڑے کھڑے اُس نے انگوٹھے کو نیم قوسی حرکت دیتے ہوئے مجھے بتایا کہ جادوگرنی نے مجھے طلب کیا ہے۔

میں نے میمی کو دیکھا۔ وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنے رُخسار دہکتے محسوس ہوئے۔

''اب آ بھی جاؤ۔ ورنہ جادوگرنی خفا ہوگی۔ کون جانے وہ تمہیں بندر بنا دے'' جوئیل نے مجھے پکارا۔

میں جھجکتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ میں جوئیل کے پاس سے گزرا تو اُس نے سرگوشی میں کہا ''کیا لڑکی ہے میرے بھائی...... زبردست!''

میں نے دروازے کا لٹو گھمایا، اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ بند دروازے سے ٹیک لگا کر میں نے نیم تاریک کمرے کا جائزہ لیا، جو روشنی سے آنے کی وجہ سے مجھے بالکل اندھیرا لگ رہا تھا۔ وہاں کارنر میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے مدھم سی روشنی نہ آ رہی ہوتی تو وہاں گھپ اندھیرا ہی ہوتا۔

''میں یہاں ہوں ڈینی'' مارجوری این نے مجھے آواز دی۔

میں اب بھی دروازے کا لٹو تھامے ہوئے تھا۔ مجھے اپنا دل کنپٹی میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا ''تت...... تم...... تم کیا چاہتی ہو مجھ سے'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ میری آواز مینڈک کی ٹراہٹ سے مشابہ تھی۔ سچ یہ ہے کہ مجھے اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ ''تم نے کیوں بلایا ہے مجھے؟''

اس نے سرگوشی میں کہا ''تمہیں نہیں معلوم؟'' وہ وہی چھیڑنے والا لہجہ تھا، جس پر مجھے غصہ آتا تھا ''میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم واقعی بڑے ہو گئے ہو یا یہ تقریب جعلی تھی۔''

میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ آتش دان کے پیچھے کھڑی تھی ''تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟'' میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔

''جان چھڑانی ہے تو میرے پاس آؤ۔ اس کے بغیر تو جان نہیں چھوٹ سکتی'' اس کی آواز میں ہنسی کی کھنک بے حد نمایاں تھی۔ ''اب آ بھی جاؤ ڈینی بوائے۔ میں تمہیں تکلیف تو نہیں پہنچاؤں گی۔''

میں اب بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اب میری نگاہ وہاں کی نیم تاریکی سے ہم آہنگ ہو گئی تھی۔ ''میں نہیں آتا'' میں نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے۔ میں سب کو بتا دوں گی کہ تم دروازے پر کھڑے رہے۔ کھیل ہوا ہی نہیں۔ سب تم پر ہنسیں گے۔'' وہ بولی۔

یہ میں کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ آج ہی تو میں مرد بنا تھا۔ میں آتش دان کے گرد گھوم کر اس کی طرف گیا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ ہاتھ اُس نے پیچھے باندھے ہوئے تھے۔ میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔

اس کی آنکھیں جیسے ہنس رہی تھیں ''آج صبح تم کھڑکی سے مجھے کیوں دیکھ رہے تھے؟'' اس نے بالکل اچانک حملہ کیا۔

میرا جسم اکڑ گیا ''میں......نہیں، ہرگز نہیں''

''بالکل دیکھ رہے تھے۔'' اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''میں نے خود دیکھا تمہیں اور میمی نے بھی مجھے یہی بتایا ہے۔''

میں اسے گھورتا رہا۔ میں نے سوچا، میمی کی تو میں اچھی طرح خبر لوں گا۔ ''اگر تمہیں تنا یقین ہے اس بات پر تو اپنی کھڑکی کے پردے کیوں ہٹاتی ہو۔'' میں نے غصہ سے کہا

''یہ بات تو تمہارے سوچنے کی ہے'' اس نے سرد لہجے میں کہا ''کبھی غور کیا اس پر؟''

''کرتا رہتا ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم خود میری سمجھ میں نہیں آتیں''

''دراصل تم احمق ہو''

''بالکل نہیں۔ میں اپنی کلاس میں سب سے ذہین ہوں۔ ہر مضمون میں ٹاپ کرتا ہوں۔'' میں نے فخر سے کہا۔

''وہ مضامین اور ہیں، یہ مضمون اور ہے۔ یہ زندگی ہے، جو تم نے ابھی شروع ہی نہیں کی۔'' وہ میری طرف ایک قدم بڑھی۔

''تو پھر تم ہی مجھے اس کا مطلب بتاؤ۔ تم کھڑکی کے پردے بند کیوں نہیں رکھتیں؟''

''شاید اس لیے کہ میں انہیں بند نہیں رکھنا چاہتی۔'' اس نے چھیڑنے والے لہجے میں کہا۔

میں نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ اب تو میں واقعی خود کو احمق سمجھ رہا تھا ''لیکن......''

اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر مجھے بولنے سے روک دیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ ''میں پردے اس لیے بند نہیں رکھنا چاہتی کہ ان کے دوسری طرف

تمہارا کمرا ہے۔ کسی اور کا...... کسی کا بھی کمرا ہوتا وہ تو میں پردے کبھی نہیں ہٹاتی۔ یہ سب صرف تمہارے لیے ہے ڈینی'' اور اس بار اس کا لہجہ چھیڑنے والا، تاؤ دلانے والا نہیں تھا۔ اس میں حلاوت تھی۔

''مگر میں اب بھی نہیں سمجھا کہ تم پردے کیوں ہٹاتی ہو؟''

''شاید اس لیے کہ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے دیکھو۔'' وہ بولی ''اچھا، یہ بتاؤ! جو تم نے دیکھا، تمہیں اچھا بھی لگا؟''

میرا حلق خشک ہو گیا۔ یہ سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ کیا جواب دوں۔

وہ ہنسی......کھنکھناتی ہنسی۔ ''میں جانتی ہوں، تمہیں اچھا لگا۔ ابھی کچھ دیر پہلے تمہارے کزن نے منتر پڑھا۔ مجھے چھونا تھا اسے۔ تعمیل کرنی تھی اس کے منتر کی۔ مگر میں نے نہیں کی۔ اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ مگر وہ اپنا منتر بھول کر مجھے شاندار اور زبردست قرار دیتا ہوا باہر نکلا۔''

مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ جی چاہا کہ باہر بھاگ جاؤں۔

''لگتا ہے، مجھے منتر بھی خود ہی پڑھنا ہوگا اور چھونا بھی خود ہی ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور لپٹا لیا۔

نہ تو وہ ماں کے لپٹانے جیسا تھا، نہ میمی کے لپٹانے جیسا۔ وہ تو کچھ اور ہی تھا۔ مجھے لگا کہ میرے اندر وولٹیج بہت بڑھ گیا ہے اور پھر اچانک جیسے کوئی فیوز اُڑ گیا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کروں گی۔ میں جلد باز نہیں ہوں'' اُس نے کہا۔

''یاد رکھنا ڈینی! ننھے بچے، میں تمہیں پسند کرتی ہوں'' وہ مجھ سے علاحدہ ہو کر دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر وہ پلٹی ''ڈینی! ننھے جادوگر! اب میں کسے بھیجوں تمہارے لیے...... تمہاری بہن کو؟''

............☆☆............
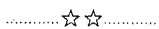
میں پارلر سے گزر رہا تھا۔ ریکسی میرے پیچھے تھی۔ ''ڈینی! یہاں آؤ ذرا'' پاپا نے مجھے پکارا۔ وہ ماما کے ساتھ کاؤچ پر بیٹھے تھے۔ ماما تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ مہمانوں کے

جانے کے بعد ابھی وہ گھر کی صفائی سے فارغ ہوئی تھیں۔ تقریب کے بعد گھر میں کچھ زیادہ ہی سناٹا لگ رہا تھا۔

''جی پاپا!'' میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''تمہاری تقریب کیسی رہی؟''

''بہت اچھی پاپا، شکریہ''

''میرا شکریہ کیوں ادا کرتے ہو۔ سب کچھ تو تمہاری ماما نے کیا''

میں ماما کو دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بھی جواب میں مسکرائیں۔ پھر انہوں نے کشن کو تھپتھپاتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ میرے بالوں میں اُنگلیاں لہرانے لگیں ''میرا بلونڈی اب بڑا ہو گیا ہے۔ اب جلد ہی اس کی شادی ہو گی۔''

پاپا ہنسنے لگے ''ارے میری، شادی کے لیے تو ابھی یہ بہت چھوٹا ہے۔''

''تو کیا ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ۱۳ برس کا ہو گیا نا۔ وقت کا پتا چلتا ہے کہیں''

پاپا نے جیب سے سگار نکال کر سلگایا ''ڈیوڈ کہہ رہا تھا کہ موسم گرما کی چھٹیوں میں ڈینی کو میرا ہاتھ بٹانا چاہیے۔''

ماما چونک کر سیدھی ہو بیٹھیں ''لیکن ہیری! ابھی تو یہ بچہ ہی ہے۔''

پاپا ہذیانی انداز میں زور سے ہنسے ''ابھی تو اس کی شادی کی فکر کی جا رہی تھی لیکن اسٹور پر کام کرنے کے معاملے میں یہ بچہ ہو گیا'' وہ میری طرف مڑے ''تمہارا کیا خیال ہے ڈینی؟''

میں نے سر اُٹھا کر انہیں دیکھا ''میں آپ کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں پاپا''

انہوں نے نفی میں سر ہلایا ''یہ مطلب نہیں تھا میرا۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو، کیا بننا چاہتے ہو؟''

میں ایک لمحے کو ہچکچایا ''مجھے نہیں معلوم پاپا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں''

''تو اب سوچنا شروع کر دو۔'' پاپا بولے ''تم ایک ذہین لڑکے ہو لیکن صرف ذہانت سے کچھ نہیں ہوتا۔ آدمی کو اپنی سمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ بغیر سمت کے وہ اس

کشتی کی طرح ہوتا ہے جو سمندر میں اِدھر اُدھر ڈولتی پھرے۔''

''گرمی کی چھٹیوں میں میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا پاپا۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اسی میں میری خوشی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کاروبار میں مندی ہے۔''

''بہت زیادہ مندی ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف کچھ کرو۔ مجھے اور تمہاری ماما کو تم سے بڑی اُمیدیں ہیں بیٹے۔ تم کالج جاؤ، ڈاکٹر یا وکیل بنو۔ کون جانے، اسٹور میں کام کرنے کی وجہ سے تم کالج سے محروم ہو جاؤ۔ میرے ساتھ یہی تو ہوا تھا۔ میں اسکول کی تعلیم بھی مکمل نہیں کر سکا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ ہو۔''

میں پاپا نے کو اور پھر ماما کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اُداسی تھی۔ وہ خوف زدہ تھے کہ میرے ساتھ بھی وہی کچھ ہو گا، جو پاپا کے ساتھ ہوا تھا لیکن بہرحال کاروبار مندا تھا اور پاپا کو مدد کی ضرورت تھی۔ میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا ''موسم گرما میں اسٹور پر کام کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہو گا پاپا۔ خزاں میں میں دوبارہ اسکول چلا جاؤں گا۔''

پاپا نے ماما کو دیکھا۔ چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ماما نے اقرار میں سر ہلایا اور پاپا میری طرف مڑے ''ٹھیک ہے ڈینی'' ان کے لہجے میں اُداسی اور بھاری پن تھا۔ ''یوں ہی سہی۔ پھر آگے کی سوچیں گے۔''

............☆☆............

لڑکے شور مچا رہے تھے۔ والی بال نیٹ کے اِدھر اور اُدھر گردش کر رہی تھی۔ جمنازیم میں اس وقت چار میچ ہو رہے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے مسٹر واٹکن کو اس طرف آتے دیکھا، لیکن اپنی توجہ بال پر مرکوز رکھی۔ میں انہیں متاثر کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ اسکول کی فٹ بال ٹیم کے کوچ بھی تھے۔ بال میری طرف آ رہی تھی۔ میرے سر سے اُوپر۔ میں نے اُچھل کر اسمیش کیا۔ بال نیٹ سے اُلجھی اور اگلے ہی لمحے دوسری طرف گر گئی۔ میں نے فخر سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ٹیم کے ۱۴ پوائنٹس میں وہ آٹھواں پوائنٹ تھا جو میں نے اسکور کیا تھا۔ مسٹر واٹکن ایسی کارکردگی کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے لیکن نہیں۔

مسٹر واٹکن نے مجھے دیکھا بھی نہیں۔ وہ تو برابر والی کورٹ میں کسی لڑکے سے بات کر رہے تھے۔ کھیل دوبارہ شروع ہوگیا لیکن میں ارتکاز سے محروم ہوگیا تھا۔ میں نے کئی آسان شاٹ مس کردیے لیکن کسی اور نے سنبھال لیا اور ٹیم نقصان سے محفوظ رہی۔ میں نے موقع پاکر پھر پی ٹی ماسٹر کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے عقب سے پال نے چیخ کر کہا ''ڈینی! سنبھالو''

میں تیزی سے گھوما۔ گیند گولی کی طرح میری طرف آرہی تھی۔ میں نے جست لگائی لیکن دوسری طرف سے بھی کوئی اُچھلا، اور اس نے مجھ سے پہلے بال کو ہٹ کردیا۔ خود بہ خود میرے ہاتھ چہرے کو ڈھانپنے کے لیے اُٹھے لیکن دیر ہوگئی تھی۔ بال میرے منہ پر لگی اور میں پلٹ کر پیچھے گر گیا۔

میں غصے کے عالم میں اُٹھا۔ جہاں بال لگی تھی، وہاں سوزش ہورہی تھی اور چہرے کا وہ حصہ یقیناً سرخ ہوگیا ہوگا۔ نیٹ کے دوسری طرف کھڑا لڑکا مسکرا رہا تھا۔ ''تم نے فاؤل کیا ہے'' میں نے چیخ کر کہا۔

اس کی مسکراہٹ ہوا ہوگئی ''کیا بات ہے ڈینی! کیا اس کھیل میں تمہارے سوا کسی اور کو ہیرو بننے کی اجازت نہیں؟''

میں نیٹ کے نیچے سے اُس کی طرف جھپٹنے لگا لیکن کسی نے مضبوطی سے میرا کندھا تھام کر مجھے روک دیا۔ ''کھیل جاری رکھو فشر۔ لڑائی جھگڑا نہیں'' میں اپنی سائیڈ پر واپس آ گیا لیکن میرا غصہ اور بڑھ گیا تھا۔ ''میں اسے بتاؤں گا'' میں نے سرگوشی میں اپنے ساتھ کھڑے ہوئے لڑکے سے کہا۔

پھر فوراً ہی مجھے موقع بھی مل گیا۔ بال اُوپر کی طرف آرہی تھی۔ وہ لڑکا اس کے لیے اُچھلا لیکن اس بار وہ مجھ سے ہار گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بال کو پوری قوت سے ہٹ کیا۔ بال اُوپر کی طرف آرہی تھی۔ وہ لڑکا اس کے لیے اُچھلا لیکن اس بار وہ مجھ سے ہار گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بال کو پوری قوت سے ہٹ کیا۔ بال اس کے پورے منہ پر لگی اور وہ اُلٹ کر پیچھے جا پڑا۔ میں نے اس کا منہ چڑاتے ہوئے ہوٹنگ کی۔

وہ اُٹھا اور جھپٹ کر نیٹ کے نیچے سے نکلا اور میری ٹانگیں تھام کر جھٹکا دیا۔ ہم دونوں دور تک لڑھکتے گئے۔ وہ سرگوشی میں مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ مسٹر واٹکن نے ہمیں ایک دوسرے سے الگ کیا ''میں نے کہا تھا کہ لڑائی جھگڑا نہیں چلے گا'' انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''شروع کس نے کیا تھا؟'' مسٹر واٹکن نے درشت لہجے میں پوچھا۔

دونوں میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔

''چلو، کھیل دوبارہ شروع کرو'' پی ٹی ماسٹر نے کہا ''اور جھگڑا نہیں ہونا چاہیے۔''

لیکن ان کے پلٹتے ہی ہم پھر گتھم گتھا ہوگئے اور لڑھکنے لگے۔ مسٹر واٹکن پلٹ آئے۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے ہمیں علاحدہ کیا۔ ان کے چہرے پر سنگینی تھی ''تو تم دونوں لڑنے پر مصر ہو؟'' انہوں نے کہا۔

میں اور وہ لڑکا، ہم دونوں چپ رہے۔

''اگر لڑنا ہی ہے تو پھر میرے طریقے سے لڑو'' انہوں نے پلٹ کر اپنے اسسٹنٹ کو آواز دی ''گلووز نکال کر لاؤ''

اسسٹنٹ گلووز لے آیا۔ مسٹر واٹکن نے ایک ایک جوڑی ہم دونوں کی طرف بڑھائی۔ پھر وہ لڑکوں کی طرف مڑے، جو تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے تھے۔ ''دروازے بند کردو۔ میں نہیں چاہتا کہ باہر کسی کو اس بات کا پتا چلے'' انہوں نے کہا۔ پھر ہماری طرف مڑے ''گلووز پہن لو تم دونوں''۔

تمام لڑکے ہنسنے لگے۔ اس ہنسی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ گلووز سے میں نامانوس تھا۔ پہننے میں اُلجھن ہورہی تھی۔ پال نے میری مدد کی۔ میں نے دوسرے لڑکے کی طرف دیکھا۔ میرا غصہ سرد ہو چکا تھا۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بلکہ میں تو اس کا نام تک نہیں جانتا تھا اور کھیل میں اس طرح ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ بھی کچھ اسی انداز میں سوچ رہا ہے۔

میں اس کی طرف بڑھا ''یہ تو بے حد احمقانہ بات ہے'' میں نے اُس سے کہا۔

لیکن اس کے بولنے سے پہلے ہی مسٹر واٹکن نے زہریلے لہجے میں کہا ''اب ڈر لگ رہا ہے نافنٹر'' اور ان کی نگاہوں سے ہیجان جھلک رہا تھا۔

مجھے اپنے رُخسار دہکتے ہوئے محسوس ہوئے ''جی نہیں۔ لیکن......''

''بس تو پھر میرے کہنے پر عمل کرو'' انہوں نے میری بات کاٹ دی ''تم دونوں ایک دوسرے سے فائٹ کرو گے اور کوئی نیچے گرا تو دوسرا اس پر وار نہیں کرے گا۔ اس وقت تک جب تک میں اجازت نہ دوں۔ سمجھ گئے؟''

ہم دونوں نے سروں کو تفہیمی جنبش دی لیکن دونوں ہی پریشان تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

''بہت شوق ہو رہا تھا تمہیں لڑنے کا۔ میرے منع کرنے پر بھی نہیں مانے۔ اب شوق پورا ہو رہا ہے تو دم کیوں نکل رہا ہے تمہارا۔'' مسٹر واٹکن نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے ''اچھا شاباش......اب شروع ہو جاؤ۔''

بیچ میں کافی جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ کسی نے مجھے اس طرف دھکیل دیا۔ دوسرا لڑکا پہلے ہی میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ فلموں میں میں نے فائٹرز کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔ پھر میں اپنے حریف کے گرد چکرانے لگا۔ وہ بھی میری ہی طرح محتاط تھا اور مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ کوئی ایک منٹ تک ہم دونوں ایک دوسرے سے کم از کم دو فٹ دور رہے۔

''میں تو سمجھا تھا کہ تم دونوں لڑنا چاہتے ہو'' مسٹر واٹکن نے کہا۔ میں نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اب بھی وہی ہیجانی کیفیت تھی، جیسے کسی بچے کو اپنا پسندیدہ ترین کھلونا ملنے پر ہوتی ہے۔

میری توجہ ہٹنا غضب ہو گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ستارے سے ناچنے لگے۔ تماشائی لڑکے زور زور سے چلا رہے تھے۔ پھر جیسے میری آنکھوں کے سامنے سورج دھماکے سے پھٹ گیا۔ داہنے کان کے پاس اور پھر ہونٹوں کے اردگرد شدید اذیت کا احساس ہوا۔ میرے کانوں میں سنسناہٹ سی گونجنے لگی، جیسے سینکڑوں مکھیاں بھن بھنا

رہی ہوں۔

میں نے غصے سے سر جھٹکا اور آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی، جن میں دھندسی اُتری ہوئی تھی۔ پہلی بار مجھے ادراک ہوا کہ میں ہتھیلیاں اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھا ہوا ہوں۔

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ دوسرا لڑکا ہنس رہا تھا، فاتحانہ انداز میں میرے سامنے رقص کر رہا تھا۔ اس نے اس وقت مجھے مارا جب میں مسٹر واٹکن کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوچا اور غصہ جیسے میرے وجود میں اُبلنے لگا۔ میں اُٹھا۔

مسٹر واٹکن نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور وہ فوراً ہی شروع ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر فاصلہ کم کیا اور اس کا ایک ہاتھ جکڑ لیا۔ مگر اس کا دوسرا ہاتھ چلتا رہا۔ بہرحال جڑے ہونے کی وجہ سے وہ اتنا موثر ثابت نہیں ہو رہا تھا۔

میرا جبڑا بری طرح دکھ رہا تھا۔ سانسوں میں جیسے آگ بھری تھی۔ میں نے پھر سر جھٹکا۔ دماغ کی وہ سنسناہٹ مجھے کچھ سوچنے نہیں دے رہی تھی۔ لیکن پھر اچانک سنسناہٹ معدوم ہو گئی، اور سانس بھی نارمل ہونے لگی۔

مسٹر واٹکن نے ہمیں ایک دوسرے سے علاحدہ کیا۔ ''پیچھے ہٹ کر لڑو۔ چپکنے، جڑنے کی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے کہا۔

اب میرے قدموں میں بھی ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ بہ وقت ضرورت چہرہ کور کرنے کے لیے میں نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا لیے، اور اپنے حریف کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اعتماد سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ پر جھپٹنے میں دیر نہیں لگائے گا۔

اور ہوا بھی یہی۔ وہ دونوں ہاتھ لہراتے ہوئے مجھ پر جھپٹا۔ میں ایک طرف ہٹا اور وہ اپنے زور میں آگے نکل گیا۔ میں مسکرایا ارے! یہ تو بہت آسان ہے۔ میں نے سوچا۔ بس آدمی کو دماغ سے کام لینا ہوتا ہے۔

وہ پلٹا اور دوبارہ آیا۔ اس بار میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ اُوپر تھے۔ میں نے جھک کر داہنے ہاتھ سے اس کے پیٹ پر ضرب لگائی۔ اس کے دونوں ہاتھ نیچے آئے اور وہ دہرا ہوا۔ اس کے گھٹنے جواب دینے لگے۔ میں پیچھے ہٹا اور سوالیہ نظروں

سے مسٹر واٹکن کو دیکھا۔ جواباً مسٹر واٹکن نے مجھے اس کی طرف دھکیل دیا۔ میں نے اس کو دو مزید گھونسے رسید کیے۔ اس کی آنکھیں ایسے دھندلا گئیں، جیسے گرم بھاپ سے شیشہ دھندلاتا ہے۔

میں اب تن کر، جم کر کھڑا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے جسم کی توانائی مجتمع ہو کر میرے بازوؤں کی طرف لپک رہی ہے۔ اس بار میں اپنے داہنے ہاتھ کو تقریباً فرش سے، قوسی شکل میں، بجلی کی سی رفتار سے اُوپر لایا۔ اس کی ٹھوڑی میرا ہدف تھی۔ اس پنچ کا شاک میرے پورے جسم میں دوڑ گیا۔ وہ لٹو کی طرح گھوما، اور چکرا کر منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

میں پیچھے ہٹا اور میں نے مسٹر واٹکن کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر چمک تھی اور وہ گرے ہوئے لڑکے کو گھور رہے تھے۔ پھر اچانک وہ نروس نظر آنے لگے۔ اب وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔ ان کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی قمیص پسینے میں تر ہو گئی۔ لگتا تھا، فائٹ میں نے نہیں، انہوں نے کی ہے۔ جمنازیم میں سناٹا چھا گیا تھا۔ میں نے اپنے گرے ہوئے حریف کو دیکھا۔ اس کے جسم میں جنبش بھی نہیں تھی۔ مسٹر واٹکن جھک کر اس کے پاس بیٹھے اور انہوں نے اسے سیدھا کیا۔ پھر انہوں نے اس کے چہرے پر طمانچے مارے لیکن وہ ساکت رہا۔

مسٹر واٹکن اب ہراساں نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا اور چیخ کر کہا ”سنگھانے والا نمک لاؤ جلدی سے۔“

”جی سر“

”میں کہتا ہوں، لخلخہ لاؤ جلدی سے۔“

اسسٹنٹ ایک شیشی لایا اور انہیں دی۔ مسٹر واٹکن نے ڈھکنا کھول کر شیشی لڑکے کی ناک کے عین نیچے رکھی۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے ”کم آن بوائے۔“ انہوں نے التجائیہ لہجے میں اسے پکارا ”اب ہوش میں آ جاؤ..... خدا کے لیے“ اب ان کا چہرہ بھی پسینے میں تر ہو گیا تھا۔

مجھے ان کو دیکھ کر گھبراہٹ ہونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا حریف لڑکا اُٹھ کیوں نہیں رہا ہے۔

”ہمیں ڈاکٹر کو طلب کر لینا چاہیے۔“ اسسٹنٹ نے مسٹر واٹکن سے سرگوشی میں کہا۔

”اگر تمہیں نوکری عزیز ہے تو ایسا سوچنا بھی نہیں“ مسٹر واٹکن نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ لیکن مجھ تک آواز بہر حال پہنچ گئی۔

”لیکن اگر یہ مر گیا تو؟“

مسٹر واٹکن کو اس خوفناک سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کیونکہ آہستہ آہستہ میرے حریف کے چہرے پر رنگت بحال ہونی شروع ہو گئی۔ پھر اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن مسٹر واٹکن نے اس کے سینے پر دباؤ ڈال کر اسے لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا ”آرام سے بیٹے، آرام سے۔“ ان کا لہجہ بے حد نرم تھا ”ابھی ایک منٹ میں تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔“

پھر انہوں نے لڑکے کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لیا اور وہاں موجود لڑکوں کی طرف دیکھا۔ ”تم سب اپنے منہ بند رکھنا۔ سمجھ گئے؟“ ان کے لہجے میں دھمکی تھی۔ تمام لڑکوں نے اثبات میں سر ہلائے۔ پھر مسٹر واٹکن کی نظریں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں ”اور تم فنشر“ انہوں نے سخت لہجے میں کہا ”تم میرے ساتھ آؤ اور باقی لوگ اپنا کھیل دوبارہ شروع کر دیں۔“

وہ لڑکے کو اُٹھاتے ہوئے اپنے آفس میں گئے۔ میں ان کے پیچھے تھا۔ انہوں نے لڑکے کو چمڑا منڈھی ایک لمبی میز پر لٹا دیا۔ میں نے ان کے اشارے پر دروازہ بند کر دیا۔

”وہ پانی کی بوتل اُٹھا کر مجھے دو“ انہوں نے مجھ سے کہا۔

میں نے خاموشی سے بوتل ان کی طرف بڑھائی۔ انہوں نے تمام پانی لڑکے کے چہرے پر ڈال دیا۔ وہ ہڑبڑا کر بڑبڑاتے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔

”اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو لڑکے؟“ مسٹر واٹکن نے اس سے پوچھا۔

لڑکا مسکرایا۔ پھر اس نے شرمیلے انداز سے میری طرف دیکھا ”مجھے ایسا لگا جیسے کسی

نے میرے ہتھوڑا رسید کر دیا ہو'' وہ بولا۔

مسٹر واٹکن ہنس دیے۔ اب وہ مطمئن اور پرسکون لگ رہے تھے۔ پھر انہوں نے میری طرف دیکھا تو ان کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ ''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تمہیں فائٹنگ آتی ہے۔'' انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے بہت سخت لہجے میں کہا'' میں تو سمجھا تھا کہ.....''

''میں نے تو پہلے کبھی گلووز پہنے تک نہیں تھے مسٹر واٹکن'' میں نے جلدی سے کہا۔

انہوں نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ مگر پھر جیسے انہیں مجھ پر یقین آ گیا۔ وہ اس لڑکے کی طرف مڑے ''تو کیا خیال ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا اسے بھول جائیں''

لڑکے نے دوبارہ مجھے دیکھا اور مسکرایا۔ پھر اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''میں یہ یاد رکھنا بھی نہیں چاہتا'' اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

مسٹر واٹکن اب مجھے بہت غور سے دیکھ رہے تھے ''تو پھر تم دونوں ہاتھ ملاؤ اور یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔''

ہم نے ہاتھ ملائے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے مسٹر واٹکن کو اپنی میز کی دراز سے کوئی چیز نکال کر منہ کی طرف لے جاتے دیکھا۔ اسی لمحے ان کا اسسٹنٹ ہمارے پاس سے گزرا اور دروازہ کھول کر آفس میں گیا۔ ''مجھے بھی دیجیے۔ میں آئندہ بھی ایسی صورتِ حال میں ایک منٹ بھی نہیں گزارنا چاہتا۔ مجھے تو لگتا تھا کہ.....''

بند ہوتے ہوئے دروازے کے پیچھے سے مسٹر واٹکن کی گونج دار آواز سنائی دی ''چھوڑو اس بات کو۔ تم نے غور نہیں کیا۔ یہ ڈینی فشر پیدائشی فائٹر ہے''

میں نے احساسِ تفاخر کے ساتھ سر اُٹھا کر دیکھا۔ دو قدم آگے میرا سابق حریف میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ ہم دوستوں کی طرح اس طرف چل دیے، جہاں ہماری ٹیموں کے درمیان والی بال کا میچ ہو رہا تھا۔

............☆☆............

اسکول کے بعد میں بیڈفورڈ اور چرچ ایونیو کے کارنر پر پال کا منتظر تھا۔ سوا تین بجے تھے۔ میں نے سوچا، اب صرف پانچ منٹ اور انتظار کروں گا۔ پھر اکیلا ہی گھر کے لیے چل دوں گا۔

میں اس وقت ہیجانی کیفیت سے دوچار تھا۔ جمنازیم میں میری فائٹ کی خبر پورے اسکول میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لڑکوں کا رویہ میرے لیے احترام آمیز ہو گیا تھا۔ جبکہ لڑکیاں دبی دبی دلچسپی اور تجسس کے ساتھ مجھے چھپکے چھپکے دیکھ رہی تھیں۔ کئی بار میں نے گزرتے ہوئے سنا کہ طلبا میرے بارے میں بات کر رہے ہیں۔

ایک فورڈ کار سائیڈ میں آ کر رُکی۔ ہارن کی آواز سن کر میں نے سر اُٹھایا۔ کار کی کھڑکی سے مسٹر واٹکن جھانک رہے تھے۔ ''ہیلو فشر! یہاں تو آؤ'' میں آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

انہوں نے دروازہ کھولا ''آؤ بیٹھو، میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔''

میں نے کلاک کی طرف دیکھا اور فیصلہ بھی کر لیا۔ اب پال اکیلا ہی گھر جائے گا۔ میں بغیر کچھ کہے کار میں بیٹھ گیا۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟'' مسٹر واٹکن کا انداز دوستانہ تھا۔ انہوں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''کلیرنڈن سے آگے''

چند بلاک گزر گئے۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے۔ میں نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھے پک کیا ہے تو اس کی وجہ بھی ہوگی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیا بات کریں گے مجھ سے۔

اچانک انہوں نے کار کی رفتار کم کی اور اسے سائیڈ میں لگا دیا۔ پھر انہوں نے فٹ پاتھ پر پیدل چلتی ایک عورت کو پکارا'' ہے سیلیا''

وہ رُکی اور اس نے پلٹ کر دیکھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ اسکول میں آرٹ کی ٹیچر تھی۔ اس کی کلاس اسکول کی مقبول ترین کلاس تھی۔ لڑکیوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا

کہ تیسری ٹرم میں ہر لڑکا آرٹ کیوں پڑھنا چاہتا ہے لیکن میں سمجھتا تھا اور اگلی ٹرم میں میں خود آرٹ لینے والا تھا۔ وہ جوان اور خوبصورت تھی''اوہ سام...... یہ تم ہو''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور کار کی طرف آئی۔

''بیٹھ جاؤ سیلیا! میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔'' مسٹر واٹکن نے کہا، پھر مجھ سے بولے''جگہ بناؤ ان کے لیے''

میں نے جگہ تو بنا دی لیکن دروازہ بند ہونا مشکل ہو گیا۔ درمیان میں گیئر تھا۔ اس لیے مس سیلیا مجھ پر ہی لد سکتی تھی۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''اور آج کل تم کہاں غائب ہو بے بی؟''مسٹر واٹکن نے آرٹ ٹیچر سے کہا۔

''یہیں ہوں سام''

مسٹر واٹکن نے مجھ سے کہا''انہیں جانتے ہو فنشر؟''

''نہیں جناب''

''یہ مس شنڈلر ہیں...... اسکول کی آرٹ ٹیچر اور سیلیا! یہ ہے ڈینی فنشر''

مس شنڈلر نے تجسس بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔''تم وہی لڑکے ہو نا، جس نے آج اسکول میں فائٹ کی تھی؟''

''ارے...... تمہیں کیسے معلوم؟''مسٹر واٹکن کے لہجے میں حیرت تھی۔

''پورا اسکول جانتا ہے سام''مس شنڈلر نے عجیب سے لہجے میں کہا''یہ تمہارا لڑکا آج کا مشہور ترین طالب علم بن چکا ہے اسکول کا۔''

میں فخر سے مسکرانا چاہتا تھا لیکن مجھے اس مسکراہٹ کا گلا گھونٹنا پڑا۔

''اس اسکول میں کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔ بڑے میاں کو اس کی بھنک بھی مل گئی تو مجھے نکال پھینکیں گے۔''مسٹر واٹکن کے لہجے میں شکایت تھی۔

''یہ میں تمہیں اوّل دن سے سمجھا رہی ہوں سام کہ ٹیچرز اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزار سکتے۔''مس شنڈلر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں نے اُلجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ مجھے کوڈڈ گفتگو لگ رہی تھی۔

مجھے دیکھتے پایا تو نجانے کیوں مس شنڈلر کے رُخسار دہک اُٹھے۔''میں نے سنا ہے کہ بڑی زبردست فائٹ ہوئی تمہاری؟''وہ مجھ سے مخاطب ہو گئیں۔

میں نے جواب دیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ میری فائٹ میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

''کاش! تم نے دیکھا ہوتا''مسٹر واٹکن نے کہا''فنشرز میں بوس ہوا، پھر اُٹھا اور اس نے ایک پنچ میں اپنے حریف کو اُکھاڑ پھینکا۔ ایسا منظر تم نے کبھی زندگی میں نہیں دیکھا ہو گا۔''

مس شنڈلر کی آنکھوں میں سایہ سا لہرایا''تم کبھی نہیں بھلا سکتے کہ تم کیا تھے؟'' انہوں نے تلخ لہجے میں کہا''ہے نا سام؟''

مسٹر واٹکن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اب تم مجھے اُتار دو سام۔ میرا کارنر آ گیا۔''

مسٹر واٹکن نے کار روکی۔ مس شنڈلر نیچے اُتریں۔ پھر کھڑکی پر جھکتے ہوئے مجھ سے بولیں''تم سے مل کر خوشی ہوئی ڈینی! اب کوشش کرنا کہ مزید کسی فائٹ میں ملوث نہ ہو۔ او کے سام! گڈ بائی''اور وہ چلی گئیں۔ ان کی چال بھی بہت خوبصورت تھی۔

میں پی ٹی ٹیچر کی طرف متوجہ ہوا، جو جاتی ہوئی مس شنڈلر کو پُر خیال نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے کار آگے بڑھا دی''اگر فرصت ہو تو میرے گھر چلو لڑکے''انہوں نے مجھ سے کہا''میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں''

''کیوں نہیں سر''میں نے جواب دیا۔ میرا تجسس مجھے اُکسا رہا تھا۔

چند منٹ بعد گاڑی ایک چھوٹے دو منزلہ مکان کے بیس منٹ کے دروازے میں داخل ہوئی۔ مسٹر واٹکن نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا''تم وہاں جا کر بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

میں نے انہیں سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر منزل پر جاتے دیکھا، پھر پلٹ کر اس کمرے کی طرف چل دیا، جہاں انہوں نے اشارہ کر کے مجھے دکھایا تھا۔

دروازہ کھولتے ہی منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ چھوٹا سا، لیکن ایک مکمل جمنازیم تھا۔

ویٹ لفٹنگ کا سامان، پنچنگ بیگ اور باکسنگ گلووز کی بے شمار جوڑیاں۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو وہاں موجود نہ ہو اور دیواروں پر بے شمار تصاویر آویزاں تھیں۔ میں نے بڑھ کر جائزہ لیا تو میری حیرت دو چند ہوگئی۔ وہ مسٹر واٹکن کی تصویریں تھیں لیکن وہ ان میں بہت مختلف لگ رہے تھے۔ وہ ٹرنکس اور باکسنگ گلووز پہنے ہوئے تھے اور چہرے پر غضب ناکی کا تاثر تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ فائٹر ہوں گے۔

کاؤچ کے قریب ایک چھوٹی میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ میں اسے دیکھ کر ہچکچایا۔ گھنٹی پھر بجی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے ریسیور اُٹھانا چاہیے یا نہیں لیکن تیسری گھنٹی پر میں نے ریسیور اُٹھا ہی لیا۔ میں کچھ بولنے ہی والا تھا کہ مسٹر واٹکن کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے فون ریسیور کر لیا تھا۔ فون کا ایکس ٹینشن یقیناً اُوپر بھی تھا۔

میں سننے لگا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی ایکس ٹینشن استعمال نہیں کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے ریسیور رکھنے سے رابطہ ہی منقطع نہ ہو جائے۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز نے کہا ''سام! تم بے وقوف ہو۔ اس لڑکے کی موجودگی میں تمہیں مجھ کو کار میں نہیں بٹھانا چاہیے تھا۔''

اس آواز کو میں کیسے بھول سکتا تھا۔ اب میں دلچسپی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

''لیکن بے بی! میں کیا کروں۔ تمہیں دیکھ لوں تو خود پر قابو نہیں رہتا۔'' مسٹر واٹکن کا لہجہ التجائیہ تھا۔ ''میں پاگل ہو جاؤں گا تمہارے بغیر''

مس شنڈلر نے سخت لہجے میں کہا ''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اب یہ قصہ ختم سمجھو۔ میں نے تم سے جڑ کر حماقت کی۔ جیف کو پتا چل گیا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔''

''اسے کبھی پتا نہیں چلے گا بے بی۔ وہ تو اپنی کلاسوں میں یوں اُلجھا رہتا ہے کہ اسے یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ آج کیا دن ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس میں کیا دیکھا کہ شادی کر بیٹھیں اس سے۔''

''وہ تم سے کم دیوانہ ہے سام۔ ایک دن جیف روسن پرنسپل بن جائے گا۔ وہ تم سے آگے نکل جائے گا۔ اور تم...... تم تو کسی نہ کسی دن نکالے جاؤ گے۔''

اب کے مسٹر واٹکن بولے تو ان کے انداز میں اعتماد تھا ''بے بی! دن تو چھوڑو وہ تو نائٹ اسکول کی نوکری بھی نہیں چھوڑتا۔ تم جیسی عورت کو وہ کیسے خوش رکھ سکتا ہے۔ اس کے پاس تو تمہارے حسن کو زبانی سراہنے کی بھی فرصت نہیں۔ جبکہ میں عملاً تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔''

''سام!'' مس شنڈلر نے کمزور سی آواز میں احتجاج کیا۔

مسٹر واٹکن کا لہجہ اور پراعتماد ہو گیا۔ ''تمہیں یاد ہے سیلیا! آخری بار تم نے کیا کہا تھا...... میرے اور اپنے بارے میں...... یہ کہ ہم ہیں ہی ایک دوسرے کے لیے۔ یاد ہے نا؟ مجھے تو یاد ہے اور میں تمہیں چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے ملنا ہوگا۔''

''یہ ممکن نہیں سام۔ میں نے کہا نا......''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ بس تم آ جاؤ۔ میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ دوں گا۔ تم چپکے سے آ جانا۔''

چند لمحے کا توقف...... پھر مس شنڈلر نے بوجھل آواز میں کہا۔ ''تم مجھ سے محبت کرتے ہو سام؟''

''دیوانہ وار بے بی! دیوانہ وار۔ تم آ رہی ہو نا؟''

پھر توقف...... جھجکتی ہوئی آواز...... ''ٹھیک ہے سام۔ میں آدھے گھنٹے میں آ رہی ہوں۔''

''میں تمہارا منتظر ہوں''

''آئی لو یو سام'' بازی جیسے پلٹ گئی۔

رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ سیڑھیوں کی طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں ایک تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا تو میں نے پلٹ کر دیکھا ''مسٹر واٹکن! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ فائٹر ہیں'' میں نے کہا۔

ان کے چہرے پر تمتماہٹ اُبھری۔ انہوں نے فون کی طرف نظر ڈالی اور پھر مجھے دیکھا ''ہاں! میں تمہیں یہ سب دکھانا چاہتا تھا کہ شاید تمہیں بھی کچھ دلچسپی ہو۔ میں تمہیں

سکھا سکتا ہوں۔ میرے خیال میں تم ایک عظیم فائٹر بن سکتے ہو۔''

''جی مسٹر واٹکن اور یہ مجھے اچھا لگے گا'' میں نے جلدی سے کہا ''تو آج سے ہی شروع کریں گے۔''

''ارادہ تو یہی تھا'' ان کے لہجے میں خجالت تھی ''لیکن اچانک ایک کاروباری مصروفیت آ گئی۔ اس لیے آج تو یہ ممکن نہیں۔ کل کلاس میں تمہیں بتاؤں گا کہ ہم کب سے شروع کر سکیں گے۔''

''جی بہتر مسٹر واٹکن'' میں نے مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔

انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھے دروازے کی طرف لے چلے ''سوری کڈ! لیکن بزنس تو بزنس ہے نا۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟''

میں نے پلٹ کر انہیں دیکھا اور مسکرایا ''جی مسٹر واٹکن! کوئی بات نہیں۔ کل سہی''

''او کے بوائے'' انہوں نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

میں نے سڑک پار کی اور ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے میں ان کے دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد میں نے مس شنڈلر کو آتے دیکھا۔ وہ تیز قدموں سے چل رہی تھیں۔ مسٹر واٹکن کے دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر وہ جلدی سے اندر گھسیں اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

میں مزید پانچ منٹ وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسٹر واٹکن کو پتا چل جائے کہ میں اتنا کچھ جان چکا ہوں تو انہیں کتنی حیرت ہو گی۔ واہ...... کیسا زبردست دن تھا یہ۔ میں نے سوچا۔ پہلے اسکول میں فائٹ اور اب یہ...... مس شنڈلر ریاضی کے ٹیچر کی بیوی ہیں۔ مجھے اپنے اندر غیر معمولی طاقت کا احساس ہونے لگا۔ میری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ کتنے لوگوں کی زندگی تہہ و بالا کر سکتا تھا۔

میرے راستے میں ایک فائر ہائیڈ رینٹ تھا۔ میں نے بڑے اعتماد سے اسے پھلانگا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ پال لیٹ ہو گیا۔ وہ وقت پر آ جاتا تو یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوتا!

.... ☆☆ ....

میرے بازو دُکھ رہے تھے۔ پیشانی سے بہتا ہوا پسینہ میری آنکھوں میں جا رہا تھا، جو جلنے لگی تھیں۔ میں نے دستانے کی پشت سے پسینہ پونچھا اور پلٹ کر اپنے استاد کو دیکھا۔ اس کا بھی یہی حال تھا۔

''اپنا بایاں ہاتھ بلند رکھو ڈینی'' اس نے درشت لہجے میں کہا ''اور اسے بیلے ڈانسر کی طرح ڈھیلے پن سے جھلانے کی ضرورت نہیں۔ اسے مضبوط رکھو اور چلاؤ تو ہتھوڑے کی طرح چلاؤ...... ایسے'' وہ پنچنگ بیگ کی طرف پلٹا اور اپنا لیفٹ اُس پر آزمایا۔ اس کی حرکت اتنی تیز تھی کہ مجھے وہ تحرک بس ایک لکیر کی طرح نظر آیا، اور پنچنگ بیگ پیچھے موجود بورڈ سے ٹکرا کر جھولتا رہا۔

وہ پھر میری طرف مڑا ''آؤ...... اب مجھ پر آزماؤ...... اور ذرا رفتار دکھانا''

میں نے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھائے اور چوکنے پن سے اس کی طرف دیکھا...... سیدھا نہیں، اس کے گرد گھومتے ہوئے۔

یہ سب کچھ پچھلے دو ہفتوں سے ہو رہا تھا اور اس عرصے میں میں نے اس کی طرف سے محتاط رہنا سیکھ لیا تھا۔ وہ بہت بے رحم اُستاد تھا۔ غلطی کی سزا ہاتھوں ہاتھ ملتی تھی...... اور وہ بھی گھونسے کی شکل میں، جبڑے پر!

وہ بھی میرے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ اس کے ہاتھ موہوم سی جنبشوں میں مصروف تھے۔ میں نے دھوکا دینے کے لیے اپنا رائٹ موو کیا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی نگاہ میرے متحرک رائٹ پر مرکوز ہوئی، اور میں نے اسی کی دی ہوئی تربیت کے عین مطابق ایک شاندار لیفٹ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔

اُس کا سر جھٹکے سے پیچھے کی طرف گیا اور اسپرنگ کی طرح واپس آیا تو رُخسار اور جبڑے کے نقطہ اتصال پر ایک نیل نمودار ہو چکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہوا اور اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا لیے ''او کے کڈ! آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے'' اس نے کہا ''تم بہت تیزی سے سیکھتے ہو''

میں نے بھی سکون کی سانس لی۔ میں تھک گیا تھا۔ میں نے دانتوں کی مدد سے

دستانوں کے لیس کھولے۔

''اگلے ہفتے سے اسکول کی چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں ڈینی'' اس نے مجھے پرخیال نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے'' میں نے ایک دستانہ اُتار دیا۔

''تم موسم گرما کے کیمپ میں شریک ہوگے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں ...... میں پاپا کے سٹور میں ان کا ہاتھ بٹاؤں گا''

''مجھے موسم گرما کے لیے کیٹ کلز کے ایک ہوٹل میں اسپورٹس ڈائریکٹر کی جاب ملی ہے'' اس نے کہا ''تم چاہو تو میں تمہیں بس بوائے کی جاب دلا سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ٹریننگ نہ رُکے۔''

''چاہتا تو میں بھی یہی ہوں مسٹر واٹلن۔ لیکن پتا نہیں کہ پاپا اجازت دیں گے یا نہیں''

وہ کاؤچ پر نیم دراز ہوگیا۔ وہ تولنے والی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا ''تمہاری عمر کتنی ہے ڈینی؟''

''۱۳ سال''

وہ حیران نظر آیا ''بس ...... دیکھنے میں تو تم بڑے لگتے ہو۔ شاید قد کاٹھ کی وجہ سے۔ میرا خیال تھا کہ کم از کم پندرہ سال کے تو ہوگے۔''

''میں پاپا سے پوچھوں گا'' میں نے جلدی سے کہا ''ممکن ہے، وہ مجھے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔''

وہ مسکرایا ''ٹھیک ہے کڈ۔ کوشش کرلو۔ ممکن ہے، اجازت مل ہی جائے۔''

......☆☆......

میں نے کھانے کی میز کے نیچے بیٹھی ریکسی کو جھک کر گوشت کی ایک بوٹی دی، پھر سر اُٹھا کر پاپا کو دیکھا۔ وہ اچھے موڈ میں لگ رہے تھے۔

''پاپا......؟'' میں نے ہچکچاتے ہوئے انہیں پکارا۔

''کیا بات ہے بیٹے؟''

''میرے پی ٹی ٹیچر کو گرمیوں میں ایک ہوٹل کی جاب ملی ہے۔'' میں نے جلدی جلدی کہا ''وہ کہتے ہیں، میں اگر چاہوں تو وہ مجھے بس بوائے کی جاب دلا سکتے ہیں۔''

پاپا اپنی کافی میں چمچا چلاتے رہے، میں انہیں دیکھتا رہا۔ ''تم نے اپنی ماما کو بتائی یہ بتائی؟''

اتنی دیر میں ماما وہاں آ گئیں۔ انہوں نے گھور کر مجھے دیکھا ''کون سی بات؟''

میں نے اپنی بات دہرادی۔ ''تو تم نے کیا کہا ان سے؟'' ماما نے پوچھا۔

''یہ کہ چھٹیوں کے دوران میں پاپا کے اسٹور میں کام کروں گا۔ انہوں نے پھر بھی کہا کہ پوچھ ضرور لو۔''

انہوں نے ایک لمحے پاپا کو دیکھا، پھر میری طرف مڑیں۔ ''تم نہیں جا سکتے'' ان کے لہجے میں قطعیت تھی۔ انہوں نے برتن سمیٹے اور جانے کے لیے پلٹیں......

مجھے مایوسی ہوئی تھی۔ حالاں کہ میں اسی جواب کی توقع کر رہا تھا۔ میں نظریں جھکا کر بیٹھ گیا۔

''میری......'' پاپا نے ماما کو پکارا ''سنو! یہ اتنا برا آئیڈیا تو نہیں ہے''

''یہ فیصلہ پہلے ہی ہوگیا تھا کہ چھٹیوں میں یہ اسٹور میں تمہارے ساتھ کام کرے گا۔'' ماما نے پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا ''اور میں یہ پوری چھٹیاں اسے اکیلے گزارنے کے لیے دور نہیں جانے دوں گی۔ یہ ابھی بچہ ہے۔''

پاپا نے کافی کا گھونٹ لیا ''تو میرے اسٹور میں بچے کا کیا کام'' انہوں نے آہستہ سے کہا ''تم تو جانتی ہی ہو اس علاقے کو اور میرا خیال ہے کہ جگہ کی تبدیلی اسے راس آئے گی۔ فائدہ پہنچے گا اسے'' پھر وہ میری طرف مڑے ''وہ کیسا ہوٹل ہے...... اچھا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم پاپا۔ میں نے ان سے پوچھا نہیں''

''مکمل معلومات حاصل کرو ڈینی'' پاپا نے کہا ''پھر ان کی روشنی میں تمہاری ماما اور میں کوئی فیصلہ کریں گے۔''

......☆☆......

میں گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھا تھا کہ وہ لوگ باہر آئے۔ پاپا میرے پاس رک گئے ''ہم مسٹر اور مسز کونان کے ساتھ فلم دیکھنے جا رہے ہیں'' انہوں نے مجھ سے کہا ''یاد رکھنا کہ تمہیں نو بجے بستر پر لیٹ جانا ہے۔''

''ایسا ہی ہوگا پاپا'' میں نے بے حد خلوص سے کہا۔ میں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا، جس سے مسٹر واٹکن کے ساتھ جانے کی اجازت خطرے میں پڑے۔ پاپا نے بڑھ کر مسٹر کونان کے گھر کی اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اسی وقت میمی باہر آئی۔ وہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا ''تم بھی جا رہی ہو؟'' یہ بات نہیں کہ مجھے اس کی کوئی پروا تھی۔ تقریب کے بعد سے اب تک ہمارے تعلقات کشیدہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ میمی یہ جاننا چاہتی تھی کہ چھومنتر والے کمرے میں میرے اور مارج کے درمیان کیا ہوا تھا، اور میں کہتا تھا کہ یہ بات اسے اپنی سہیلی سے معلوم کرنی چاہیے۔

''میں بھی جا رہی ہوں اور مارج بھی'' اس نے مجھے جتایا ''پاپا نے مجھے اجازت دی ہے۔''

مسٹر کونان اپنی بیوی کے ساتھ باہر آئے۔ مارج ان کے ساتھ نہیں تھی۔

''مارجوری این نہیں جا رہی ہے مسٹر کونان؟'' میمی نے ان سے پوچھا۔

''نہیں میمی۔ وہ تھک گئی ہے۔ آج جلدی سونا چاہتی ہے۔''

''تو میمی! تم بھی رک جاؤ'' ماما نے کہا۔

''لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ مجھے لے کر چلیں گی'' میمی کا لہجہ التجائیہ تھا۔

''چلنے دو میری۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ گیارہ بجے تک تو ہم واپس آ ہی جائیں گے۔''

وہ سب پاپا کی کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت پونے آٹھ بجے تھے۔ میرا سگریٹ پینے کو جی چاہا۔ میں نے ہال میں جا کر الماری میں پاپا کی جیکٹس ٹٹولیں۔ ایک جیکٹ کی جیب میں مجھے سگریٹ کا ایک مڑا تڑا پیکٹ مل گیا۔ میں واپس آیا اور چبوترے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔ گلی میں سناٹا تھا۔ بس درختوں سے پتے ہلنے کی آوازیں آ رہی

تھیں۔ میں نے پاؤں پھیلائے، دیوار سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ دیوار کا لمس مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اپنے گھر کی ہر چیز مجھے اچھی لگتی تھی۔ مجھے اس کے چپے چپے سے پیار تھا۔

''یہ تم ہو ڈینی؟'' وہ ماجوری این کی آواز تھی۔

میں نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے گھر کے چبوترے پر کھڑی تھی۔ ''ہاں...... اور کون ہو سکتا ہے۔'' میں نے اکھڑ پن سے کہا۔

''تم سگریٹ پی رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''تو کیا؟'' میں نے ایک گہرا کش لیا ''اور تمہارے بارے میں تو خبر تھی کہ تم سونے والی ہو۔''

وہ اپنے چبوترے سے اُتری اور ہمارے چبوترے کی سیڑھیوں کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔ ''فلم دیکھنے کو میرا جی نہیں چاہ رہا تھا''

میں اُٹھا اور میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''میں اب اندر جاؤں گا''

''کیا یہ ضروری ہے؟''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی نیت اس کے چہرے پر لکھی تھی۔ ''نہیں'' میں نے کہا ''لیکن یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا''

''بیٹھ جاؤ نا۔ ہم دونوں باتیں کریں گے''

جس انداز میں اس نے یہ بات کہی، اس نے مجھے متجسس کر دیا ''کیسی باتیں؟''

''کتنے ہی موضوع ہیں، جن پر ہم بات کر سکتے ہیں''

میرے اندر ایک عجیب سی سنسنی مچلنے لگی ''ٹھیک ہے'' میں نے سرسری انداز میں کہا ''تو کرو باتیں''

وہ میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ ڈھیلا سا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ بیٹھنے کے بعد وہ میری طرف گھومی تو اس کا گریبان ذرا سا سرک گیا۔ مجھے گرمی کی لہر اپنے چہرے کی طرف لپکتی محسوس ہوئی۔ وہ مسکرانے لگی۔

’’تم مسکرا کیوں رہی ہو؟‘‘ میں نے اکھڑ پن سے کہا۔

’’تم جانتے ہو کہ میں فلم دیکھنے کیوں نہیں گئی؟ میں گھر پر کیوں رُکی؟‘‘

’’نہیں۔ مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔‘‘

’’مجھے معلوم تھا کہ میمی جا رہی ہے۔‘‘

’’میں تو سمجھا تھا کہ تم میمی کو پسند کرتی ہو‘‘ میں نے حیرت سے کہا۔

’’تم الو ہو‘‘ اس نے شوخ لہجے میں کہا ’’میں میمی کو بہت پسند کرتی ہوں۔ مگر میں نے سوچا کہ میمی جائے گی تو تمہیں گھر پر رُکنا ہوگا۔ بس اسی لیے میں نہیں گئی‘‘ یہ کہہ کر وہ بڑی پراسرار نظروں سے مجھے تکنے لگی۔

میرے اندر سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑی۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ ایسے میں چپ رہنا ہی بہتر تھا۔ پھر اس نے بالکل اچانک ہاتھ بڑھا کر میرے گھٹنے کو چھوا۔ میں اُچھل پڑا ’’خبردار...... یہ سب نہ کرنا‘‘ میں نے سخت لہجے میں کہا۔

’’تمہیں اچھا نہیں لگا؟‘‘ اس نے معصومیت سے پوچھا۔

’’بالکل نہیں‘‘ میں نے کہا ’’اس سے مجھے کپکپاہٹ ہوتی ہے‘‘

وہ ہنسنے لگی ’’اس کا تو مطلب ہے کہ تمہیں یہ اچھا لگا‘‘

وہ جن نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی وہ مجھے اچھی نہیں لگیں ’’میں اب جا رہا ہوں‘‘ میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

وہ بھی میرے ساتھ اُٹھی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا ’’تم میرے ساتھ بیٹھنے سے ڈرتے ہو۔‘‘

’’ہرگز نہیں‘‘ میں نے غصے سے کہا ’’میں نے پاپا سے جلدی سونے کا وعدہ کیا تھا اس لیے جا رہا ہوں‘‘

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے جلدی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا ’’میں نے کہا نا، یہ سب مت کرو‘‘

’’اب تو مجھے پکا پتا چل گیا کہ تم مجھ سے خوفزدہ ہو‘‘ اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا

’’ورنہ تم ضرور کہتے۔ ابھی تو زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی ہے۔‘‘

’’چلو ٹھیک ہے۔ میں نو بجے تک رکوں گا۔‘‘

’’تم عجیب ہی ہو ڈینی‘‘ وہ اُلجھن بھرے لہجے میں بولی ’’تم دوسرے لڑکوں جیسے نہیں ہو‘‘

میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پوچھا ’’کیسے؟‘‘

’’تم کبھی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے‘‘

’’کیوں کروں؟ چھیڑ چھاڑ ضروری ہے کیا؟‘‘

’’سارے ہی لڑکے کرتے ہیں۔ میرا بھائی فریڈ بھی‘‘

میں نے کچھ نہیں کہا۔ سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ تواتر سے کش لینے کی وجہ سے مجھے کھانسی آ گئی۔ پھیپھڑوں میں جیسے آگ بھر گئی۔ میں نے سگریٹ کو دور اُچھال دیا۔ مارج اب بھی مجھے گھور رہی تھی۔ ’’کیا دیکھ رہی ہو؟‘‘

اس نے جواب نہیں دیا۔

’’میں پانی پی کر آتا ہوں‘‘ میں نے کہا اور گھر میں چلا گیا۔ اندھیرے کمروں سے گزرتا ہوا میں کچن میں گیا۔ نل کھول کر میں نے پانی کا بڑا گلاس بھرا اور غٹاغٹ پی گیا۔

’’مجھے نہیں دو گے پانی؟‘‘ عقب سے مارج نے کہا۔

میں نے گھوم کر دیکھا۔ وہ میرے عین پیچھے کھڑی تھی۔ وہ یقیناً میرے پیچھے پیچھے آئی تھی، لیکن ایسے کہ مجھے اس کے قدموں کی چاپ تک سنائی نہیں دی تھی۔

’’کیوں نہیں‘‘ میں نے کہا اور گلاس دوبارہ بھر کر اسے تھما دیا۔

ایک پل وہ گلاس ہاتھوں میں لیے اُسے دیکھتی رہی، پھر اس نے ایک گھونٹ لیے بغیر گلاس کو سنک پر رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ میرے چہرے پر رکھ دیے۔ گلاس پکڑنے کی وجہ سے وہ ٹھنڈے ہو رہے تھے یا شاید میرا چہرہ ہی گرم ہو رہا تھا۔

پھر اچانک وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ چند لمحے تو میں کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ پھر میں نے اسے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس میں میرا اپنا توازن بگڑ گیا۔ میں نے اس کے

کندھے مضبوطی سے تھام کر خود کو سنبھالا۔ اُس کی چیخ نکل گئی۔ میں نے اُس کے کندھوں پر گرفت اور سخت کر دی۔ وہ کراہنے لگی ''تم مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو'' اذیت اس کے لہجے میں بھی تھی اور بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی۔

میں بے رحمی سے ہنس دیا۔ میں اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ میں نے اس کے کندھوں کو پھر دبایا۔

''تم مجھ سے لڑتے کیوں ہو ڈینی؟'' اس نے کراہتے ہوئے کہا ''میں تمہیں پسند کرتی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ تم بھی مجھے پسند کرتے ہو''

میں نے اسے دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی چند قدم پیچھے ہٹی۔ پھر کھڑی ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں یوں چمک رہی تھیں جیسے اندھیرے میں بلی کی آنکھیں چمکتی ہیں۔ اس لمحے میں نے جان لیا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہے۔

گلی کے اُس طرف کسی کار کے مڑنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے ڈر کر کہا ''وہ واپس آ رہے ہیں۔ تم نکلو یہاں سے۔'' لیکن وہ مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگی۔

وہ کیسا خوف تھا، جس نے مجھے جکڑ لیا تھا، یہ میں نہیں سمجھ سکا۔ بس میں دروازے کی طرف لپکا اور سیڑھیوں پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھتی ہے، مجھ سے زیادہ جانتی ہے۔ جبکہ میں تو خود کو بھی نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔

وہ میرے پاس سے ہوا کے نرم جھونکے کی طرح گزر گئی، اپنے گھر چلی گئی۔ میں گھر میں داخل ہوا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ میں بستر پر لیٹا تاریکی میں گھور رہا تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اُس کی کھنک دار ہنسی، اُس کی آگہی سے بوجھل آواز ابھی تک میری سماعت میں گونج رہی تھی۔ بازگشت کی طرح پلٹ پلٹ کر آ رہی تھی۔

مجھے اُس کے کمرے کی طرف سے سوئچ کی کلک سنائی دی۔ بے اختیار میں نے کھڑکی کی طرف نظریں اُٹھائیں۔ وہ وہاں موجود تھی، میری کھڑکی کی طرف دیکھتے

ہوئے مسکرا رہی تھی۔ برقی روشنی میں اُس کا جسم جگمگا رہا تھا۔ اس نے نسبتاً بلند سرگوشی میں مجھے پکارا ''تم جاگ رہے ہو نا ڈینی؟''

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ پھیر لیا۔ میں نے سوچا، نہ میں دیکھوں گا اس کی طرف، نہ ہی جواب دوں گا۔

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو ڈینی۔ میں جانتی ہوں کہ تم جاگ رہے ہو'' اس کے لہجے میں عجیب سا تحکم تھا، جیسے کوئی عامل اپنے معمول سے بات کرتا ہے۔ ''میری طرف دیکھو ڈینی''

مجھ میں اُس کی مسلسل آواز کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ میں غصے میں اُٹھا، پاؤں پٹختا ہوا اپنی کھڑکی کی طرف گیا اور چوکھٹ سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ میرا پورا جسم لرز رہا تھا۔ ''تم میرا پیچھا چھوڑ دو'' میں نے التجا کی ''پلیز! تم میرا پیچھا چھوڑ دو''

وہ ہنس دی ''میری طرف دیکھو ڈینی'' اس کے لہجے میں ریشم کی سی نرمی تھی۔ ''سچ کہو، مجھے دیکھنا تمہیں اچھا نہیں لگتا؟''

میں گنگ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھ سے نگاہ بھی نہیں ہٹائی جا رہی تھی۔ وہ سیدھی ہوئی اور کھلکھلا کر ہنس دی ''ڈینی!''

''کیا..... کیا؟'' میں نے بہ مشکل کہا۔

''اپنے کمرے کی لائٹ آن کرو۔ میں بھی تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں''

ایک لمحے تو اس کی بات میری سمجھ میں ہی نہیں آئی لیکن پھر اس کے لفظوں نے جیسے میری تفہیم کی گہرائی کو چھو لیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے حلق میں کوئی گولا سا پھنس گیا ہے۔

''نہیں'' میں پوری قوت سے چلایا۔ یہ سوچ کر کہ شاید میری آواز حلق میں ہی پھنس کر رہ جائے گی۔ شرم اور خوف کا احساس جیسے اندر سے مجھے کاٹے ڈال رہا تھا اور میں کھڑکی سے دور ہٹ گیا ''تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ خدا کے لیے، میرا پیچھا چھوڑ دو''

''لائٹ آن کرو ڈینی'' اس کی آواز نرم اور لہجہ تحکمانہ تھا ''میری خاطر ڈینی...... پلیز ڈینی''

"نہیں" میں پھر پوری قوت سے چلایا۔ اس وقت جو کچھ مجھ میں رونما ہو رہا تھا وہ سب میرے لیے قابل نفرت تھا۔ یہ میں کیا بن گیا تھا؟ کیا مرد ایسے ہوتے ہیں...... اتنے مکروہ! کیا مردانگی اپنے وجود کا احساس اس طرح دلاتی ہے۔

"پلیز ڈینی...... میری خاطر" وہ گھگیا رہی تھی۔

"نہیں، ہرگز نہیں" میں چلایا اور دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے کمرے کا دروازہ دھڑ سے بند کیا، جو کچھ وہاں تھا وہ میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ہال میں آ کر میں باتھ روم کی طرف لپکا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر شاور کا لٹو گھمایا۔ ٹھنڈے پانی کی سوئیاں بوچھار کی صورت مجھ پر برسیں۔ لمحوں میں مجھے سکون کا احساس ہونے لگا لیکن وہ سکون بس وقتی تھا۔ ٹھنڈا پانی میرے تپتے جسم پر برس رہا تھا۔ پھر بے بسی کے احساس نے مجھے دل شکستہ کر دیا۔ میں باتھ ٹب سے ٹیک لگا کر بیٹھا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆☆

صبح میں جاگا تو ایسا لگا، جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ جیسے وہ سب کچھ محض ایک خواب تھا۔ ڈراؤنا خواب، جسے پرسکون نیند نے دھو ڈالا تھا۔ میں نے دانت برش کیے، بالوں میں کنگھا کیا، لباس پہنتے ہوئے میں گنگناتا رہا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ رات مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ! ایسی تو کوئی بات نہیں تھی مجھ میں۔ بلکہ میں اچھا لگ رہا تھا۔

میں کمرے سے مسکراتا ہوا نکلا۔ ممی ہال میں موجود تھی۔ وہ باتھ روم کی طرف جا رہی تھی "گڈ مارننگ" میں جیسے گنگنایا۔

وہ بھی مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ "گڈ مارننگ! تم تو رات ایسے بے خبر سو رہے تھے کہ تمہیں ہمارے آنے کا بھی پتا نہیں چلا"

"ہاں! بہت اچھی نیند آئی تھی مجھے" میں نے کہا مجھے خوشی تھی کہ ہمارے درمیان جو کشیدگی تھی، وہ ڈھل گئی۔ ریکسی میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

"مارننگ ماں" میں نے کچن میں ماما سے کہا "آج رول لانے ہیں؟"

ماما مسکرائیں "احمقانہ سوال مت کیا کرو مجھ سے۔"

"او کے ماما" میں نے رقم کے مرتبان سے پیسے لیے اور دروازے کی طرف بڑھا "کم آن ریکسی"

ریکسی دم ہلاتی ہوئی میرے پیچھے گھر سے نکلی۔ ہم گلی میں آئے۔ وہ اپنی عادت کے مطابق کچھ سونگھتے ہوئے، گٹر کے گرد چکرانے لگی "گندی بچی! ہٹو وہاں سے" میں نے پیار سے اسے ڈانٹا۔

وہ بہت خوبصورت صبح تھی۔ اب آگے آگے ریکسی تھی اور پیچھے پیچھے میں۔ گزری ہوئی رات اب مجھے موہوم سا، مٹتا ہوا ڈراؤنا خواب لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر پھیپھڑوں میں ہوا بھر لی۔ اپنا سینہ مجھے اُبھرا ہوا لگ رہا تھا۔

"ڈینی!"

اس کی دھیمی، نرم آواز نے جیسے میرے پیروں کو باندھ دیا۔ میں ایک دم رُک گیا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہی دانائی، وہی آگہی تھی، جس سے میں گھبراتا تھا۔ "تم کل رات کیوں بھاگ گئے تھے؟" اس کے لہجے میں کچھ بڑا قیمتی سا کھو دینے کا دکھ تھا۔

میرے منہ میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔ تو وہ ڈراؤنا خواب نہیں تھا...... وہ سچ تھا۔ مجھے اس سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ وہ حقیقت تھی...... ایسی حقیقت جو کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ میں نے چہرہ ایک طرف کر کے زمین پر تھوک دیا۔ "یو بچ"

لیکن وہ اپنی سیڑھیوں سے اُتر کر میری طرف بڑھی تو اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ میری گالی بھی وہ مسکراہٹ اس کے خوبصورت ہونٹوں سے نہیں نوچ سکی تھی۔ اس کے انداز میں یقین اور اعتماد تھا۔ وہ میرے قریب آئی۔ "تم مجھے پسند کرتے ہو ڈینی۔ اس لیے میری التجا ہے کہ مجھ سے مت لڑو۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

میں نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور لہجے میں نفرت سموتے ہوئے کہا "مجھے

نفرت ہے تم سے''

اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ بہر حال اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے محروم ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے اندر ایک حیوانی سی خوشی، ایک عجیب سا فاتحانہ ہیجان اُمڈا ''تم ایسے سمجھتے ہو، لیکن تم غلط سمجھتے ہو ڈینی'' اس نے ناصحانہ انداز میں کہا ''کبھی یہ سوچنے کی کوشش تو کرو کہ تم میری اتنی توہین کرتے ہو تو میں کیوں برداشت کرتی ہوں۔ کتنے لڑکے میری قربت چاہتے ہیں، مگر میں انہیں منہ نہیں لگاتی۔ حالانکہ وہ میرے ایک اشارے پر زمین پر رینگنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔''

میں تیزی سے گھوما اور ریکسی کو پکارتے ہوئے کونے کی طرف دوڑنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ میں ریکسی کے پیچھے نہیں بھاگ رہا ہوں۔ درحقیقت میں مارجوری این سے بھاگ رہا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں اس بلوغت سے زیادہ دیر نہیں بھاگ سکوں گا، جو مجھ پر آ رہی ہے۔

☆☆

میں اپنے گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھا ریکسی کا سر سہلا رہا تھا۔ وہ گھر پر میری آخری رات تھی۔ اگلی صبح مسٹر واٹکن کو اپنی فورڈ میں مجھے پک کرنے کے لیے آنا تھا۔ میں ابھی سے اُداس ہو رہا تھا۔ پہلے میں کبھی گھر سے ایک دن کے لیے بھی دور نہیں رہا تھا۔

رات پھیلتی گئی۔ کچن کے سوا پورے گھر میں اندھیرا تھا۔ مما اور پاپا کچن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ریکسی کی طرف جھکتے ہوئے کہا ''میرے جانے کے بعد اچھے بچوں کی طرح گھر میں رہنا۔ کسی کو پریشان نہ کرنا'' اس نے آہستہ سے دم ہلائی، جیسے میری بات سمجھ کر جواب دے رہی ہو۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ میری ہر بات سمجھتی تھی ''اور دن تو یوں گزر جاتے ہیں'' میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا ''تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور میں واپس آ جاؤں گا۔'' وہ اپنی نم ناک میری ہتھیلی پر رگڑنے لگی۔

مجھے مسٹر کونان کے گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو میں نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ مارجوری این تھی۔ میں جلدی سے اُٹھا اور گلی کے کارنر کی طرف چل دیا ''کم آن ریکسی''

میں نے پکارا۔ میں مارج سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ڈینی'' مجھے اپنے عقب میں مارج کے لپکتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بھاگتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ ''تم کل جا رہے ہو؟''

''ہاں'' میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

''تھوڑی دیر میں تمہارے ساتھ رہوں تو کوئی حرج تو نہیں'' اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ اس کا اسٹائل تو نہیں تھا ''یہ ایک آزاد ملک ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی کر سکتا ہے'' میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ میرے قدم بہ قدم چلنے لگی ''تم تمام مضامین میں پاس ہو گئے؟'' اس نے پوچھا

''ہاں اور میری اوسط ۸۵ فیصد ہے'' میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''بہت مبارک ہو۔ میں تو ریاضی میں فیل ہوتے ہوتے بچی ہوں''

''ریاضی تو بہت آسان ہے''

''میرے لیے نہیں۔ مجھے تو بہت مشکل لگتا ہے''

ہم کارنر پر پہنچ کر مڑے۔ پکی گلی میں ہمارے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔ ہم خاموشی سے ایک بلاک کا فاصلہ طے کر گئے۔ پھر اچانک اس نے کہا۔

''تم اب بھی مجھ سے خفا ہو ڈینی؟''

میں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر دکھ تھا۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ ایک بلاک اور چلے ہوں گے کہ وہ سڑ سڑ کرنے لگی۔ میں رک گیا اور میں نے اسے دیکھا۔ لڑکیوں کا رونا مجھ سے کبھی برداشت نہیں ہوتا تھا ''اب کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ''میں نہیں چاہتی کہ تم ایسے میں جاؤ، جبکہ مجھ سے ناراض ہو۔ تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو ڈینی۔ میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں''

''اس کا اظہار تم بڑے عجیب انداز میں کرتی ہو'' میں نے خفگی سے کہا'' مجھے چھیڑنا، ستانا، ان باتوں پر مجبور کرنا، جو میں پسند نہیں کرتا''

اب تو وہ با قاعدہ رونے لگی'' میں...... میں تو تمہیں خوش کرنے کے لیے کرتی ہوں یہ سب''

میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا'' مگر میں ذرا بھی خوش نہیں ہوتا۔ الٹا میں نروس ہو جاتا ہوں''

''اگر میں یہ سب چھوڑنے کا وعدہ کروں، تب بھی تم مجھ سے خفا رہو گے؟'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں۔ پھر میں کیوں خفا ہوں گا تم سے''

وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ وہ بہت خوبصورت مسکراہٹ تھی۔'' تو ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں اب ایسا کبھی نہیں کروں گی۔''

میں بھی جواباً مسکرا دیا'' تو سمجھ لو کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں'' میں نے کہا۔ مگر اس لمحے میں نے جان لیا کہ میں اُس سے نہیں، درحقیقت خود سے خفا تھا۔ ورنہ جو کچھ وہ میرے ساتھ کرتی تھی، مجھے تو وہ اچھا لگتا تھا۔

ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلتے رہے۔ ریکسی کھلے میدان کی طرف چلی گئی۔ ہم رُک کر اس کا انتظار کرنے لگے۔

مارجوری این نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی'' تم مجھے اپنی گرل فرینڈ بناؤ گے ڈینی؟''

''او مائی گاڈ'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

میرا کہنا غضب ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے، وہ پلٹی اور سسکتے ہوئے مجھ سے دور بھاگی۔ میں ایک لمحہ وہاں کھڑا حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں اس کے پیچھے لپکا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف کھینچا۔'' کیا ہوا مارجوری این؟''

وہ میرے سامنے کھڑی روتی رہی۔ اس کا جسم سسکیوں کی لے پر ہل رہا تھا۔

''رونا بند کرو'' میں نے کہا'' اگر تم چاہتی ہو تو میری گرل فرینڈ بن سکتی ہو''

یکدم وہ خوش ہو گئی'' اوہ ڈینی...... میرے ڈینی'' اس نے کہا اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے ہونٹ پھر شرارت پر آمادہ تھے۔

''پھر وہی سب'' میں نے اسے دھکیلا'' بھول گئیں، تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا''

''بس ایک چھوٹا سا...... میں تمہاری گرل ہوں تو اتنا تو حق ہے میرا''

''چلو ٹھیک ہے۔ مگر آگے نہیں بڑھنا''

اس بار وہ میرے لیے خوش گوار تجربہ تھا۔ میں نے اسے لپٹا لیا۔ اس نے بڑی نزاکت سے میرے کندھے پر سر رکھ دیا۔ پھر وہ سرگوشی میں بولی'' اب جبکہ تم نے مجھے اپنا بنا لیا ہے تو میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں ڈینی۔ کچھ بھی، جو تم چاہو۔ میں اب تمہیں کبھی نہیں ستاؤں گی''

چند لمحے بعد میں نے اسے دیکھا تو پہچان ہی نہیں سکا۔ یہ وہ لڑکی تو نہیں تھی۔ اس کے انداز میں ایسی گرم جوشی تھی، جو میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب وحشت کی جگہ سکون تھا۔

''چلو مارجوری این! اب ہم گھر چلیں'' میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

☆☆

میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا کہ پاپا نے مجھے آواز دی۔ میں ان کی طرف چلا گیا'' جی پاپا''

ان کے چہرے پر عجیب سی خجالت تھی۔ انہوں نے ماما کی طرف دیکھا لیکن ماما اخبار پڑھتی رہیں۔ انہوں نے نظر نہیں اُٹھائی۔ پاپا نے نظریں فرش پر جمائیں اور کھنکھار کر گلا صاف کیا'' تم پہلی بار گھر سے دور جا رہے ہو ڈینی''

''جی پاپا''

انہوں نے سر اُٹھایا اور اب چھت کو گھورنے لگے'' تم اب بڑے ہو گئے ہو۔ میں اور تمہاری ماما تمہیں کچھ باتیں سمجھانا چاہتے ہیں''

میں مسکرایا''لڑکیوں کے بارے میں پاپا؟''
انہوں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ ماما نے بھی اخبار رکھ دیا اور مجھے تکنے لگیں۔
''آپ فکر نہ کریں پاپا۔ آج کل یہ سب کچھ اسکول میں سمجھا دیا جاتا ہے۔''
''واقعی؟'' ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔
میں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا'' آپ جو چاہیں مجھ سے پوچھ کر دیکھ لیں۔''
پاپا طمانیت سے مسکرائے۔ جیسے کوئی بوجھ اُتر گیا ہو'' دیکھا میری! میں نے کہا تھا نا کہ ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' لیکن ماما کی نگاہوں میں اب بھی اشتباہ تھا۔
''آپ فکر نہ کریں ماما'' میں نے انہیں یقین دلایا'' میں اپنا خیال رکھ سکتا ہوں''

☆☆

''یہ پھنسنے والی لڑکی ہے ڈینی؟''
میں نے بدمزگی سے سوال کرنے والے لڑکے کو دیکھا، پھر اس لڑکی کو جس کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ وہ پورچ پر مستانہ وار چلی آ رہی تھی۔ ''نہیں، یہاں صرف پھنسانے والی لڑکیاں آتی ہیں ڈفر'' میں نے کہا۔
ادھر ادھر سے تمام ویٹر اور بس بوائز آ کر جمع ہو گئے۔ وہ سب میرا بہت احترام کرتے تھے۔
''تم کیا سمجھتے ہو، یہ سب یہاں تازہ ہوا اور دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتی ہیں؟'' میں نے عالمانہ شان کے ساتھ سوال اُٹھایا اور پھر خود ہی جواب دیا۔ ''نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تم لوگوں کو انگلیوں پر نچانے کے لیے آتی ہیں۔''
''لگتا ہے تم بہت نچائے گئے ہو ڈینی'' ایک لڑکے نے کہا۔
''میں ناچنے والا نہیں، ابتدا ہی سے نچانے والا ہوں'' میں نے حقارت سے کہا۔
چند منٹ بعد وہ منتشر ہو گئے۔ ان میں سے بیشتر عمر میں مجھ سے بڑے تھے لیکن میرے نزدیک وہ بچے تھے۔ میں خود کو بڑا سمجھتا تھا۔ شاید کچھ اپنے قد و قامت کی وجہ

سے، اور کچھ اس وجہ سے کہ یہ وہاں میرا مسلسل تیسرا موسم گرما تھا۔ میرا قد اب پانچ فٹ گیارہ انچ تھا اور میں اب پختہ کار ہو چکا تھا۔
میں نے رسیدیں جمع کر کے ترتیب سے رکھیں اور حساب کا گوشوارہ تیار کرنے لگا۔ سام گوشواروں کی درستی کو بہت اہمیت دیتا تھا۔
مجھے وہ پہلا موسم گرما یاد تھا جب میں یہاں آیا تھا۔ اس وقت میں بالکل اناڑی تھا۔ میں ننھا سا بچہ تھا، جو سام واٹکن سے اس اُمید پر چپکا تھا کہ وہ مجھے اسکول کی فٹ بال ٹیم میں پہنچا دے گا لیکن سام تو اس کے بعد کبھی اسکول واپس گیا ہی نہیں۔ جس رات ہم یہاں آئے اس نے اسی رات جوئے میں بہ یک وقت کئی دولت مند لوگوں کو کنگال کر دیا۔ اگلے روز سے اس نے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ پہلا ہفتہ ختم ہوتے ہوتے اسے حتمی طور پر پتا چل گیا کہ اب اسے اسکول کی ملازمت کی ضرورت نہیں ہے۔
چنانچہ ہوٹل کی ملازمت کے بجائے میں اس کی معاونت کرنے لگا اور وہ بہت کامیاب تھا۔ وہ شوقین اور دولتمند لوگوں کو تفریحی دورے کراتا تھا۔ اب اسے فورڈ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس پیئرس روڈسٹر تھی جس کا ٹاپ جب جی چاہے ہٹایا جا سکتا تھا۔
لیکن وہ پہلا موسم گرما میرے لیے بہر حال رَف تھا۔ تمام لڑکوں کے مذاق کا نشانہ میں بنتا تھا اور مہمان لڑکیوں نے تو اذیت رسانی کی حد ہی کر دی تھی۔ سام کو ہی مداخلت کر کے میری جان بچانی پڑتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں غصے میں بے قابو ہو کر میں کسی کی مرمت نہ کر دوں۔
اگلے موسم گرما میں میرا جانے کا موڈ نہیں تھا لیکن سام خود میرے گھر آ گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اب اس نے دوسرا مقام بھی ارینج کر لیا ہے، اور اس کا انتظام مجھے ہی سنبھالنا ہوگا۔ چناں چہ میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ پاپا کا بزنس مسلسل زوال کی طرف جا رہا تھا اور اس موسم گرما میں میں نے پانچ سو ڈالر کمائے۔
مجھے ماما کا وہ چہرہ آج بھی یاد ہے۔ میں نے کچن کے کاؤنٹر پر وہ رقم رکھی اور ان

سے کہا کہ وہ ان کی ہے، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پاپا کی طرف مڑیں۔ وہ اپنے آنسو مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ مگر میں ان کی وہ آواز کبھی نہیں بھول سکتا ''میرا پیارا ابلونڈی'' انہوں نے بس اتنا ہی کہا تھا، لیکن ان تین لفظوں میں انہوں نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔

پاپا نے خود بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔ اسٹور کی صورتِ حال ہر گزرتے دن کے ساتھ بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں وہ پانچ سو ڈالر بہت کام آنے تھے لیکن خودداری اپنی جگہ تھی۔ پاپا کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ''تم یہ رقم بینک میں جمع کرا دو ڈینی'' انہوں نے کہا ''یہ تمہارے کالج میں داخلے کے وقت کام آئے گی۔''

میں مسکرایا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں لیکن وہ جذباتیت کا سچ تھا۔ میں حقیقت سے آگاہ تھا ''یہ رقم ہم ابھی استعمال کر سکتے ہیں پاپا۔ کالج کا مرحلہ تو ابھی دو سال دور ہے۔''

پاپا دیر تک مجھے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا اور وہ رقم اُٹھالی ''ٹھیک ہے ڈینی لیکن حالات بہتر ہوتے ہی یہ رقم تمہیں واپس دی جائے گی۔''

لیکن یہ کہتے ہوئے خود انہیں بھی معلوم تھا کہ ان کے لفظ کھوکھلے ہیں۔ کاروبار بہتر ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ تو تیزی سے تباہی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہر چیز جیسے ڈھلان پر تھی اور نیچے کی طرف پھسل رہی تھی۔

وہ پچھلے موسم گرما کی بات تھی۔ وہ رقم اب قصہ پارینہ تھی۔ اس سال سام نے کہا تھا کہ اگر میں نے پچھلے سال کے مقابلے میں زیادہ آمدنی دکھائی تو وہ مجھے سو ڈالر بونس میں دے گا۔

میں نے گوشوارہ مکمل کیا۔ صورتِ حال حوصلہ افزا تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ لنچ سے پہلے میں کچھ دیر پیراکی کر سکتا تھا۔

میں پورچ کی طرف چلا گیا۔ نئی مہمان بڑی آنکھوں والے لڑکے کے ساتھ ٹیبل ٹینس کھیل رہی تھی۔ لڑکی کا کھیلنے کا اسٹائل تو اچھا تھا لیکن اس کا بیک ہینڈ کافی کمزور تھا۔

میں اس کے پیچھے گیا اور ریکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ''گرفت ذرا ڈھیلی ہونی چاہیے بے بی'' میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا ''دیکھو غور سے۔ تمہارے جسم میں اینٹھن ہے، اور گرفت میں ضرورت سے زیادہ سختی ہے۔ ایسے کھیلو'' میں نے مظاہرہ کر کے دکھایا۔

وہ مجھ سے چپکنے لگی۔ بڑی آنکھوں والا اس کا ساتھی مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس میں مجھ سے اُلجھنے کی جرات نہیں تھی۔ میں اس سے بہت تگڑا تھا۔

انہیں چھوڑ کر میں کیسینو کی طرف چل دیا۔ اس کے عقب میں ایک کمرے کا وہ چھوٹا سا بنگلا تھا جو میں اور سام شیئر کرتے تھے۔ پچھلے سال تو ہم کیسینو کے اُوپر ایک کمرے میں سوتے تھے اور بہت بے آرام رہتے تھے لیکن اس سال سام نے یہ بنگلہ بھی لے لیا تھا۔ اسے ہم اسٹاک روم اور خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں فون بھی موجود تھا۔ اس پر سام کا اپنے دوسرے چار گیسٹ ہاؤسز سے بھی رابطہ رہتا تھا۔

یہ سسٹم بڑا سادہ تھا۔ سام موسم گرما کے لیے وہ پورا سیٹ اپ ٹھیکے پر لیتا تھا۔ سیزن کے لیے شوقین لوگوں سے اس کے رابطے تھے۔ اس وقت اس کے پاس پانچ مختلف مقامات پر اس طرح کے سیٹ اپ تھے۔ ہر جگہ اس نے کسی لڑکے کو انچارج بنا رکھا تھا۔ خود وہ کبھی ادھر کبھی ادھر گھومتا، حساب چیک کرتا اور کیش وصول کرتا۔

میں نے بنگلے کا دروازہ کھولا اور بدمزگی سے ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرے سے زیادہ ایک غیر مرتب گودام لگ رہا تھا۔ وہاں بے شمار کارٹن اور باکس رکھے تھے۔ مجھے صفائی کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ میں نے سوچا، آج سہ پہر کو یہاں کی صفائی ضرور کروں گا۔

میں سوئمنگ ٹرنک پہننے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ وہ ایک ویٹر تھا ''ایک عورت آئی ہے اور باس کو پوچھ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو تمہیں معلوم ہے کہ باس یہاں نہیں ہے'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں نے اسے بتایا تھا۔ اس پر اس نے کہا کہ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔''

میں چکرا گیا۔ ایسی کون عورت ہو سکتی ہے۔ ''نام کیا ہے اُس کا؟''

''میں نے نہیں پوچھا۔ اتنی حسین عورت سے نام پوچھنا اچھا نہیں لگتا۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو فوراً اس سے ملتا۔ غضب کی چیز ہے۔''

''تو پھر اسے یہاں بھیج دو''

ذرا دیر بعد دروازہ کھلا اور کسی نے کہا ''ہیلو ڈینی؟''

میں نے سر گھما کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔ وہ مس شنڈلر تھی۔ میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے اور حیرت ہوئی کہ میں ان سے کافی لمبا ہو چکا تھا۔ ''ہیلو...... مس...... شنڈلر۔'' میری آواز لڑکھڑا گئی۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا ''تم بہت بڑے ہو گئے ہو ڈینی۔ مجھے پہلے سے پتا نہ ہوتا تو شاید میں تمہیں پہچان ہی نہ پاتی۔''

میں نے انہیں سے سر پاؤں تک دیکھا۔ کیسی عجیب بات تھی۔ انہیں دیکھ کر مجھے گھر کی یاد آ گئی تھی۔ ماما کا خط آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اور میں نے ابھی تک انہیں جواب بھی نہیں دیا تھا۔

''سام تو یہاں نہیں ہے۔ وہ دوسرے سینٹرز کا دورہ کر رہا ہے'' میں نے کہا ''آج رات واپس آئے گا۔''

ان کے چہرے پر عجیب سا سکون پھیل گیا۔ ''میں یہاں قریب ہی آئی تھی۔ میں نے سوچا، یہاں بھی ہوتی چلوں۔'' انہوں نے کہا۔

میں جانتا تھا کہ قریب ترین شہر بھی یہاں سے ۹۰ میل دور ہے۔ وہ خاص طور پر یہاں آئی تھیں اور شاید آمد کی وجہ سے بھی میں واقف تھا۔ ''شکریہ مس شنڈلر۔ آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ مجھے نمبر دے دیں۔ سام آئے گا تو میں فون کروا دوں گا۔''

''ارے نہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں'' انہوں نے جلدی سے کہا۔ شاید ان کے شوہر بھی ساتھ تھے اور ظاہر ہے وہ یہ کبھی نہیں چاہتیں کہ ان کے شوہر کو اس بات کا علم ہو۔

انہیں اندازہ ہو گیا کہ میں کس نہج پر سوچ رہا ہوں ''دیکھو نا، ہم تو سفر میں ہیں۔ کچھ

پتا نہیں کہاں قیام ہو ہمارا''

''تو یہیں قیام کر لیں۔ آرام دہ کمرا بھی ملے گا اور میں آپ کو ڈسکاؤنٹ بھی دوں گا۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ اس طرح رُکے بغیر چلی گئیں تو سام کو برا لگے گا۔''

''نہیں بھئی، یہ ممکن نہیں''

مجھے مایوسی ہوئی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ یہاں قیام کریں۔ وہ رُکتیں تو مجھے یہ پردیس بھی گھر جیسا لگتا۔ انہیں دیکھ کر مجھے گھر اور گھر والوں کی یاد آ گئی تھی۔

اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے لپک کر ریسیور اُٹھایا اور گھوم کر مس شنڈلر کو دیکھا ''یہ یقیناً سام کا فون ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ آپ یہاں آئی ہوئی ہیں''

دوسری طرف سے سام نے بھاری آواز میں پوچھا ''کام کیسا چل رہا ہے ڈینی؟''

''سب ٹھیک ہے سام'' میں نے لہجے کا ہیجان دبانے کی کوشش کی ''پتا ہے مس شنڈلر تم سے ملنے یہاں آئی ہوئی ہیں''

سام کی آواز اور بھاری ہو گئی ''وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟''

''اس طرف سے ان کا گزر ہوا تو انہوں نے سوچا کہ تم سے ملتی چلیں''

''اس سے کہو کہ مجھے رات واپسی میں بہت دیر ہو جائے گی۔'' سام نے کہا ''اسے ایک کمرا دے دو، اور میرے آنے تک اسے روکے رکھو۔''

''میں نے پہلے ہی ان سے رُکنے کو کہا تھا لیکن وہ تیار نہیں ہیں''

سام کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا ''بات سنو کڈ! میں تم پر انحصار کر رہا ہوں۔ دنیا میں عورتیں بہت ہیں لیکن کوئی ایک دل کو پسند آ جاتی ہے۔ میرے لیے یہ وہ عورت ہے تمہیں ہر قیمت پر میرے آنے تک اسے روکنا ہے۔ جو وہ مانگے، اسے دو، جو وہ کہے اس کی تعمیل کرو۔ بس اسے کسی طرح روک لو۔ میں ایک بجے تک آ جاؤں گا'' اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پتا نہیں، وہ مجھ سے کیا توقع کر رہا تھا۔ میں کس طرح

روکوں اسے؟ پھر مجھے خیال آیا کہ سام نے مجھ سے پہلی بار ایسے بات کی ہے جیسے میں کوئی لڑکا نہیں مرد ہوں۔ مجھے خود پر فخر محسوس ہونے لگا۔

میں نے مس شنڈلر کو دیکھا جو تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ میں نے جلدی سے بیڈ پر سے چیزیں ہٹائیں۔ ''میں کئی دن سے صفائی نہیں کر پایا ہوں'' میں نے وضاحت کی ''وقت ہی نہیں ملتا''

''سام کیا کہہ رہا تھا؟''

''اس نے کہا کہ مجھے آپ کی ہر خواہش پوری کرنی ہے اور اس کے آنے تک ہر قیمت پر آپ کو روکنا ہے'' میں نے سچائی سے کہا۔

''بڑا یقین ہے اسے خود پر...... اور تم پر بھی'' مس شنڈلر کے لہجے میں چیلنج تھا۔

میری نظریں جھک گئیں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اگر میں نہ رُکوں تو تم اسے کیا جواب دو گے؟'' وہ اب غصے میں تھیں۔

میں کارٹن اُٹھا کر کونے میں ترتیب سے رکھتا رہا۔ میں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

انہوں نے میرے کندھے تھامے اور مجھے گھما کر اپنے سامنے کیا ''بتاؤ نا، کیا جواب دو گے تم اُسے؟'' ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔

میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ میں نے بہت لحاظ کر لیا تھا ان کا۔ مجھے ان سے ڈرنے کی کیا ضرورت'' کچھ بھی نہیں'' میں نے حقارت سے کہا اور اپنے کندھے پر رکھا ہوا ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ چند لمحے میری گرفت کو دیکھتی رہیں، پھر وہ بیڈ کی طرف پلٹ گئیں۔ وہ کسی فیصلے کے بارے میں اُلجھ رہی تھیں۔ بالآخر انہوں نے گھوم کر مجھے دیکھا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں رک رہی ہوں'' انہوں نے کہا ''تم یہ کمرا صاف کر دو میرے لیے''

میں بری طرح چونکا'' سام نے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک اچھا سا کمرا......''

''میں نے کہا نا، میں یہاں رکنا چاہتی ہوں'' انہوں نے ضدی پن سے کہا۔

''یہ بہت تکلیف دہ ہوگا۔ ہوٹل کے کمرے میں ہر طرح کا آرام ہوگا آپ کے لیے'' میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

وہ پلٹیں اور دروازے کی طرف بڑھیں۔ دروازہ کھول کر، انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا'' سام نے تم سے کہا کہ میری ہر خواہش پوری کرو، تو میری خواہش یہ ہے کہ میں یہاں رہوں گی۔ تم اسے صاف کرو میرے لیے۔ میں کار پارک کر کے آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔

میں نے اپنی حماقت سے خود پر ان کی بالادستی کے بارے میں انہیں بتایا تھا۔ اب میں ان کا کھلونا تھا۔ وہ اپنا ہر غصہ مجھ پر نکالتیں لیکن ان کے غصے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

میں صفائی میں مصروف ہو گیا۔ اچانک میری نظر میز پر رکھے ماما کے خط پر پڑی۔ ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا کہ میں خط کا جواب نہیں دے سکا تھا اور لگتا تھا کہ اب اور کئی دن نہیں دے سکوں گا۔

میری غیر موجودگی میں......

ماما نے ایپرن باندھا اور سیڑھیوں سے اُترنے لگیں۔ ہوا ساکت تھی۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ ایک اور گرم دن ہے۔ ابھی دن شروع بھی نہیں ہوا تھا، اور انہیں تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ ان دنوں روز یہی کیفیت ہوتی تھی ان کی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی نیند پوری نہیں ہو رہی تھی۔

پاپا ان کے لیے ایک ٹانک لے کر آئے تھے۔ ایک ہفتے سے وہ ہر صبح وہ ٹانک لے رہی تھیں لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا تھا۔ پاپا کو اس ٹانک سے بہرحال فائدہ ہوا تھا۔ وہ کاروبار کی طرف سے ان دنوں بہت زیادہ پریشان تھے۔

ماما پاپا کی طرف سے پریشان تھیں۔ گزشتہ رات وہ نیند میں روئے تھے، پھر ان کی آنکھ کھلی اور انہوں نے ماما کو اُٹھایا۔ ماما پہلے ہی جاگ رہی تھیں لیکن انہوں نے یہ بات

ظاہر نہیں کی۔ مگر ان کی اپنی آنکھیں بھی پاپا کے دکھ اور پریشانی سے بھیگ گئی تھیں۔

اس کے بعد ماما کو نیند ہی نہیں آئی۔ وہ ان کے لیے بہت طویل رات تھی۔ اب تھکن تو انہیں ہونا ہی تھی۔ اس پر بلا کی گرمی، صبح ایسی تھی تو دوپہر کا کیا ہوگا۔ اگست کے آخری دو ہفتے موسم کے اعتبار سے ہمیشہ سخت ہوتے تھے۔

وہ کچن میں گئیں اور انہوں نے آئس باکس کو کھول کر دیکھا۔ وہ تقریباً خالی تھا۔ وہ دکھی ہو گئیں۔ ہمیشہ بڑے فخر سے وہ کہا کرتی تھیں...... بھئی میں تو اپنے آئس باکس کو بھرا رکھتی ہوں۔ ہر روز کسی چیز کے لیے بازار بھاگنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اب اس خالی آئس باکس کو دیکھ کر انہیں اپنے دل میں ایک بڑا خلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دکھی ہو گئیں۔ دکھ تھکن کو اور بڑھا دیتا ہے۔

انہوں نے آئس باکس کو بند کیا اور سوچا، ناشتے میں تین انڈوں سے کام چلانا پڑے گا۔ انہیں خوشی ہوئی کہ میں گھر میں نہیں ہوں ورنہ انہیں اور دکھ ہوتا۔ انہوں نے سوچا، ابھی میل باکس چیک کریں گی۔ شاید کہ ان کے خط کا جواب آ گیا ہو۔

دودھ کی گاڑی کی آواز سنائی دی تو وہ کچھ بہتر محسوس کرنے لگیں۔ انہوں نے سوچا مکھن اور انڈے بھی دودھ والے سے مل جائیں گے۔ وہ رقم بل میں شامل ہوئی تو چند ڈالر تو مرتبان میں رہیں گے۔ ان سے سوپ کے لیے مرغی آ سکے گی۔

وہ جلدی سے دروازے کی طرف لپکیں کہ کہیں دودھ والا نکل نہ جائے۔

انہوں نے دروازہ کھولا تو دودھ والا اپنے اسٹوریج باکس کے سامنے جھکا کھڑا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ دھیرے دھیرے کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر مجرمانہ سی معذرت تھی ''گڈ مارننگ مسز فشر'' اس کے لہجے میں بھی شرمندگی تھی۔

''گڈ مارننگ بورڈن! شکر ہے کہ تم مل گئے۔ آج مجھے کچھ انڈے اور مکھن بھی درکار ہے۔''

دودھ والے نے پہلو سا بدلا ''جی مسز فشر، مجھے افسوس ہے، لیکن......'' اس سے بات پوری نہیں کی گئی۔

ماما کے چہرے پر مایوسی چھا گئی ''مکھن اور انڈے ختم ہو گئے تمہارے پاس؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور ان کی طرف ایک پرچی بڑھا دی۔

انہوں نے پرچی کی تحریر پڑھی۔ وہ اطلاع تھی کہ ان کی دودھ کی سپلائی منقطع کی جا رہی ہے۔ کیونکہ تین ہفتے سے بل ادا نہیں کیا گیا ہے۔ ''آئی ایم سوری مسز فشر'' دودھ والے نے شرمندگی سے کہا۔

گھر کے سامنے لان میں پانی کی بوندیں آ کر گریں تو ماما کو وہاں مسٹر کونان کی موجودگی کا احساس ہوا، جو اپنے لان میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ ماما کو متوجہ پا کر انہوں نے کہا ''گڈ مارننگ مسز فشر''

''گڈ مارننگ'' ماما نے کہا۔ انہیں یقین تھا کہ مسٹر کونان نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے۔ سو اب کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ انہوں نے بل کا جائزہ لیا...... چار ڈالر بیاسی سینٹ! اور ان کے مرتبان میں صرف پانچ ڈالر پڑے تھے۔

وہ بہت کوشش کر کے مسکرائیں ''میں ابھی ادائیگی کرنے ہی والی تھی۔ ایک منٹ رکو۔ میں ابھی آئی'' یہ کہہ کر وہ گھر میں گھسیں اور دروازہ بند کر لیا۔ ایک پل وہ دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی رہیں۔ بل ان کی لرزتی انگلیوں کے درمیان پھڑ پھڑا رہا تھا۔ پھر وہ نیچے گر گیا۔ ماما نے اسے جھک کر اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ انہیں لگا کہ ایسا کیا تو وہ بے ہوش ہو جائیں گی۔ بل اٹھانے کے بجائے وہ کچن کی طرف لپکیں، انہوں نے مرتبان سے رقم نکالی، اور اسے کئی بار گنا، جیسے گننے سے رقم دگنی ہو جائے گی لیکن وہ پانچ ڈالر تھے، پانچ ڈالر ہی رہے۔

ماما کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ جسم میں سرد لہر سی دوڑی لیکن وہ رقم مٹھی میں دبائے بیرون دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

دودھ والا وہیں کھڑا تھا جہاں انہوں نے اسے چھوڑا تھا لیکن اب اس کے پاس تاروں سے بنی باسکٹ میں دودھ کی بوتلیں، انڈے اور مکھن موجود تھا۔ ماما نے خاموشی سے اسے پانچ ڈالر دیے، جو اس نے جیب میں رکھے اور ۱۸ سینٹ گن کر ماما کو واپس

دے دیے۔

''یہ رہا آپ کا آرڈر مسز فشر'' اس نے نظریں نیچی کیے ہوئے کہا۔

ماما وہ ۱۸ سینٹ اسے ٹپ میں دینا چاہتی تھیں لیکن ہمت نہ کرسکیں۔ وہ شرمندگی سے بے حال ہو رہی تھیں۔ انہوں نے خاموشی سے باسکٹ تھام لی۔ دودھ والے نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور شرمندگی سے بولا ''میری کوئی حیثیت نہیں ہے مسز فشر۔ یہ سب کچھ ادھار والے کلرک کی وجہ سے ہوا ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو آپ سمجھ رہی ہیں نا مسز فشر؟''

ماما نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتی تھیں، سمجھتی تھیں۔ وہ دودھ والے کو جاتے دیکھتی رہیں۔ وہ بے چارہ کیا کرسکتا تھا۔

''آج گرمی اور زیادہ ہوگی مسز فشر'' اپنے لان سے مسٹر کونان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ماما نے بے خیالی سے انہیں دیکھا۔ ان کا دھیان کہیں اور تھا ''جی ہاں مسٹر کونان'' انہوں نے بے دھیانی سے کہا اور اندر آ کر دروازہ بند کرلیا۔ پھر وہ کچن میں چلی گئیں۔

انہوں نے تمام چیزیں آئس باکس میں رکھیں۔ مگر وہ اب بھی خالی خالی تھا اور پیسوں کا مرتبان بھی اُجڑ گیا تھا۔ ان کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں لیکن ان کی آنکھیں خشک رہیں۔ سیڑھیوں کی طرف سے چاپ اُبھری تو انہوں نے جلدی سے آئس باکس بند کردیا۔ پاپا اور میمی ناشتے کے لیے نیچے آ رہے تھے۔

میمی بہت خوش تھی۔ اخبار میں اے اینڈ ایس کا اشتہار چھپا تھا۔ وہ بروک لین میں بڑا ڈیپارٹمنٹ اسٹور تھا۔ انہیں کلرک کی حیثیت سے جز وقتی کام کی خواہش مند لڑکیوں کی ضرورت تھی اور میمی وہاں جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ پاپا بہت تھکے تھکے اور بجھے بجھے تھے۔ ان کے چہرے پر وہ لکیریں اُبھر آئی تھیں جو نیند کی کمی اور بے آرامی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

پھر کچن خالی ہوگیا اور ماما اکیلی رہ گئیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے برتن دھوئے۔ پھر انہیں احساس ہوا کہ انڈے، دودھ اور مکھن اب بھی میز پر رکھے ہیں۔ انہوں نے

تمام چیزوں کو آئس باکس میں رکھا۔ آئس باکس کی برف پوری طرح پگھل چکی تھی۔ انہوں نے جلدی سے آئس باکس کو بند کردیا۔

چبوترے پر قدموں کی چاپ اُبھری۔ انہوں نے سوچا، ڈاکیا ہوگا۔ وہ لپک کر گئیں اور دروازہ کھولا لیکن ڈاکیا دوسرے گھر کی طرف جاچکا تھا۔ انہوں نے میل باکس کھول کر دیکھا۔ اس میں چند لیٹر تھے۔ انہوں نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ میرا خط موجود نہیں تھا۔ وہ سب بل تھے۔ کچن میں جاکر انہوں نے جائزہ لیا۔ بجلی، گیس، ٹیلیفون...... سب بل کئی ماہ کے تھے۔

ماما نے انہیں کھولے بغیر ہی میز پر ڈال دیا لیکن ایک بغیر کھلا خط ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کا ہے۔ انہوں نے اسے کھولا وہ بنک سے آیا ہوا نوٹس تھا کہ مکان کی قسطیں فوری طور پر ادا کردی جائیں۔

وہ میز کے پاس کرسی پر دھب سے بیٹھ گئیں۔ اس جھٹکے سے آئس باکس کا ڈھکنا اُٹھ گیا۔ وہ کھلے ہوئے آئس باکس کو دیکھتی رہیں۔ وہ اُٹھنا چاہتی تھیں اور اسے بند کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں خیال تھا کہ برف سے محروم آئس باکس کی رہی سہی کولنگ بھی نکل جائے گی لیکن ان میں اُٹھنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ان میں تو رونے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ انہیں شدید کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کھلے ہوئے آئس باکس کو گھورتی رہیں۔ پھر وہ ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلتا گیا، بڑا ہوتا گیا، ان کے جسم میں ٹھنڈک بھرتی گئی، دماغ سن ہوتا گیا، پھر وہ ایک طرف ڈھے گئیں۔

..........☆☆..........

حساب کتاب مکمل کر کے کاؤنٹر بند کرنے کے بعد میں ایک لڑکی سے گپ شپ کر رہا تھا کہ میں نے مس شنڈلر کو کیسینو میں آتے دیکھا۔ میں کن انکھیوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ دروازے میں کھڑی جائزہ لے رہی تھیں۔

سورج غروب ہونے کے بعد میں سگریٹ کے کچھ کارٹن لینے کے لیے بنگلے میں گیا تھا تو اس وقت وہ کاٹیج کی سیڑھیوں پر اُداس اور چپ چپ بیٹھی تھیں۔ وہ ایسی ستاروں

بھری رات تھی، جب لگتا ہے کہ آسمان نیچے...... بہت نیچے اُتر آیا ہے، اور آپ ہاتھ بڑھا کر ستاروں کو چھو سکتے ہیں۔ شہروں میں ایسی رات کہاں نصیب ہوتی ہے۔ میں کارٹن لے کر نکلا تو مس شنڈلر نے میری طرف دیکھا۔ لگتا تھا وہ کچھ کہنے والی ہیں۔ مگر پھر انہوں نے ارادہ بدل دیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہیں، اور میں ہوٹل میں آ گیا۔

اب میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ شاید بنگلے میں تو رات بہ مشکل گھسٹ رہی ہوگی۔ اکیلے میں وقت کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ پوری رات میں اُمید کرتا رہا تھا کہ بالآخر وہ اُکتاہٹ کی وجہ سے کیسینو میں آئیں گی۔

ان کی نگاہ مجھ پر رُکی، پھر وہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ میں نے گپ شپ کرنے والی لڑکی کو جھٹکنے کے لیے کہا ''سوری بے بی! باس کی بیوی آ رہی ہے۔ اب تم کھسک لو یہاں سے۔''

لڑکی کے چہرے پر برہمی کے تاثر کو نظر انداز کرتے ہوئے میں نے خود ہی کھسکنا مناسب سمجھا۔ میں مس شنڈلر کی طرف بڑھ گیا ''ہیلو؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ اتنی دیر میں یہاں کیوں آئیں؟''

وہ جواباً مسکرائیں اور وہ بڑی سچی مسکراہٹ تھی۔ یعنی ان کا غصہ اُتر چکا تھا ''ہیلو ڈینی! مجھے اپنے سہ پہر کے رویے پر افسوس ہے۔''

ان کی آنکھوں میں بھی مجھے سچی معذرت نظر آئی۔ اب ان کا انداز بے حد دوستانہ تھا ''کوئی بات نہیں مس شنڈلر'' میں نے کہا ''میں جانتا ہوں کہ اس وقت آپ بہت اپ سیٹ تھیں''

انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا ''وہاں بنگلے میں تنہائی کا احساس بہت شدت سے ہو رہا تھا''

''میں سمجھ سکتا ہوں'' میں نے آہستہ سے کہا ''یہاں کبھی کبھی میرا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ شہر میں آدمی کو اتنا پتا نہیں چلتا لیکن یہاں، مضافات میں آسمان اتنا بڑا لگتا ہے کہ اپنا وجود بہت چھوٹا لگنے لگتا ہے۔

ہم چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔ پھر بینڈ نے رمبا کی دھن چھیڑی ''آپ ڈانس کریں گی؟'' میں نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں ان کا ہاتھ تھام کر انہیں فلور پر لے آیا۔

چند لمحے بعد انہوں نے کہا ''ڈینی! تم اچھا ناچ لیتے ہو۔ کیا تم ہر کام ایسے ہی کرتے ہو۔''

میرے ساتھ اب تین موسم گرما کا تجربہ تھا، اور میں واقعی بہت اچھا ناچتا تھا لیکن میں نے انکسار سے کہا ''کہاں مس شنڈلر! البتہ سام کہتا ہے کہ مجھے ردھم کا فطری شعور ہے، اسی لیے تو میں اچھا باکسر ہوں۔ باکسنگ بھی ایک طرح کا رقص ہی ہے۔''

''تم اب بھی فائٹر بننا چاہتے ہو؟'' انہوں نے متجسسانہ انداز میں پوچھا۔

''میں بننا تو نہیں چاہتا تھا لیکن سام کا کہنا ہے کہ میں پیدائشی فائٹر ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس میدان میں بہت دولت کما سکتا ہوں''

''تو دولت اتنی اہم ہے؟''

''آپ ہی بتائیں مس شنڈلر، کیا ایسا نہیں ہے؟''

ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دولت کی بات کرو تو کسی کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہوتا۔ وہ چند لمحے مجھے غور سے دیکھتی رہیں، پھر بولیں ''یہاں اتنا رسمی اور مصنوعی انداز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے ڈینی'' وہ مسکرائیں ''میرا نام سیلیا ہے''

''میں جانتا ہوں''

ہم ناچتے رہے۔ رمبا کے میوزک میں عجیب سی بات ہے۔ اگر آپ اسے پسند کرنے والے ہیں تو یہ وقت سمیت ہر چیز کا احساس مٹا دیتا ہے۔ میں رمبا کا عاشق تھا اور مس شنڈلر کو بھی وہ یقیناً اچھا لگتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اس نے ہمیں قریب کر دیا، جیسے ہم بارہا اس دھن پر رقص کرتے رہے ہوں۔

اچانک موسیقی تھم گئی، ہم ٹھٹکے اور کھڑے کے کھڑے رہ گئے ''میرا خیال ہے، بارہ بج گئے سیل'' میں نے بے تکلفی سے کہا ''کھیل ختم''

انہوں نے گھڑی دیکھی اور بولیں ''ٹھیک کہا تم نے''

''ڈانس کا شکریہ مس شنڈلر''

وہ ہنس دیں۔ ان کی ہنسی سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ وہ بڑی خالص، خوشیوں سے بھری ہنسی تھی۔ ''میں نے کہا نا، سیل کہو مجھے۔ اچھا لگتا ہے۔''

میں بھی ہنس دیا ''آپ کے ساتھ رقص مجھے اچھا لگا سیل'' میں نے کہا ''لیکن اب مجھے اپنے لیے آشیانے کی فکر کرنی ہے۔ ورنہ رات مجھے پورچ پر گزارنی پڑے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے کمرے سے نکال دیا۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو معلوم تو نہیں تھا نا''

''مجھے بہت افسوس ہے ڈینی۔ اچھا، تمہیں جگہ تو مل جائے گی نا؟''

''مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ آپ بے فکر رہیں سیل۔ گڈ نائٹ''

انہوں نے میرا بازو تھام لیا ''مجھے ڈرنک کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے ڈینی۔ کچھ مل سکتا ہے مجھے؟''

ان کے چہرے پر گھبراہٹ تھی، جو انتظار کرنے والوں کے چہروں پر نظر آتی ہے، جنہیں اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ جس کے وہ منتظر ہیں، وہ آئے گا بھی۔ مجھے ان پر ترس آنے لگا ''میں نے سام کے لیے کچھ بیئر چھپا کر رکھی ہے، وہ آپ کو لا دوں؟''

''نہیں بیئر نہیں، کچھ اور دو'' انہوں نے جھرجھری سی لی۔

''کاٹیج میں وہسکی بھی ہے''

وہ مسکرائیں ''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔''

میں نے فریج کھول کر برف کی ٹرے نکالی، اور فریج کو دوبارہ لاک کر دیا۔ اس وقت تک کیسینو خالی ہو چکا تھا ''آئیں میرے ساتھ'' میں نے کہا۔

ہم باہر نکلے۔ ہمارے نکلتے ہی کسی نے لائٹ آف کر دی۔ باہر تاریکی چھا گئی۔

میں نے ان کی گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے کہا ''آپ میرا ہاتھ تھام لیں۔ میں یہاں کے چپے چپے سے واقف ہوں۔''

کاٹیج میں پہنچ کر میں نے لائٹ آن کی اور ان کی طرف دیکھا ''میں بہت پیاسی ہوں ڈینی'' انہوں نے کہا۔

میں بیورو کی طرف بڑھا اور دراز کھول کر وہسکی کی بوتل نکال لی۔

☆☆

فون کی گھنٹی بجی تو تین جام ان کے حلق سے اُتر چکے تھے۔ ہم سیڑھیوں پر بیٹھے تھے اور وہ مجھے پلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ابھی تک تو میری مدافعت کامیاب رہی تھی۔

میں لپک کر اندر گیا اور ریسیور اُٹھایا۔ وہ میرے پیچھے چلی آئیں اور مجھ سے چپک کر کھڑی ہو گئیں۔

''ڈینی؟'' رات کے سناٹے میں سام کی آواز گونجتی محسوس ہوئی۔ لگتا تھا کہ کاٹیج کے باہر بھی سنی جا سکتی ہے۔

''ہاں سام''

''میں وعدے کے مطابق نہیں پہنچ سکوں گا ڈینی''

''لیکن سام......''

ریسیور میں ایک عورت کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ سیل نے ایک گہری سانس لی۔ ان کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ سام شاید مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔ بالآخر اُس نے کہا ''جو شخص میرا انتظار کر رہا ہے، اس سے کہنا کہ میں ایک کام میں پھنس گیا ہوں۔ کل دوپہر لنچ تک پہنچوں گا اور پھر معاملہ طے کر لیں گے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''ہاں سام'' میں نے کہا۔ میں خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے

''لیکن سام......''

''او کے کڈ، پھر کل ملیں گے۔'' سام نے چیخ کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور سیل کی طرف مڑا ''سام ایک کاروباری معاملے میں......''

انہوں نے میری بات کاٹ دی۔ ''چھوڑو نا، تم کیوں جھوٹ بولو اُس کی خاطر''

انہوں نے غصے سے کہا ''میں نے سب سنا ہے اپنے کانوں سے۔''

مجھے پھر ان پر ترس آنے لگا لیکن کیا کرسکتا تھا ''میں اب چلتا ہوں سیل''

انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ''میں اکیلی تو اس کاٹیج میں نہیں رہ سکتی''

''لیکن یہاں صرف ایک بیڈ ہے''

''اور کافی بڑا ہے''

''سوری سیل، میں نہیں رک سکتا''

''تو میں بھی نہیں رک سکتی۔ میں ابھی واپس جا رہی ہوں''

مجھے سام نے کہا تھا کہ اس کی واپسی تک مجھے سیل کو روکنا ہے، خواہ اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے اور یہ بات میں نے سیل کو بتا دی تھی۔ اب وہ مجھے بلیک میل کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میں اس کی ہر بات ماننے پر مجبور ہوں۔

پہلے مرحلے میں مجھے وہاں رُکنا پڑا۔ دوسرے مرحلے میں مجھے شراب پینا پڑی۔ اس کے غصے کے سامنے میری مدافعت کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور وہ یہ بات جانتی تھی۔

دو تین جام میں ہی میرا برا حال ہوگیا۔ میں بستر پر دراز ہوگیا۔

''ڈینی...... پیارا ڈینی تو میرا دکھ سمجھتا ہے نا'' وہ بڑبڑا رہی تھیں ''ڈینی جانتا ہے کہ پیاری سیل یہاں کس لیے آئی تھی۔ وہ اسے ناکام و نامراد تو نہیں جانے دے گا...... ہے نا''

اور شاید میں رونے لگا ''ہاں سیل، مجھے بہت دکھ ہے تمہارا''

''تو میرے پاس آؤ، میرا دکھ دور کرو'' انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔

میں نشے میں تھا لیکن مجھے احساس تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ غلط ہے لیکن میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ تھوڑی دیر بعد میں خود بھی اس ریلے میں بہہ گیا۔

میں کب سویا، یہ مجھے یاد ہی نہیں تھا۔

☆☆

کسی نے میرا کندھا تھام کر مجھے جھنجھوڑ دیا۔ میں اٹھ کر بیٹھا اور آنکھیں ملنے لگا۔

میرا منہ کڑوا ہو رہا تھا اور آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ شاید رات کی زبردستی کی مے نوشی کی وجہ سے!

''کہاں ہے وہ؟'' سام کی آواز غراہٹ سے مشابہ تھی۔

''کون کہاں ہے؟''

''بتاؤ نا، کہاں ہے وہ؟'' سام دھاڑا۔

میرا نشہ ہرن ہوگیا۔ میں نے بستر کا جائزہ لیا۔ وہ موجود نہیں تھی۔ مجھے کچھ کچھ یاد آنے لگا۔ سب کچھ تو یاد آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اتنا یاد تھا کہ کچھ ایسا ہوا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

سام نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بستر سے کھینچ لیا۔ میں نیچے گرا، سنبھل کر کھڑا ہوا۔ مگر مجھے چکر آ رہے تھے۔

''تم مجھ سے جھوٹ نہ بولنا ڈینی!'' وہ غرایا ''میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں تھی۔ کلرک نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ہوٹل میں نہیں رکی۔ تم...... تم میری عورت کے ساتھ سوئے...... تم''

میں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دروازے کی طرف سے سیل کی آواز آئی ''کون ہے تمہاری عورت سام؟''

ہم دونوں نے مڑ کر اُسے دیکھا۔ وہ سوئمنگ پول سے نکل آئی تھی۔ پانی کے قطرے اس کے جسم پر سے ٹپک رہے تھے۔ وہ اندر آئی اور سام کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔ ''بتاؤ نا سام! کون ہے تمہاری عورت؟'' اس نے دہرایا۔

''تم...... تم مجھ سے ملنے آئی تھیں نا'' سام نے گڑبڑا کر کہا۔

''ہاں سام، سوچا تو میں نے یہی تھا لیکن سامنے کچھ اور آیا'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹی اور سام کو غور سے دیکھا ''تمہیں تو معلوم ہی نہیں سام کہ میں کیا سوچ کر آئی تھی۔ میں تمہیں بتاتی ہوں'' اس کا لہجہ کڑوا ہو گیا ''میں تمہیں بتانے آئی تھی کہ مجھے تمہاری ہر بات، ہر وعدے پر یقین ہے۔ میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں جیف سے طلاق لے کر تمہارے پاس آؤں گی۔''

سام اس کی طرف بڑھا۔ مگر اس نے ہاتھ بڑھا کر سام کو دھکیل دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ''نہیں سام! یہ تو گزری ہوئی کل کی بات ہے۔ آج اس کہانی کا عنوان مختلف ہے۔ رات تم نے ڈینی کو فون کیا تو میں اس کے برابر کھڑی تھی۔ میں نے تمہارا ایک ایک لفظ سنا، میں نے ہر آواز سنی'' اس نے ہونٹ سکیڑے۔ ''پہلی بار میری سمجھ میں سب کچھ آیا۔ پہلی بار میں تمہیں سمجھی، اور خود کو بھی۔ پہلی بار میں نے دیانت داری کے ساتھ خود کو سمجھا۔ بات یہ نہیں کہ تم مجھے چاہتے ہو یا میں تمہیں چاہتی ہوں۔ دراصل ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ ہماری ضرورتیں ایک سی تھیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ضرورت پوری کرنے والا کون ہے۔ میں نے خود کو دریافت کرلیا سام'' اس نے ڈریسر پر رکھے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگائی ''اب تم دونوں یہاں سے نکلو۔ مجھے لباس تبدیل کرنا ہے۔''

میں دروازے کی طرف بڑھا۔ مس شنڈلر کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں تو بس یہ جانتا تھا کہ میرا بڑا نقصان ہوا ہے۔ ماما اور پاپا سے وعدے کے مطابق میں نے کس کس طرح خود کو سنبھال کر، بچا کر رکھا تھا۔ ایک آئینہ تھا، جو ٹوٹ گیا تھا، اور آئینے ٹوٹ کر جڑتے کبھی نہیں اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی تھی۔ اب مجھے مالی نقصان بھی ہونے والا تھا۔

سام بھی کاٹیج سے نکل آیا۔ ہم دونوں ہوٹل کی طرف چل دیے۔ سام کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

''آئی ایم سوری سام'' میں نے کہا ''میں تو اسے روکنے کی کوشش میں مارا گیا۔ اس نے زبردستی مجھے پلا دی تھی۔ میں تو......''

''شٹ اپ ڈینی'' سام نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

پورچ پر پہنچ کر ہم کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔ میں کاؤنٹر کے عقب میں گیا اور دراز سے گزشتہ روز کی رپورٹ شیٹ نکال کر سام کی طرف بڑھائی۔ ''تم حساب چیک کرلو اور کیش بھی''

اس نے نظر اُٹھا کر مجھے دیکھا ''کس لیے؟''

میں حیران رہ گیا ''تم جانتے تو ہو......''

وہ مسکرایا، اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے بال بکھیر دیے۔ ''پرسکون ہو جاؤ چیمپ۔ کس نے کہہ دیا کہ تم یہاں سے رُخصت ہو رہے ہو۔''

''لیکن سام! میں نے......''

''تم ابھی لڑکے رہنا چاہتے تھے لیکن وقت نے تمہیں مرد بنا دیا۔ اس نقصان کا کوئی ازالہ تو نہیں ہوسکتا۔ تاہم دکھ کم کرنے کے لیے میں تمہیں سو ڈالر کا بونس ضرور دوں گا۔'' اور وہ بلند آواز سے ہنسنے لگا۔

☆☆

میں گھر واپس گیا تو میرے پاس سات سو ڈالر تھے۔ میں نے وہ رقم کچن کی میز پر رکھ دی۔ نجانے کیوں میں خود کو اجنبی اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ شاید اس موسم گرما نے سبھی کو بدل ڈالا تھا۔

میرا قد اور بڑھ گیا تھا۔ میں پاپا سے بھی ہاتھ بھر لمبا ہو گیا تھا۔ دوسری طرف مجھے لگتا تھا کہ پاپا اور ماما کچھ سکڑ سے گئے ہیں، سمٹ سے گئے ہیں۔ وہ دونوں دبلے ہو گئے تھے۔ پاپا کے رُخسار دھنس گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد عجیب سے نیلے حلقے پڑ گئے تھے۔ ماما کے تقریباً تمام بال سفید ہو گئے تھے۔ اس بار انہوں نے میری لائی ہوئی رقم کے بارے میں دکھاوے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ شاید ضرورت بے حد فوری نوعیت کی تھی۔

ہم کھانے پر بیٹھے تو بہت باتیں کیں لیکن کچھ ان کہی بھی رہ گئیں اور یہ بہتر ہی تھا۔ جو کچھ آدمی جانتا ہو، اس پر بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سب کچھ تو چہروں پر لکھا تھا...... جسموں کی جنبشوں اور لرزشوں سے عیاں تھا۔

زندگی بدل گئی تھی!

کھانے کے بعد میں گھر کے باہر چبوترے پر جا بیٹھا۔ ریکسی آئی اور میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ میں اس کے کان میں گدگدی کرنے لگا ''تم نے مجھے مس کیا تھا؟''

میں نے اس سے پوچھا۔ وہ دم ہلانے لگی اور میری گود میں سر رکھ دیا۔ وہ میری واپسی پر خوش تھی۔

میں نے گلی کا جائزہ لیا۔ وہ بھی بدل گئی تھی، پختہ ہوگئی تھی۔

میمی آئی اور میرے برابر بیٹھ گئی۔ دیر تک ہم خاموش بیٹھے رہے۔ موٹا فریڈ کونان اپنے گھر سے نکلا۔ مجھے دیکھا تو علیک سلیک کی۔ پھر وہ دوسرے بلاک کی طرف چلا گیا۔

بالآخر میمی نے خاموشی توڑی۔ ''ماجوری این کی منگنی ہوگئی'' اس نے کہا اور ردِعمل سمجھنے کے لیے غور سے مجھے دیکھتی رہی۔

''بہت خوب'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے کچھ محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو ان دنوں کی یادگار تھی، جب میں بچہ تھا۔

''ایک پولیس مین سے منگنی ہوئی ہے اس کی۔ شادی جنوری میں ہوگی۔ وہ عمر میں مارج سے بہت بڑا ہے۔ تیس سے اُوپر کا ہی ہوگا۔''

میں نے سر گھما کر میمی کو دیکھا ''تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟'' میں نے گھماؤ پھراؤ کے بغیر پوچھا۔

اس کا چہرہ تمتما اُٹھا ''میں تمہیں اس سے باخبر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، جو یہاں تمہارے غیاب میں ہوا'' اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے کیا اس سب سے؟'' میں نے بے پروائی سے کہا اور گلی کا جائزہ لیا۔ شاید پرانے دن لوٹ آئے تھے۔ میں پھر میمی سے لڑ رہا تھا۔

اس کی آواز میں سختی در آئی۔ لہجے میں کاٹ آ گئی ''میرا خیال تھا کہ تم ماجوری این کو پسند کرتے ہو۔''

میں مسکرا دیا ''اس خیال کی کوئی وجہ؟''

''تم شروع ہی سے اس پر مہربان لگتے تھے۔ پھر اس نے خود مجھے بتایا کہ......''

''کیا بتایا اُس نے تمہیں؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

اب ہم دونوں جنگجوؤں کی طرح ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

میں نے بھی اپنی پلکیں نہ جھپکنے دیں اور اسے گھورتا رہا ''اس نے مجھے بتایا کہ تم اس کے ساتھ...... کچھ کچھ...... بہت کچھ کرتے رہے ہو'' وہ بولی۔

''کیا کچھ؟''

''ایسا جو نہیں کرنا چاہیے'' میمی اب اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

میں مسکرایا ''وہ پاگل ہے۔ میں نے تو کبھی اسے چھوا بھی نہیں''

اچانک میمی کی آنکھوں میں طمانیت اُتر آئی ''تم سچ کہہ رہے ہو ڈینی؟''

میں اب بھی مسکرا رہا تھا ''بالکل سچ میمی۔ تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا...... کم از کم تم سے تو کبھی نہیں''

وہ بھی مسکرا دی ''سچ ڈینی! یقین تو مجھے بھی نہیں آتا تھا لیکن وہ غضب کی کہانیاں گھڑتی ہے۔ پوری تفصیل اور جزئیات کے ساتھ۔ اُس نے نرمی سے میرے ہاتھ کو چھوا ''مجھے خوشی ہے کہ اس کی شادی ہوگی اور وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ اب میں اسے پسند بھی نہیں کرتی۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر میں نے کہا ''دن اب پھر چھوٹے ہونے لگے ہیں''

اس نے جواب نہیں دیا تو میں نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ وہاں بیٹھی چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ وہ مجھ سے دو سال بڑی تھی۔ مگر میں خود کو اس سے بڑا سمجھتا تھا...... بہت بڑا۔ کچھ اس کے نقوش بھی ایسے ہی تھے شاید۔ بے داغ چہرہ، چھوٹی کاٹھی۔ میں نے سوچا، کیا میمی کو کبھی کسی نے پیار کیا ہوگا؟ پھر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ میمی اس طرح کی لڑکی نہیں تھی۔

''پاپا اور ماما بہت تھکے تھکے لگ رہے ہیں'' میں نے موضوع بدلا ''اس بار شاید گرمی زیادہ ہی ہوئی ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے ڈینی۔ دراصل حالات بہت خراب ہیں۔ کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم تو بل بھی ادا نہیں کر پا رہے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے دودھ کی سپلائی منقطع ہوتے ہوتے بچی ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ مجھے اے اینڈ ایس میں پارٹ ٹائم جاب مل گئی،

ورنہ صورتِ حال اور خراب ہوتی۔''

میری آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ اندازہ تو مجھے تھا کہ حالات اچھے نہیں ہیں لیکن اتنے خراب ہوں گے، یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا''مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ ماما نے اپنے خط میں تذکرہ بھی نہیں کیا''

''تم تو ماما کو جانتے ہی ہو۔ وہ مر جائیں گی، لیکن ایسی کوئی بات خط میں کبھی نہیں لکھیں گی۔''

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ سگریٹ نکال کر میں سلگانے ہی والا تھا کہ میمی نے کہا''ایک سگریٹ مجھے بھی دو ڈینی''

میں نے پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم سگریٹ پیتی ہو'' میں نے حیرت سے کہا۔

''تو مجھے بھی کب معلوم تھا کہ تم اسموکنگ کرتے ہو'' اس نے جواب دیا۔ پھر پلٹ کر گھر کی طرف دیکھا''اور ذرا احتیاط رہو۔ ماما نے دیکھ لیا تو ہم دونوں ہی مارے جائیں گے۔''

ہم دونوں ہنس دیے۔ دونوں نے اپنے اپنے سگریٹ ہتھیلیوں کی اوٹ میں کر لیے۔

''مجھے خوشی ہے کہ اس سال میری اسکول کی تعلیم مکمل ہو رہی ہے۔'' میمی نے کہا ''اب میں باقاعدہ ملازمت کر کے بہتر طور پر مدد کر سکوں گی۔''

''تو حالات اتنے خراب ہیں'' میں پرخیال لہجے میں بڑبڑایا۔

''ہاں۔ ماما تو مکان چھوڑنے کی بات بھی کر رہی ہیں۔ اس کی قسطیں بھی ادا نہیں ہو پا رہی ہیں۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ میرے لیے صحیح معنوں میں شاک تھا۔ میرا گھر......! مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔

میمی نے کندھے جھٹک دیے۔''ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا، اس کا فیصلہ تو حالات کرتے ہیں۔ ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

میں چند لمحے خاموش رہا۔ میں اب چھوٹا سا بچہ نہیں تھا کہ سچ مچ اس مکان کو...... اپنے گھر کو اپنی ملکیت سمجھتا۔ اگرچہ پاپا نے اس وقت یہی کہا تھا لیکن اس کے باوجود میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس گھر میں اور لوگ رہیں، میرے کمرے میں کوئی اور سوئے، یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں یہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں یہاں سے نہیں جانا چاہتا تھا...... حالات کچھ بھی ہوں۔

''میں بھی اسکول چھوڑ کر کوئی جاب تلاش کر سکتا ہوں'' میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''نہیں ڈینی! اسکول کی تعلیم تو تمہیں مکمل کرنی ہی ہو گی'' میمی کے لہجے میں احتجاج تھا''یہ تو پاپا اور ماما کا خواب ہے۔''

میں خاموش رہا۔

''تم پریشان نہ ہو ڈینی'' اس نے محبت سے میرا کندھا تھپتھپایا''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا دل کہتا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے پراُمید نظروں سے اسے دیکھا''تمہیں سچ مچ یقین ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟''

وہ مسکرائی''ہاں، مجھے یقین ہے'' پھر وہ اُٹھی، سگریٹ کا ٹوٹا اس نے گٹر میں اُچھال دیا''اب میں اندر جاؤں گی۔ ماما برتن دھو رہی ہوں گی۔ ان کا ہاتھ بٹادوں''

اس کے جانے کے بعد میں سوچتا رہا۔ میمی ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ حالات خراب ہو سکتے ہیں تو ٹھیک بھی ہو سکتے ہیں۔ تبدیلی کا پہیہ کوئی ایک طرف ہی تو نہیں گھومتا۔ اس گھر کو چھوڑنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہیں اور رہنے کا تصور بھی میرے لیے ممکن نہیں۔

...........☆☆...........

میرا نام ڈینی فشر ہے۔ میری عمر ۱۵ سال ۴ ماہ ہے، اور میں ارامس ہائی اسکول میں چھٹے گریڈ کا طالب علم ہوں۔ صبح کے سیشن میں پڑھتا ہوں۔ اس وقت دن کا ایک بجا ہے۔ اسکول کی چھٹی ہو چکی ہے۔ میں فلیٹ بش اور چرچ ایونیو کے سنگم پر کھڑا اسکول سے جوق در جوق باہر نکلتے طلبا اور طالبات کو دیکھ رہا ہوں۔

لوگ کہتے ہیں کہ اس اسکول میں تین ہزار بچے پڑھتے ہیں۔ اس وقت ایسا لگتا ہے کہ وہ تمام کے تمام اس کارنر پر موجود ہیں۔ وہ ہنس رہے ہیں، قہقہے لگا رہے ہیں۔ کچھ لڑکے لڑکیوں کو چھیڑ رہے ہیں۔ میں انہیں رشک بھری نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ ہر فکر سے آزاد ہیں۔ انہیں اگر کوئی فکر ہے تو صرف کل دوبارہ اسکول آنے کی ہے۔ میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں۔ میرا ایک گھر ہے، جو مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اسے بچانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے کام کرنا ہے۔

میں ایک دکان کی ونڈو میں نصب کلاک کو دیکھتا ہوں۔ ایک بج کر چند منٹ ہو چکے ہیں۔ یہ اکتوبر کے آخری ایام ہیں۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ شروع ہو چکی ہے۔ میں جیکٹ کی زپ بند کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ ایک سینما ہاؤس کے سامنے رک کر میں پوسٹر دیکھتا ہوں۔ یہ فلم یقیناً اچھی ہوگی۔ میں وہاں صرف ایک منٹ رُکتا ہوں۔ کچھ طلبا فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔ میں بھی یہ فلم دیکھنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس اس کے لیے وقت نہیں ہے۔ میں آگے بڑھ جاتا ہوں۔ اب میں شاپنگ ایریا سے گزر رہا ہوں۔ یہاں چھوٹے اسٹور ہیں، مقامی نوعیت کے۔ میرے قدم تیز ہو گئے ہیں۔

مجھے پیدل چلتے ہوئے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔ اب میں سکس کارنرز پر پہنچ گیا ہوں، جہاں فلیٹ بش اور نوسٹر بینڈ ملتے ہیں۔ یہاں آئی آر ٹی کا ٹرمینل اسٹیشن ہے۔

اس کارنر پر اشیائے خورد و نوش کے بڑے بڑے اسٹور ہیں۔ اے اینڈ پی، بوہاک، رولسٹن، ڈینیل ریوز اور فیئر مارٹ۔ یہ آخری اسٹور فیئر مارٹ میری منزل ہے۔ میں اسٹور میں داخل ہوتا ہوں۔ یہ کم چوڑا، لیکن بہت لمبا اسٹور ہے۔

کاؤنٹر پر موجود شخص مجھے دیکھتے ہی چلا کر کہتا ہے ''جلدی کرو ڈینی، آرڈرز کا انبار

لگا ہے تمہارے لیے۔''

میں دوڑتا ہوا اسٹور کے عقبی حصے میں جاتا ہوں۔ اپنی کتابیں اور کاپیاں ایک شیلف پر رکھ کر میں ایپرن اُٹھاتا ہوں۔ اسے باندھ کر میں پھر اسٹور کے سامنے والے حصے میں آتا ہوں۔ دروازے کے قریب آرڈرز کے کارٹن تیار رکھے ہیں۔ میں انہیں ایک ایک کر کے اُٹھاتا اور باہر لے جا کر ہتھ گاڑی پر رکھ دیتا ہوں۔

ایک کلرک باہر آتا ہے اور میرے ساتھ مل کر اشیا اور بل چیک کرتا ہے۔ پھر وہ بل کے حساب سے مجھے ریزگاری گن کر دیتا ہے تاکہ نہ گاہکوں کو زحمت ہو اور نہ مجھے پریشانی۔

میں ہتھ گاڑی لے کر سڑک پر چل پڑتا ہوں۔ مجھے لوگوں کے گھر ان کے آرڈرز کی اشیا پہنچانی ہیں۔ اس کام میں دن بیت جاتا ہے۔ سورج غروب ہوتا ہے تو چھ بجے میں کام سے فارغ ہوتا ہوں۔ پھر میں بھاری جھاڑو لے کر اسٹور کی صفائی کرتا ہوں۔

سات بجے میں ایپرن اُتارتا ہوں، اسے تہہ کر کے شیلف میں رکھتا ہوں، اپنی کتابیں اُٹھاتا ہوں اور اسٹور سے نکل آتا ہوں۔ میں نوسٹر بینڈ ایونیو پہنچتا ہوں، وہاں ایک بس موجود ہے۔ میں اس پر سوار ہو جاتا ہوں۔ یہ رش کا وقت ہے۔ مجھے پائیدان پر کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑ رہا ہے۔

میں اپنے کارنر پر اُترتا ہوں۔ گھر تک کا فاصلہ پیدل طے کرنا ہے۔ میرے پاؤں دکھ رہے ہیں، اور بھاری کارٹن اُٹھانے سے میری گردن اور کندھے کے عضلات اکڑ گئے ہیں لیکن ریکسی میرے استقبال کے لیے دوڑتی ہوئی موڑ تک آتی ہے تو میری تھکن دور ہو جاتی ہے۔ خوشی اور ہیجان سے اس کی دُم ہل رہی ہے۔ میں ہنستے ہوئے اس کا سر تھپتھپاتا ہوں۔ اس نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔

میں ریزگاری کچن کی میز پر رکھ دیتا ہوں..... کل ۸۵ سینٹ۔ آج ٹپ اچھی ملی۔ میں ۲۵ سینٹ اپنی جیب میں رکھ لیتا ہوں، باقی رقم مرتبان میں ڈال دیتا ہوں۔

ماما مجھے دیکھ رہی ہیں ''اُوپر جاؤ، اور تازہ دم ہو کے آؤ۔ کھانا تیار ہے۔''

پاپا میز پر بیٹھے ہیں۔ وہ میری پیٹھ پر تھپکی دیتے ہیں۔ نہ میں کچھ کہتا ہوں، نہ وہ کچھ کہتے ہیں۔ میں بھی، اور وہ بھی، دونوں ہی میرے احساسات سے واقف ہیں۔ میں قانع ہوں۔

یہ ریزگاری ہر روز آتی ہے۔ سنیچر میں پورا دن کام کرتا ہوں۔ صبح سات بجے سے رات گیارہ بجے تک۔ منیجر مجھے ہفتہ بھر کی تنخواہ دیتا ہے...... ساڑھے تین ڈالر۔ کوئی اچھا ہفتہ لگ جائے تو ٹپ ملا کر مجھے دس ڈالر تک مل جاتے ہیں۔

یہ اچھی بات ہے کہ اسکول کا کام مجھے مشکل نہیں لگتا۔ کیونکہ اکثر رات کو ہوم ورک کرتے ہوئے میں تھکن سے بے حال ہو کر سو جاتا ہوں۔ پھر اگلے دن اسٹڈی کے پیریڈ میں مجھے ہوم ورک مکمل کرنا پڑتا ہے۔

میں بیڈ پر گرتا ہوں تو انگلی ہلانے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ میری نیند تھکن سے ٹوٹے ہوئے انسان کی نیند ہوتی ہے۔ لیکن اگلی صبح میں بیدار ہوتا ہوں تو جیسے بالکل نیا اور تازہ دم ہوتا ہوں۔ جوانی کا یہی تو فائدہ ہے۔

کبھی میں لڑکوں کو فٹ بال کھیلتے دیکھتا ہوں تو میرا دل کھیلنے کو مچلتا ہے۔ کبھی فٹ بال میرے پاس آ کر گرتی ہے تو میں اسے بڑی محبت سے ہاتھ سے سہلاتا ہوں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہونا میرا خواب تھا۔ پھر میں گیند کو اُچھال دیتا ہوں، اور اسے گھوم کر فضا میں بلند ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ پھر پلٹ کر چل دیتا ہوں۔

میرے پاس کھیلنے کے لیے وقت نہیں۔ میں بہت سنجیدہ اور متفکر ہوں۔ میں فٹ بال سے زیادہ بڑا اور اہم کھیل کھیل رہا ہوں۔ میں اپنے مکان کو، اپنے گھر کو بچانے کی جدوجہد کر رہا ہوں۔

لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میں کس سے لڑ رہا ہوں۔ اس جنگ میں کچھ ایسی قوتیں بھی مجھ سے لڑ رہی ہیں جن کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔ سرمائے کی سرد اور غیر جذباتی میکانیت، قرض کے غیر لچک دار اصول، کاروبار اور معیشت کی مشینری، جو زندگی کی ہر سطح

پر اور معاشرے کے ہر طبقے پر چھائے ہوئے ہیں، جبکہ میرے نزدیک وہ محض کتابوں میں چھپے الفاظ ہیں۔

اور رُخصت ہوتے ہوئے اکتوبر کی ایک رات میں کام سے گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ ماما رو رہی ہیں......

.........☆☆.........

میری غیر موجودگی میں......

ماما نے سر اُٹھا کر کلاک کی طرف دیکھا۔ چند منٹ بعد لنچ کا وقت ہونے والا تھا۔ انہیں حیرت ہوئی، وقت کتنی تیزی سے گزر گیا۔ صبح سے دوپہر ہو گئی اور پتا بھی نہیں چلا۔ صبح وہ بڑی خراب کیفیت میں اُٹھی تھیں۔ یہ احساس انہیں ستا رہا تھا کہ کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔ کچھ بہت برا ان کے اردگرد منڈلا رہا ہے۔ ہر لمحہ ستاتے اس خیال کو دور رکھنے کے لیے انہوں نے خود کو مصروف کر لیا۔

انہوں نے گھر کی صفائی کی۔ کوئی کونا کھدرا بھی نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ بیسمنٹ میں گئیں۔ انہوں نے آتش دان کی راکھ میں سے کوئلے کے وہ ٹکڑے نکالے جو ابھی کام آ سکتے تھے، جو آتش دان کی آہنی جالی سے نیچے ٹپک گئے تھے۔

لیکن اتنی مصروفیت بھی اس خیال سے انہیں نجات نہیں دلا سکی۔ وہ خیال کسی کن کھجورے کی طرح ان کے دماغ میں پنجے گاڑے بیٹھا رہا۔

وہ لپک کر کچن میں آئیں۔ چولہا جلا کر انہوں نے اس پر پانی چڑھایا۔ فرش کی طرف سے انہیں سرسراہٹ سنائی دی۔ وہ ریکسی تھی، جو کچن کی میز سے نکل کر دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ دروازے پر کھڑی ہو کر وہ ماما کو دیکھتے ہوئے دُم ہلاتی رہی۔

''تم باہر جانا چاہتی ہو؟'' ماما نے اُس سے پوچھا۔ انہوں نے کچن کا دروازہ کھول دیا۔

ریکسی خوشی سے بھونکتی ہوئی باہر نکلی۔ ماما واپس آئیں اور انہوں نے پانی میں، جو

اُبلنے لگا تھا، ایک انڈا ڈال دیا۔

کھانے کے بعد انہوں نے میز صاف کی اور دُھلنے والے برتن سنک میں رکھ دیے۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھیں۔ چند لمحے وہ سنک میں رکھے برتنوں کو گھورتی رہیں۔ ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ انہیں دھوتیں۔ ورنہ وہ کام ٹالنے کی عادی نہیں تھی۔

اچانک انہیں اپنا دل پوری شدت سے پسلیوں سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ اس کی دھمک ان کے پورے جسم میں پھیل گئی۔ انہیں ڈر لگنے لگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دل کا دورہ بغیر کسی تنبیہ کے بھی آدمی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ پارلر میں گئیں اور کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے گدی سے ٹیک لگائی۔ ان کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر آرام کر کے دیکھا جائے۔ انہوں نے سوچا۔

آہستہ آہستہ ان کی دھڑکن معمول پر آ گئی۔ سانس لینا آسان ہو گیا اور ان کا خوف بھی دور ہو گیا۔ ''کچھ بھی نہیں۔ بس میں تھک گئی تھی'' انہوں نے بلند آواز میں خود کلامی کی۔ خالی کمرے میں ان کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔ انہوں نے سوچا، گرم پانی سے نہائیں گی، تو جسم کا اضمحلال دور ہو جائے گا۔ بات کچھ بھی نہیں۔ بس وہ اعصابی تناؤ کا شکار ہو رہی ہیں۔

باتھ روم کے آئینے میں انہوں نے خود کو دیکھا۔ یہ بال دیکھتے ہی دیکھتے سفید ہو گئے ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے تو سر میں دیکھنے کو ایک سفید بھی نہیں تھا اور یہ چہرے پر جھریاں نظر آنے لگی ہیں۔ میری جلد کیسی نازک اور بے داغ تھی۔ انہیں ایسا لگا جیسے وہ خود کو نہیں، کسی اجنبی عورت کو دیکھ رہی ہیں۔

انہوں نے ٹب میں گرم پانی بھرا اور پھر سوچ میں ڈوب گئیں۔ پچھلے چند برسوں میں کیا سے کیا ہو گیا۔ زندگی کی لذتوں کی یاد تک دھندلا گئی تھی۔ وہ باتھ ٹب میں لیٹ گئیں۔ پانی کی حدت جسم میں اتری تو وہ خود کو ہلکا پھلکا اور تازہ دم محسوس کرنے لگیں۔ ماں نے جیسے اندر کا ہر خوف دھو ڈالا۔ وہ خود کو پرسکون اور محفوظ محسوس کرنے لگیں۔ ان پر غنودگی چھانے لگی۔ پلکیں بھاری ہو کر آنکھوں پر جھکتی گئیں۔

''میں اب بوڑھی ہو رہی ہوں'' وہ بڑبڑائیں ''اور بڑھاپے میں آدمی تھوڑا سا کھسک جاتا ہے۔''

انہوں نے ٹب کی دیوار سے ٹیک لگائی اور اونگھنے لگیں۔

مگر ان کا دل پھر بری طرح دھڑکا۔ انہوں نے بازوؤں کو حرکت دینے کی کوشش کی لیکن وہ بھاری اور بے جان ہو رہے تھے۔ مجھے اُٹھنا تو ہے کسی نہ کسی طرح، انہوں نے پریشان ہو کر سوچا۔

بہت کوشش کر کے انہوں نے سر اُٹھایا اور آنکھیں کھولیں۔ پھر انہوں نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ انہیں فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ اچانک وہ پوری طرح بیدار ہو گئیں۔ انہیں یاد آیا کہ کیسے وہ نہانے کے لیے اُوپر آئیں، کیسے انہیں اونگھ آئی اور...... پھر انہیں احساس ہوا کہ ٹب کا پانی ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ نیچے فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی۔ وہ جلدی سے نکلیں اور جسم پر تولیا لپیٹ کر نیچے آئیں۔

انہوں نے ریسیور اُٹھایا۔ پاپا کی آواز سنتے ہی انہیں احساس ہو گیا کہ کوئی بہت سنگین گڑبڑ ہے۔ شاید اس سے تو وہ ڈر رہی تھیں۔

''میری'' پاپا نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''فیصلہ بینک کے حق میں ہو گیا ہے۔ صبح وہ نوٹس سرو کریں گے۔''

ماما نے خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی ''تم نے انہیں سمجھانے، قائل کرنے کی کوشش کی؟''

''میں نے سب کچھ کر دیکھا۔ میں نے التجا کی، ہاتھ جوڑے کہ مجھے کچھ مہلت دی جائے لیکن انہوں نے کہا کہ اب یہ بالکل ممکن نہیں۔''

''اور تم نے اپنے بھائی ڈیوڈ سے بات کی؟''

''ہاں، کی تھی'' پاپا نے کہا۔ پھر وہ چند لمحے خاموش رہے ''اب کچھ نہیں ہو سکتا میری۔ تباہی ہمارا مقدر ہے۔''

''تو اب ہم کیا کریں گے ہیری'' ماما کے لہجے میں خوف تھا۔ انہوں نے تصور میں

پوری فیملی کو چیتھڑوں میں، سڑکوں پر دربہ در دیکھا۔ وہ اپنی ہسٹریائی کیفیت سے لڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"رات ڈیوڈ اپنی گاڑی لے کر آئے گا" پاپا نے کہا "ہم جس حد تک اسٹور خالی کر سکتے ہیں، کریں گے۔ وہ سامان ہم ڈیوڈ کے اسٹور میں چھپا دیں گے۔ بعد میں مناسب موقع پر نکال لیا جائے گا۔"

"لیکن اگر تم پکڑے گئے تو جیل جاؤ گے" ماما چلائیں۔

"اب یہ ہے تو یوں ہی سہی" پاپا نے بے پروائی سے کہا "ہمارا مکان بھی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ کچھ بھی نہیں بچا۔"

☆☆

یہ وہ رات تھی، جب میں کام سے گھر واپس آیا تو ماما کچن ٹیبل پر بیٹھی رو رہی تھیں۔ میسی کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی انہیں جھوٹے دلاسے دے رہی تھی۔

یہ وہ رات تھی، جب میں کھانا کھائے بغیر گھر سے نکلا اور پاپا کے اسٹور چلا گیا۔ وہاں میں نے سامان سے بھرے ہوئے کارٹن اسٹور سے نکال کر انکل ڈیوڈ کی گاڑی میں رکھوائے۔

یہ وہ رات تھی، جب میں دو بجے اندھیری سڑک پر کھڑا اپنے پاپا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مایوسی سے نڈھال، اپنے اسٹور کو دیکھ دیکھ کر روتے ہوئے، بار بار بڑبڑا رہے تھے۔
"میرے ۲۵ سال، آہ میرے ۲۵ سال۔"

یہ وہ رات تھی، جب میں نے پہلی بار ماما اور پاپا کو ایک دوسرے کی باہوں میں، لپٹ کر روتے دیکھا اور جانا کہ ان کے بھی جذبات اور احساسات ہیں، جنہیں وہ چھپا نہیں سکتے۔ پہلی بار میں نے ان کے چہروں پر کھلی مایوسی اور دل گرفتگی دیکھی تھی۔
میں خاموشی سے اپنے کمرے میں گیا اور بیڈ پر لیٹ کر باہر اندھیرے کو دیکھنے لگا۔ نیچے سے ماما اور پاپا کی دبی دبی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں کوشش کے باوجود سو نہیں سکا۔

یہاں تک کہ صبح کا اُجالا میرے کمرے میں در آیا۔ میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا..... کچھ بھی نہیں!
وہ پہلی رات تھی، جب میں نے پہلی بار تسلیم کیا کہ یہ میرا گھر نہیں ہے..... بلکہ یہ کسی اور کا گھر ہے۔ اس وقت تک میرے آنسو میرے اندر ہی خشک ہو چکے تھے۔

☆☆

تبدیلی لانے والا دن

یکم دسمبر ۱۹۳۲ء

غلط تھا..... سب غلط تھا۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ جیسے ہی میں پیدل اپنے گھر جانے کے بجائے چرچ ایونیو پر بی ایم ٹی سب وے میں داخل ہوا، مجھے اس لمحے اس کا احساس ہو گیا تھا۔ اس صبح جب میں اٹھا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے حلق میں کوئی گولا پھنسا ہوا ہے۔ میں نے گلے کو حرکت دی، مگر میری کیفیت نہیں بدلی۔ بلکہ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اور خراب ہو گئی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں سے درد کی لہریں نیچے اُتر کر میرے پورے جسم میں پھیل رہی ہیں۔ میں اسکول سے گھر واپس جا رہا تھا لیکن نہیں..... میں گھر واپس نہیں جا رہا تھا۔
اسٹیشن پر ایکسپریس کھڑی تھی۔ میں اس کی طرف لپکا۔ دروازے بند ہو رہے تھے کہ میں اندر گھسا۔ کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ میں سامنے والے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگا۔ یہ دروازہ صرف اٹلانٹک ایونیو کے اسٹیشن پر کھلتا تھا۔ تو میں یہاں قدرے الگ تھلگ، کمپارٹمنٹ کے ہنگامے سے دور کھڑا رہ سکتا تھا۔
ٹرین میں ٹھنڈ تھی۔ میں نے اپنی جیکٹ کا کالر کھڑا کر لیا۔ چند روز پہلے برف باری ہوئی تھی۔ مگر اب سڑکوں کی صفائی ہو چکی تھی۔ البتہ ٹرین کی پٹری پر کہیں کہیں برف موجود تھی۔
ٹرین سرنگ میں داخل ہوئی تو جیسے اس نے دن کو نگل لیا۔ میں نے گہری سانس

لی، اور اپنے اندر کی اذیت کو جھٹکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اذیت کا احساس اور بڑھ گیا۔

صبح میں نے بندھے ہوئے سامان کو اور اجنبی اور نامانوس لگنے والے خالی خالی کمروں کو، جو کبھی میرے اپنے تھے، بڑی حسرت سے دیکھا تھا۔ وہ سب دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ آج ہم وہ گھر چھوڑ رہے ہیں۔ میں نے اپنے کمرے پر پلٹ کر الوداعی نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ ریکسی میرے پیچھے پیچھے تھی۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ یہ بھی کہ میں کبھی بچہ تھا، جس نے یقین کرلیا کہ یہ گھر اسی کا ہے۔ اب تو میں بڑا ہو چکا ہوں۔ جانتا ہوں کہ وہ بھی اسی طرح کی ایک کہانی تھی، جیسی کہانیاں بچوں کو سنائی جاتی ہیں۔

ٹرین میں اچانک دن کی روشنی پھر در آئی۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا۔ ٹرین اب مین ہٹن برج پر سے گزر رہی تھی۔ اگلے اسٹاپ پر مجھے اُترنا تھا۔ وہاں سے مجھے براڈوے، بروک لین کی ٹرین پکڑنا تھی۔

ٹرین پھر سرنگ میں داخل ہوئی، اور ایک منٹ بعد دروازے کھلنے لگے۔

چند منٹ بعد میں دوسری ٹرین میں بیٹھ گیا۔ پونے چار بجے میں ایسیکس اور ڈیلانسی کے کارنر والی سڑک پر تھا۔

وہ ایک بالکل مختلف دنیا تھی۔ سڑکیں پرہجوم تھیں۔ فٹ پاتھ پر کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں۔ سڑکوں پر ٹھیلے والے بھی تھے۔ اخبار فروش اپنے اپنے اسٹینڈ پر کھڑے چٹ پٹی خبریں نشر کر کے راہگیروں کو اخبار خریدنے پر اکسا رہے تھے۔ خوانچہ فروش چوکنے تھے کہ پولیس والا آتا نظر آئے تو فوراً آگے بڑھ لیں۔ سردی ہو رہی تھی لیکن بہت لوگ ایسے تھے، جنہوں نے اوورکوٹ نہیں پہنے تھے۔ عورتوں نے کندھوں پر شالیں ڈالی ہوئی تھیں۔ مجھے تو وہاں ہر طرف غربت ہی غربت نظر آرہی تھی۔ بچوں کے علاوہ کسی کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں تھی، اور بچوں کی ہنسی بھی گھٹی گھٹی تھی۔

میں ڈیلانسی اسٹریٹ پر چل دیا۔ وہاں سستے اسٹورز تھے، جن پر 'سیل' کی تشہیر ہو

رہی تھی۔ آگے کچھ سینما ہاؤس تھے۔ میں کلنٹن اسٹریٹ پر بائیں جانب مڑا۔ میں سر جھکائے چل رہا تھا۔ دو بلاک آگے اسٹانٹن تھا۔ میں گردوپیش کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حلق کی تکلیف اب پیٹ کی اینٹھن میں تبدیل ہو چکی تھی۔

پھر اچانک میں نے سر اُٹھا کر دیکھا اور وہ مجھے نظر آئی۔ وہ گرے کلر کی پرانی عمارت تھی...... پانچ منزلہ۔ اس کی رنگ و روغن سے محروم کھڑکیاں چھوٹی اور تنگ تھیں۔ داخلی دروازے کے سامنے چبوترہ تھا۔ چبوترے کے ایک طرف ایک اسٹور تھا اور دوسری طرف درزی کی دکان۔ اس کی ایک کھڑکی اندھیری اور گردآلود تھی، اور دوسری بالکل خالی۔

ہچکچاتے ہوئے میں اندر داخل ہوا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ لینڈنگ پر پہنچ کر میں نے نیچے سڑک کو دیکھا تو یہ وہ جگہ ہے، جہاں اب ہم رہیں گے۔ ایک فلیٹ سے ایک عورت نکلی اور سیڑھیاں اُترنے لگی۔ اس کی سانسوں سے مجھے لہسن کی بو آئی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سڑک پار کی، وہاں وہ ایک ریڑھے کے پاس رکی اور بھاؤ تاؤ کرنے لگی۔ اس کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔

میں پلٹ کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اُوپر اندھیرا تھا۔ ایک دروازے پر کسی چیز سے مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ ایک پیپر بیگ تھا، جس میں کچرا بھرا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے وہیں چھوڑا اور زینے پر چڑھنے لگا۔

کچرے کا ویسا بیگ ہر لینڈنگ پر موجود تھا۔ وہ دروازے پر چھوڑ دیے جاتے تھے۔ صبح خاکروب انہیں اُٹھا کر لے جاتا تھا۔ ہر گھر کے ہال وے میں کھانوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

تین منزل اور اُوپر چڑھ کر مجھے جس دروازے پر سامان کے کارٹن رکھے نظر آئے میں نے سمجھ لیا کہ وہی ہمارا فلیٹ ہے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ ماما نے دروازہ کھولا۔ ہم چند لمحے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر میں اپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ میرے پاپا میز پر بیٹھے تھے۔ اندر کہیں سے میمی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں کچن میں کھڑا تھا۔ دیواروں پر عجیب ہی طرح کا سفید پینٹ تھا جو نیچے موجود گندے دھبوں کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ میز کے ساتھ چھوٹی کھڑکیوں پر ماما نے زرد پردے لٹکا دیے تھے، جو ایک زبردستی کی خوشگواریت کا تاثر اُجاگر کر رہے تھے۔

ماما پر تشویش نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں۔ اسی وقت دوسرے کمرے سے ریکسی نکل کر بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی۔ وہ دم ہلا رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کی کمر پر تھپکی دی۔

''اچھا ہے'' میں نے نظریں اُٹھائے بغیر کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ میں کن انکھیوں سے ماما اور پاپا کو دیکھ رہا تھا۔ ماما اور پاپا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ماما نے کہا'' یہ اتنا برا بھی نہیں ہے ڈینی اور ہمیں تھوڑا عرصہ ہی تو یہاں گزارنا ہے۔ تمہارے پاپا کے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک۔ آؤ، میں تمہیں باقی کمرے دکھاؤں۔''

میں ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہاں دیکھنے کو کچھ ایسا تھا بھی نہیں۔ چار کمروں کے چھوٹے اپارٹمنٹ میں ہو بھی کیا سکتا ہے۔ میرا کمرا پرانے والے میرے گھر کے کمرے کا آدھا بھی نہیں تھا۔ ماما پاپا کا کمرا بھی بہت چھوٹا تھا۔ میمی کو پارلر میں کاؤچ پر سونا تھا۔

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کمروں میں بھی وہی پینٹ تھا جو میں کچن میں دیکھ چکا تھا۔ ایسے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ کرایہ اس کا کم تھا اور یہی سب سے اہم بات تھی۔ ۲۸ ڈالر ماہانہ تمام بلوں سمیت۔

ہم کچن میں واپس آئے۔ ریکسی اس تمام عرصے میں میرے پیچھے لگی رہی تھی۔ پاپا نے اب تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ خاموشی سے سگریٹ پیتے رہے تھے۔ ان کی نظریں البتہ مجھ پر جمی تھیں۔

میں نے ریکسی کے کان میں گدگدی کرتے ہوئے ان سے پوچھا ''اس نے پریشان تو نہیں کیا؟''

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، ذرا بھی نہیں'' ان کا لہجہ رسمی تھا، اور آواز

اجنبی۔ وہ ان کی آواز لگ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ خود بھی تو پہلے جیسے نہیں لگ رہے تھے۔

''بہتر ہے، تم اسے باہر لے جاؤ ڈینی'' ماما نے کہا'' یہ پورے دن باہر نہیں نکلی ہے۔ شاید اسے حاجت ستا رہی ہوگی۔''

میں خوش ہوا کہ کچھ کرنے کو تو ملا۔ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ریکسی کو پکارا۔

''اسے زنجیر سے باندھ کر لے نکلو۔ اجنبی جگہ ہے کہیں یہ کھو نہ جائے۔'' پاپا اُٹھ کر میری طرف آئے۔ ان کے ہاتھ میں زنجیر تھی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں'' میں نے کہا۔ زنجیر کو ریکسی کے پٹے سے منسلک کر کے باہر نکل آیا۔

آدھی سیڑھیاں اُتری تھیں کہ مجھے جھٹکا لگا۔ ریکسی اُوپر ہی رک گئی تھی۔ میں نے اسے پکارا'' آؤ نا بے بی'' لیکن وہ نہیں ہلی۔ میں نے اسے چمکارا، پکارا۔ وہ پیٹ کے بل فرش سے چپک کر دم ہلانے لگی۔ وہ بہت نروس تھی۔

میں پلٹ کر اُوپر گیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا'' اب بالکل ننھی بچی نہ بنو۔ چلو میرے ساتھ''

بالآخر ہم نیچے اُترے۔ وہ ڈری ڈری میرے پیچھے آ رہی تھی۔ ہر لینڈنگ پر مجھے اس کو چمکارنا پڑ رہا تھا۔ چبوترے پر وہ رکی اور سڑک کا جائزہ لینے لگی۔ پھر اس نے گھبرا کر واپس بھاگنے کی کوشش کی لیکن زنجیر نے ایک جھٹکے سے اسے روک دیا اور وہ گر پڑی۔ میں اس کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اُس کی کمر کو سہلانے لگا۔ اس کے پورے جسم میں لرزش تھی۔ میں اسے گود میں اٹھا کر چبوترے تک لے آیا۔

باہر سڑک پر وہ اتنی خوفزدہ نہیں تھی لیکن جب ہم کلنٹن اسٹریٹ پر آگے بڑھے تو وہ سہم کر ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ ٹریفک کا شور اسے خوفزدہ اور نروس کر رہا تھا۔

اگلے بلاک پر ٹریفک قدرے کم تھا۔ اس لیے میں اس طرف چلنے لگا۔ ایک کینڈی اسٹور کے سامنے میں رک کر ٹریفک کی بتی کا رنگ بدلنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہمارے

قریب سے ایک بڑا ٹرک کھڑکھڑاتا ہوا گزرا تو ریکسی نے بھڑک کر خود کو چھڑانے کے لیے زور لگایا۔ مجھے اس کے سینے کی خرخر صاف سنائی دی اور حلق سے نکلنے والی گھٹی گھٹی آوازیں تو تھیں ہی واضح۔ اس کی دم دونوں ٹانگوں کے درمیان دبی تھی، جو اس کے حد درجہ خوف زدہ ہونے کی علامت تھی۔ اب وہ صحیح معنوں میں دہشت زدہ تھی۔ میں نے جھک کر اس کا سر سہلایا۔ اسی وقت عقب سے ایک سفاک ہنسی سنائی دی۔

میں نے مڑے بغیر سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ تقریباً میرے ہم عمر تین لڑکے کینڈی اسٹور کے سامنے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک ریکسی کی کیفیت پر ہنس رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھا تو ہنسنے والے لڑکے نے کہا ''کیا بات ہے پال، تمہاری کتیا ڈرپوک ہے۔''

یہ اس علاقے کا خاص لفظ تھا۔ پال، وہاں کی بولی کا حصہ ''تم سے زیادہ نہیں ہے پال'' میں نے جل کر کہا۔ میں اب بھی ریکسی کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرے دونوں لڑکے میرا جواب سن کر سناٹے میں آ گئے۔ وہ متوقع نظروں سے اپنے ساتھی کو دیکھنے لگے۔ اس نے ایک پل ان دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ بدمست سانڈ کی طرح لہراتا ہوا میری طرف بڑھا۔

میں اس سیٹ اپ کو خوب پہچانتا تھا۔ اب یہ اس کی عزت کا سوال تھا۔ میں آپ ہی آپ مسکرایا۔ وہ خود ہی اپنی شامت بلا رہا تھا۔ اسے تو حیران ہونے کا موقع بھی بہت تاخیر سے ملنا تھا۔ میں کچھ بہتر محسوس کرنے لگا۔ اس ممکنہ لڑائی کے تصور نے میرے پیٹ کی اینٹھن خاصی کم کر دی تھی۔ وہ میرے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا، لیکن ریکسی کو بہ دستور تھپتھپاتا رہا۔ ''تم نے کیا کہا پال؟'' اس نے دھیرے سے کہا۔

میں مسکرایا ''تم بہرے نہیں ہو پال۔ جو میں نے کہا، وہ تم نے صاف اور واضح سنا تھا'' میں نے اس کی آواز اور لہجے کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔ پھر میں اٹھ کر کھڑا ہونے لگا۔

میں نے اس کے پاؤں کو حرکت میں آتے دیکھا لیکن جواباً میں اتنی تیزی سے حرکت نہیں کر سکا۔ اس کا جوتا میرے منہ پر لگا اور میں پیچھے کی طرف اُلٹ کر گرا۔ ریکسی کی زنجیر میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نے خود کو سنبھالنے اور زنجیر کو دوبارہ پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں پیچھے کی طرف گر رہا تھا۔ زنجیر دور ہوتی گئی۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے سر کو جھٹکا۔ اسی لمحے مجھے چیخ سنائی دی۔

میں گھبرا کر تیزی سے اُٹھا۔ اپنی تکلیف اور وہ لڑائی، میں دونوں کو ہی بھول گیا۔ ریکسی بیچ سڑک پر ٹریفک کے دوران اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کبھی وہ آگے لپکتی، کبھی پیچھے آتی۔

''ریکسی'' میں نے چیخ کر اسے آواز دی۔

میری آواز سن کر وہ پلٹی اور میری طرف آنے لگی۔ پھر میں نے اس کی لرزہ خیز چیخ سنی اور اسے ایک ڈلیوری ٹرک کے پہیوں کی اوٹ میں غائب ہوتے دیکھا......

وہ ٹرک کارنر سے تیزی سے مڑا تھا۔ ڈرائیور سگنل کی روشنی سرخ ہونے سے پہلے ٹرک کو اس طرف موڑنا چاہتا تھا، اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہا تھا۔ ریکسی ایک بار پھر چیخی، مگر وہ بے حد کمزور آواز تھی۔ میں اس کی طرف بھاگا۔ وہ فٹ پاتھ کے قریب پڑی تھی۔ اس کا سینہ پھول پچک رہا تھا۔ اس کی خوبصورت، چمک دار براؤن کھال اس کے اپنے خون اور سڑک کی گرد میں لپٹی ہوئی تھی۔

میں گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا ''ریکسی'' میں نے اسے پکارا۔ میری آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ میں نے اسے گود میں اُٹھایا تو ایک ہلکی سی سسکی سنائی دی، جیسے کوئی آہ۔ اس کی آنکھوں میں اذیت تھی۔ اس نے زبان باہر نکالی اور بڑی نقاہت سے اُس نے میرے ہاتھ کو نرمی سے چاٹا۔ میرے ہاتھ پر اس کے خون کا دھبہ نقش ہو گیا۔

میں نے اسے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا، جھٹکے لے رہا تھا۔ پھر اس کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی، جیسے سانس رک رہی ہو اور کوئی سانس لینے کی کوشش کرے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اس کے نیچے ڈھیلے

ہو کر لٹک گئے۔ اس کی آنکھوں کی روشنی ایسے بجھ گئی جیسے ان میں موجود بلب فیوز ہو گئے ہوں۔

مجھے احساس بھی نہیں تھا کہ وہاں لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ ایک آدمی انہیں ہٹاتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا ''سوری بیٹے! میں تو اسے دیکھ بھی نہیں سکا۔ وہ بالکل اچانک آ گئی تھی۔''

میں ایک لمحہ اسے دیکھتا رہا لیکن مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے بس اس کے چہرے پر کھنڈی ہوئی زردی یاد ہے۔ پھر میں ریکسی کو گود میں لے کر اٹھا اور گھر کی طرف چل دیا۔ لوگوں نے خاموشی سے ادھر اُدھر ہٹ کر مجھے راستہ دیا۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں لیکن رونا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں چبوترے سے گزرا اور اس اجنبی زینے پر چڑھنے لگا۔ میں نے لات مار کر اپنا دروازہ کھولا۔

ماما کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ گھبرا کر اُٹھیں ''ڈینی! کیا ہوا ڈینی؟''

میں گنگ سا انہیں دیکھتا رہا۔ میں بولنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ پاپا اور ماما دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ ماما کی چیخ سن کر لپکے تھے۔ اب وہ سب خاموش کھڑے مجھے گھور رہے تھے۔

''یہ مر چکی ہے'' بالآخر میں نے کہا اور اپنی آواز خود مجھ سے بھی نہیں پہچانی گئی۔ ''اسے ٹرک نے روند ڈالا''

سامنے فرش پر گتے کا ایک خالی کارٹن رکھا تھا۔ میں جھکا اور میں نے بڑی نرمی سے ریکسی کو اس میں لٹا دیا۔ پھر آہستہ سے میں نے اس کے فلیپ بند کیے اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میمی کی آنکھوں میں آنسو تھے ''یہ..... یہ..... کک..... کیسے ہوا؟'' اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

مجھے اس کے آنسوؤں پر حسد ہونے لگا۔ کاش..... میں بھی رو سکتا۔ شاید آنسوؤں سے مجھے سہارا ملتا۔ میرے حلق میں کڑواہٹ سی بھر گئی۔ ''بس یہ ہو گیا'' میں نے سپاٹ

لہجے میں کہا ''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کیسے ہوا؟''

میں نے سنک میں اپنے خون آلود ہاتھ رگڑ رگڑ کر دھوئے، انہیں تولیے سے خشک کیا۔ پھر میں نے کارٹن اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا، جواب بھی کھلا ہوا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' پاپا کی آواز نے مجھے روک دیا۔

''اس کو دفن کرنے'' میں نے کہا ''اب میں اسے یہاں تو نہیں رکھ سکتا۔''

انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے میری آنکھوں میں دیکھا ''مجھے افسوس ہے ڈینی'' ان کا لہجہ ہمدردی سے چھلک رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں میرے دکھ کی تفہیم تھی لیکن مجھے اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ اب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

میں نے کندھے پر رکھا ان کا ہاتھ جھٹک دیا ''آپ کو افسوس ہونا بھی چاہیے'' میں نے تلخ لہجے میں کہا ''یہ سب کچھ آپ ہی کی وجہ سے تو ہوا ہے۔ نہ ہم اپنا گھر کھوتے، نہ یہاں آتے اور نہ یہ سب ہوتا۔ آپ نے میرا گھر ہار دیا''

ان کی آنکھوں میں ایک درد سا لہرایا، ایک اذیت سی کپکپائی، اور ان کا ہاتھ بے جان سا ہو کر ان کے پہلو سے جا لگا۔

برج کے نیچے پلازا پر میں ٹرالی پر سوار ہوا، اور کارٹن اپنی گود میں رکھے بیٹھا رہا۔ سفر طویل تھا۔ ٹرالی فلیٹ بش کے علاقے میں پہنچی۔ میں کلیرنڈن روڈ پر ٹرالی سے اُترا۔ اب کارٹن مجھے بھاری لگ رہا تھا۔ میں جانی پہچان سڑکوں سے گزر رہا تھا۔ میں تصور میں اسے اپنے پیچھے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ خوشی سے دُم ہلاتے ہوئے۔ مجھے اس کا وہ خاص انداز یاد آ رہا تھا، جب وہ مجھے دیکھ کر بھونکتی تھی۔ وہ آواز میری سماعت میں گونج رہی تھی۔ میں اس کی سرخی مائل براؤن کھال کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ مجھے اس کی خوشی یاد آ رہی تھی، جب میں اس کا سر اور کمر سہلاتا یا کان کے پیچھے گدگدی کرتا۔ مجھے اس کی زبان کا لمس اپنے ہاتھ پر، اپنے کان پر محسوس ہو رہا تھا، جب میں جھک کر اسے پیار کرتا تو وہ مجھے چاٹتی تھی۔

میں گھر پہنچا تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ میں گلی میں کھڑا ہو کر گھر کو دیکھتا رہا۔ اس کی بڑی

بڑی کھڑکیاں جیسے منہ کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ابھی صبح ہی تو ہم یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ مگر اتنی سی دیر میں وہ متروک اور ویران لگنے لگا تھا۔

میں نے گلی کے دونوں طرف دیکھا کہ کسی نے مجھے دیکھتا تو نہیں ہے لیکن گلی سنسان تھی۔ مسٹر کونان کے گھر میں چند کمروں میں روشنی تھی۔ چنانچہ میں دبے قدموں ڈرائیو وے میں داخل ہوا۔ میں عقبی صحن میں گیا، اور میں نے کارٹن وہاں رکھ دیا۔ ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا۔ یہیں وہ آئی تھی، یہیں وہ خوش رہی تھی، اور یہیں اسے ابدی نیند سونا چاہیے۔ پتا نہیں، وہ کہاں سے آئی تھی، اس گڑھے میں گری تھی اور پھر میرے ساتھ اس گھر میں آئی تھی۔ میں نہیں رہ سکتا تو کیا، وہ تو ہمیشہ یہاں رہ سکے گی۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قبر کھودنے کے لیے پھاوڑا تو چاہیے۔ ممکن ہے، بیسمنٹ میں اب بھی پھاوڑا موجود ہو۔ اس کی مدد سے ہم نیچے جمع ہونے والی آتش دان کی راکھ سمیٹا کرتے تھے۔

یہ سوچ کر میں اندر جانے کے لیے چلا لیکن پھر میں رک گیا۔ ریکسی کو اکیلے رہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں اسے یہاں اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ چابی اب بھی میری جیب میں تھی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ پھر میں کارٹن لے کر اندر گیا اور اسے کچن کی سیڑھیوں پر رکھ دیا۔ اندر اندھیرا تھا لیکن مجھے روشنی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں اس گھر کے چپے چپے سے واقف تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے کہیں بھی جا سکتا تھا۔

میں بیسمنٹ میں چلا گیا۔ پھاوڑا وہاں موجود تھا۔ میں اسے لے کر اُوپر آیا۔ پہلے میں نے سوچا کہ ریکسی کو بھی ساتھ لے لوں لیکن پھر میں نے خیال بدل دیا اور اسے وہیں کچن کی سیڑھیوں پر چھوڑ دیا۔ پھاوڑے سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی۔

میں نے کوشش کی تھی کہ آواز نہ ہو۔ رات کی سرد ہوا میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھی لیکن مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔ قبر تیار کرنے کے بعد میں گیا اور کارٹن اُٹھا لایا۔ پھر میں نے بڑی آہستگی اور نزاکت سے اسے قبر میں اُتار دیا۔

قبر کو مٹی سے ڈھانپتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ

کتوں کے لیے دعا کی جاتی ہے یا نہیں لیکن میں نے بہر حال ہاتھ اُٹھا کر اس کے لیے دعا کی۔ خدایا! میری ریکسی کو اچھی جگہ پر رکھنا۔ پھر میں نے اس کے لیے ہر وہ دعا پڑھ ڈالی، جو مجھے یاد تھی۔

قبر کو بھر کر پیروں سے میں نے اسے ہموار کر دیا۔ چاند نکل آیا تھا اور عقبی صحن میں ڈراؤنے ہیولے متحرک نظر آ رہے تھے۔ میں نے سوچا یہ موسم سرما ہے۔ ریکسی کو بھی یہ موسم اچھا لگتا تھا۔ اس موسم میں وہ خوب دوڑتی تھی، اُچھل کود کرتی تھی۔ میری دعا تھی کہ اب وہ جہاں بھی جائے، وہاں اس کے لیے ہمیشہ موسم سرما رہے۔

میں جانے کتنی دیر وہاں پھاوڑا ہاتھ میں لیے کھڑا رہا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ بہت دیر سے سردی میرے جسم میں سرایت کرتی رہی ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ میں پھر گھر کے اندر چلا گیا۔ میرے قدم خود کار انداز میں اُٹھ رہے تھے۔ یہ تو مجھے وہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ سوچے سمجھے بغیر میں اپنے کمرے میں آ گیا ہوں۔ پھاوڑا اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اسے دیوار سے ٹکا کر کھڑا کر دیا۔ پھر میں وہاں گیا، جہاں صبح تک میرا بیڈ موجود تھا۔ کھڑکی سے چاندنی اندر آ رہی تھی۔ فرش پر جہاں ریکسی میرے بیڈ کے نیچے سویا کرتی تھی، وہاں نشان موجود تھا۔ میں وہاں فرش پر لیٹ کر روتا رہا۔ میرے آنسوؤں کا نمک میرے منہ میں ذائقہ بن کر اندر کے گہرے دکھ سے گھل مل گیا۔

پھر آنسو بھی ختم ہو گئے اور رونے کی طاقت بھی۔ تب میں اُٹھا اور پلٹ کر دیکھے بغیر کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد میں اپنے مکان سے باہر آ گیا جو اَب میرا نہیں رہا تھا لیکن میری ریکسی کا تھا۔

میں ڈرائیو وے سے نکلا تو فریڈ کونان اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے مجھے حیرت سے دیکھا ''ارے ڈینی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے کہا ''کوئی چیز یہاں رہ گئی تھی تمہاری؟''

میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا ''نہیں۔

یہاں کی کوئی چیز میرے ساتھ چلی گئی تھی۔ میں وہ واپس کرنے آیا تھا۔''

وہ اپنے دروازے پر کھڑا مجھے جاتے دیکھتا رہا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ یہاں میرا کیا رہ گیا ہے...... اور وہ ایسا ہے کہ میں اسے واپس بھی نہیں لے جا سکتا۔ کلنٹن اور ڈیلانسی اسٹریٹ کے کارنر پر جیولری شاپ کی ونڈو میں موجود کلاک بتا رہا تھا کہ نو بج چکے ہیں۔ میں اپنے بلاک کی طرف مڑا۔ میں جیسے نیند میں چل رہا تھا۔ لوگوں کی دھکم پیل اور شور و غل سے بے خبر۔ میرا جسم ٹوٹ رہا تھا اور اس لڑکے کی ٹھوکر جہاں لگی تھی، وہاں میرا چہرہ سوجا ہوا تھا اور دکھ بھی رہا تھا۔

میں سیڑھیوں پر تھا کہ اچانک جیسے میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ اب ٹریفک کا شور، لوگوں کی آوازیں مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میں کہاں ہوں۔ کینڈی اسٹور کی روشنی جیسے اشارے کر کے مجھے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اسٹور کے سامنے اب بھی کئی لڑکے کھڑے تھے۔

میں سیڑھیوں سے اُترا اور کارنر کی طرف بڑھا۔ اسٹور کے سامنے پہنچ کر میں رکا اور میں نے وہاں کھڑے لڑکوں کو دیکھا۔ وہ ان میں موجود نہیں تھا۔ چند منٹ انہیں دیکھنے کے بعد میں مڑ ہی رہا تھا کہ میری نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ کاؤنٹر پر بیٹھا آئس کریم سوڈا پی رہا تھا۔

میں آہستگی سے اندر گیا۔ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی، اس لیے وہ مجھے دیکھ نہیں سکا۔ میں نے نرمی سے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر شناسائی کا تاثر اُبھرا۔

''باہر آؤ'' میں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس نے مجھے، اور پھر اسٹور میں موجود دوسرے لڑکوں کو دیکھا۔ میں نے اسے سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ اس بار میں نے اس کے کندھے کو سختی سے جھنجھوڑا۔ ''میں نے کہا، باہر چلو'' میرا لہجہ بھی سخت تھا۔

اس نے اپنا ڈرنک آگے کی طرف دھکیلا اور اُٹھ کھڑا ہوا'' یہ میرے لیے بچا کر

رکھو موشے'' اس نے کاؤنٹر مین سے کہا'' میں ابھی ایک منٹ میں آتا ہوں۔ پھر یہ پیوں گا سکون سے۔''

میں نے اس کا گلاس اُٹھایا اور کاؤنٹر کے عقب میں لگے سنک میں اُلٹ دیا'' اسے بھول جاؤ موشے۔ اب یہ اسے نہیں پی سکے گا'' پھر میں پلٹا اور باہر نکل آیا۔ قدموں کی چاپ بتا رہی تھی کہ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔

فٹ پاتھ پر میں رُکا اور پلٹ کر اسے دیکھا'' اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاؤ''

اس نے ایک پل مجھے دیکھا اور پھر میری طرف بڑھا۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ ''اوہ...... تو تم کوئی توپ چیز ہو؟'' اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

دن بھر جو کچھ میرے اندر پکتا رہا تھا، ایک دم جیسے پھٹ پڑا'' ابھی دیکھو......'' اسے جواب دیتے دیتے مجھے اچانک یاد آیا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اس کا گھٹنا میری ناف کے نیچے پتھر کی طرح لگا اور گھونسے میرے چہرے سے ٹکرائے۔ میں آگے کی طرف گرا...... اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل۔ اس کی ٹھوکر میرے چہرے کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ میں نے لڑھک کر خود کو بچانے کی کوشش کی۔ اس کے جوتے کی نوک میرے کان کے پیچھے لگی اور میں ڈھیر ہو گیا۔ اب ٹریفک کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے سر میں عجیب سی گھمیریاں ناچ رہی تھیں۔ میں نے سر جھٹکا اور گھٹنوں کے بل اُٹھا۔ وہ تمسخرانہ انداز میں ہنس رہا تھا'' ہونہہ...... تو تم کوئی توپ چیز ہو!''

میں نے قریب موجود ہائیڈرینٹ کا سہارا لیا اور اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ میں نے پھر سر جھٹکا۔ دماغ پر چھائی ہوئی دھند تیزی سے چھٹ رہی تھی۔ اپنے منہ سے نکلتا ہوا خون مجھے نظر آ رہا تھا۔

وہ اب بھی ہنس رہا تھا، مجھ پر طنز کر رہا تھا۔ ''تو اب بھی تمہارا یہی خیال ہے کہ تم کوئی توپ چیز ہو۔''

میں ہائیڈ رینٹ کو تھامے محتاط نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جو لاف وگزاف کر رہا تھا در حقیقت وہ مجھ پر اس کا احسان تھا۔ وہ جتنی بک بک کرتا، میرے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ مجھے مہلت ہی تو درکار تھی۔ میری ٹانگوں میں اب جان واپس آ رہی تھی۔

وہ دانستہ، بہت آہستہ آہستہ اتراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ وہ ہر ہر پل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ خود اعتمادی سے چھلک رہا تھا۔ میں وقت گزاری کے لیے ہائیڈ رینٹ کے گرد گھوما۔ مجھے اب بس چند سیکنڈ اور درکار تھے۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ سام نے مجھے اپنی توانائی اور مضبوطی کو ماپنا بھی سکھایا تھا اور اسے محفوظ رکھنا بھی۔

مجھے ہائیڈ رینٹ کے اس طرف جاتا دیکھ کر وہ ٹھہر گیا اور زہریلے لہجے میں بولا ''تو ڈرپوک بھی ہو...... اپنے کتے کی طرح؟''

میں نے ہائیڈ رینٹ کو چھوڑ دیا۔ اب میں بالکل ٹھیک تھا۔ میں آگے بڑھا۔ وہ دونوں ہاتھ جھلاتے ہوئے مجھ پر جھپٹا اور اس کا داہنا ہاتھ آگے تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس کی دوسری غلطی ہے، اور ممکنہ طور پر آخری بھی۔ پہلی غلطی اس نے مجھے سنبھلنے کی مہلت دے کر کی تھی۔

میرے لیفٹ نے اس کے رائٹ کو ایک طرف ہٹایا اور ساتھ ہی میں نے رائٹ اس کی ناف کے عین نیچے جمایا۔ وہ آگے کی طرف جھکا، اس کے دونوں ہاتھ نیچے ہوئے اور میں نے لیفٹ سے اس کے جبڑے پر اپر کٹ رسید کر دیا۔ وہ تقریباً نیم دائرے میں گھوما اور چکرا کر گرنے لگا۔ اس کے فٹ پاتھ پر گرنے سے پہلے میں بجلی کی سی تیزی سے اس کے چہرے اور جبڑے پر آٹھ پنچ رسید کر چکا تھا۔ اب وہ میرے قدموں میں بکھرا ہوا تھا۔ میں اس پر جھکا۔ یقیناً وہ کسی بھینسے کی طرح طاقتور ہوگا، کیونکہ اتنی مار کھانے کے بعد بھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے سر پر لات رسید کی، اور وہ ڈھیر ہو گیا۔

چند لمحے میں اسے دیکھتا رہا، پھر میں پلٹ کر چل دیا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہاں کافی تعداد میں لوگ یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ میں نے کوئی آہٹ، کوئی چاپ نہیں سنی لیکن کسی ان جانی حس نے مجھے اپنے عقب میں تحرک کا احساس دلا دیا تھا۔ میں بہت

تیزی سے گھوما۔ اس کے جھپٹتے ہوئے ہاتھ میں کوئی چمک دار چیز تھی۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ مجھے اپنی آستین کی طرف سے چرچراہٹ سنائی دی۔ وہ چاقو تھا۔ وہ اپنے وار کی جھونک میں آگے نکلا اور میں نے پوری قوت سے اس کی گدی پر دوہتڑ رسید کر دیا۔

لوگ تیزی سے اِدھر اُدھر چھٹ گئے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا عمارت کی دیوار سے ٹکرایا۔ میں تیزی سے اس پر جھپٹا۔ اسے پلٹنے کا موقع دینا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ گرفت میں لے کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ اذیت سے چلایا۔ میں نے اس کا ہاتھ آگے لے جا کر دوسرا جھٹکا دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ میں نے اسے لات مار کر دور کیا اور دوبارہ اس کی طرف مڑا۔ خوف اور اذیت نے اس کے چہرے کو مسخ کر دیا تھا۔ میرے اندر اب وحشت اُمنڈ رہی تھی۔ وہ میری زندگی میں پہلا موقع تھا کہ لڑنے سے مجھے خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ میرے پہلے پنچ نے اُس کی ناک پچکا دی۔ وہ کٹتے ہوئے جانور کی طرح چلایا۔

میں وحشیانہ انداز میں ہنسا اور اس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ اس نے سانس لینے کے لیے منہ کھولا تو وہ خلا صاف نظر آ رہا تھا، جہاں کبھی اس کے دانت رہے ہوں گے۔ میں خوش تھا، بہت خوش تھا۔ اتنا خوش میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا اور میری آنکھوں کے سامنے سرخ دھند کی چادر سی چھا گئی تھی۔ میں ہنستا، اسے مارتا اور پھر خوشی سے چلاتا۔

پھر کچھ ہاتھوں نے مجھے گرفت میں لے لیا۔ میں خود کو ان سے چھڑانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر میرے سر پر کچھ لگا اور اچانک مجھے کمزوری کا احساس ہونے لگا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ منہ کے بل میرے پیروں پر گرا۔ میرے ہاتھ پکڑ لیے گئے۔ میں نے سر گھما کر پکڑنے والوں کو دیکھا۔ وہ باوردی پولیس والے تھے۔ وہ مجھے ولیمز برگ برج کے پولیس اسٹیشن لے گئے اور حوالات میں بند کر دیا۔ وہاں ایک ڈاکٹر آیا۔ میرے بازو پر چاقو سے جو خراش آئی تھی، اس نے اس کی ڈریسنگ کر دی۔

میں وہاں تقریباً چار گھنٹے بیٹھا رہا۔ میں تھک گیا تھا لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوائے سوچنے کے میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میں جیسے سات سال پیچھے اس گڑھے میں پہنچ گیا تھا جہاں سرخی مائل بھورے رنگ کا ایک پلا میرے پیچھے گڑھے کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔

پھر کوٹھری کا دروازہ کھلا ''تمہارے والد تمہیں لینے آئے ہیں بیٹے'' اس نے نرم اور مہربان لہجے میں کہا۔

میں اُٹھا اور باہر نکلا۔ اس کے پیچھے چلتا میں راہداری سے گزرا، سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر پہنچا۔ پولیس مین نے ایک دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں پاپا ایک شخص کے ساتھ بیٹھے تھے۔

پاپا مجھے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ''میں تمہیں گھر لے جانے کے لیے آیا ہوں ڈینی''

میں نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ گھر؟ وہ اپارٹمنٹ! وہ کبھی میرا گھر نہیں بن سکتا۔

پاپا کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص بھی اُٹھا، اور اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم خوش قسمت ہو لڑکے۔ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ جس لڑکے کو تم نے مارا ہے، وہ کئی ہفتے اسپتال میں پڑا رہے گا۔ وہ کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے۔ ایک طرح سے تم نے ہم پر مہربانی کی ہے۔ اب تم جاؤ۔ لیکن آئندہ ہمیں زحمت نہ دینا''

میں اسے کوئی جواب دیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔ پاپا اُس شخص کا شکریہ ادا کررہے تھے۔ میں پولیس اسٹیشن سے نکل کر باہر سڑک پر آیا۔ پاپا تیز قدموں سے چلتے میرے برابر آ گئے۔

''تمہاری ماما اور میں بہت ڈر گئے تھے ڈینی'' ان کی آواز میں بھاری پن تھا۔ ان کا سرخ چہرہ اس وقت زرد لگ رہا تھا۔

مجھے لگا کہ یہ الفاظ میں پہلے ہی کہیں، کسی اور موقع پر سن چکا ہوں۔ میں نے جواب

نہیں دیا۔

ہم نے سڑک پار کی تو انہوں نے پھر کوشش کی ''تم نے ایسا کیوں کیا ڈینی؟'' ان کے چہرے پر تشویش تھی، جیسے کوئی تبدیلی...... ناخوشگوار تبدیلی رونما ہوئی ہے جسے وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ ''تم تو ایسے نہیں تھے میرے بیٹے''

میں ایسا نہیں تھا، لیکن اب صورتِ حال مختلف تھی۔ میں ایک اور ہی دنیا میں آ گیا تھا، اور اب میں ایک مختلف ڈینی فشر تھا۔ یہ بات پوری طرح تو میں بھی نہیں سمجھ سکا، انہیں کیسے سمجھاتا۔ میں نے اب بھی کوئی جواب دیا۔

انہوں نے پھر کچھ کہنا چاہا، لیکن خاموش رہ گئے۔ دو بلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم اپنی سڑک پر مڑے۔ وہاں ایک ہچکچاتے ہوئے لمحے میں ہماری نظریں ملیں اور اگلے ہی لمحے دونوں نے نظریں چرالیں۔

سڑک سنسان تھی۔ جا بہ جا کچرے کے تھیلے اور گندگی بکھری ہوئی تھی۔ فٹ پاتھ پر ہمارے قدموں کی دھمک کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ پھر برف گرنے لگی۔ میں نے اپنی جیکٹ کا کالر اُوپر چڑھا لیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پاپا میرے ساتھ چل رہے تھے۔ تب پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اب ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔

ہم خاموشی سے گھر کی طرف بڑھتے رہے۔

☆☆

دن زندگی کے

کتاب دوم

ہم باہر سڑک پر آئے تو پاپا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر گھڑی کو دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے انہوں نے مجھے عجیب سے انداز میں دیکھا ''پونے تین بجے ہیں'' وہ منمنائے ''مجھے تیزی دکھانی ہوگی۔ ورنہ میں لیٹ ہو جاؤں گا۔''

میں نے انہیں دیکھا لیکن میرے انداز میں بیزاری تھی۔ یہاں رہتے ہمیں صرف پانچ ماہ ہوئے تھے، لیکن یہاں کے پہلے ہی دن سے ہمارے درمیان جو خلیج پیدا ہوئی تھی، اب وہ برسوں پر محیط لگتی تھی۔ اس پہلے دن سے لے کر آج تک اچھا کچھ بھی نہیں ہوا تھا، سب کچھ غلط ہی ہوتا رہا تھا۔ اب پاپا کو ڈیلانسی اسٹریٹ کے ایک ڈرگ اسٹور میں جاب مل گئی تھی۔ تنخواہ ۲۳ ڈالر فی ہفتہ۔

''اس طرف جا رہے ہو تم؟'' پاپا نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ پاپا بہت تیز چل رہے تھے۔ میں نے بھی قدم تیز کر دیے۔

ان گزرے ہوئے پانچ مہینوں کی یاد ہم دونوں ہی کے ذہنوں میں تازہ تھی۔ میں اسکول سے واپس آتا تو وہ مجھے اس سڑے ہوئے اپارٹمنٹ کے کچن میں بیٹھے ملتے۔ وہ دیوار پر کسی غیر مرئی شے کو گھور رہے ہوتے تھے۔ ان کے چہرے پر بے بسی اور مایوسی کا تاثر منجمد ہوتا تھا۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ مجھے ان پر ترس آئے، ان سے ہمدردی ہو لیکن میری کوشش ناکام رہتی۔ میں یہ سوچتا کہ سب انہی کا تو کیا دھرا ہے۔ اگر پاپا عقلمند

ہوتے، اگر انہوں نے سمجھ بوجھ سے کام لیا ہوتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

لیکن مجھے ان کے چہرے کے اس رات کے تاثرات نہیں بھولتے، جب وہ گھر آئے اور انہوں نے ہمیں اس جاب کے بارے میں بتایا۔ یہ ابھی چند روز پہلے ہی کی بات تھی۔ ۲۵ سال کا تجربہ رکھنے والے رجسٹرڈ فارماسسٹ کے لیے ۲۳ ڈالر فی ہفتہ کی جاب! یہ تو ظلم تھا۔ یہ تنخواہ تو گزارے کے لائق بھی نہیں تھی۔ دیکھا جائے تو وہ ان کی توہین تھی لیکن وہ توہین کو خاموشی سے پینا سیکھ چکے تھے۔

ڈیلانسی پہنچ کر ہم کارنر پر مڑے۔ وہاں وہ اسٹور تھا جہاں پاپا کام کرتے تھے۔ وہ رکے، انہوں نے مجھے دیکھا۔ ان کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ میں سمجھ گیا، وہ مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے کہ میں کہاں کے لیے نکلا ہوں، کہاں وقت گزاروں گا، اور کتنا وقت گزاروں گا؟ لیکن ان کی خودداری، ان کی انا انہیں روک رہی تھی اور میں از خود انہیں کچھ بتانے والا نہیں تھا۔

''ماما سے کہنا کہ میں ڈھائی بجے تک واپس آؤں گا'' بالآخر انہوں نے کہا کہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

اُن کا منہ کھلا جیسے وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہوں، لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے ارادہ بدل دیا۔ انہوں نے دھیرے سے سر جھٹکا، کندھے چوڑے کیے اور اسٹور میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ٹھیک تین بجے تھے۔

مجھے ابھی کچھ دیر وقت گزاری کرنا تھی۔ میں اسٹور کی کھڑکی سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ اندر سے جو آواز سنائی دی اس نے مجھے اسٹور میں دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''تم آ گئے فشر!'' وہ بڑی پاٹ دار آواز تھی ''شکر ہے، میری جان تو چھوٹی۔ باس کا پارہ چڑھا ہوا ہے۔ پورے دن مجھے نچاتا رہا ہے وہ'' پاپا نے خاموشی سے اس سے جیکٹ لی اور دیوار کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ان کے چہرے پر طمانیت سی پھیل گئی۔

چھوٹے قد کا موٹا سا شخص اسٹور کے عقبی کمرے سے نکلا۔ اس کی آنکھوں پر

موٹے شیشوں کا چشمہ تھا۔ اس نے اسٹور کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ ''آ گئے تم؟'' اس نے پاپا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز باریک اور کانوں میں خراش ڈالنے والی تھی ''اب جلدی کرو۔ کئی نسخے تمہارے منتظر ہیں۔ کام شروع کرو فوراً''

پاپا کی آواز میں ایسا خوف اور ایسی عاجزی تھی، جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی ''جی بہتر مسٹر گولڈ'' انہوں نے کہا اور اسٹور کے عقب کی طرف لپکے۔ ''میں آپ کو انتظار نہیں کرانا چاہتا تھا مسٹر گولڈ''

موٹے نے انہیں بڑی حقارت سے گھورا ''تو کچھ جلدی آ جاتے۔ جلدی آنے میں کوئی تکلیف ہو جاتی تمہیں؟''

''آئی ایم سوری مسٹر گولڈ''

''اچھا اب احمقوں کی طرح کھڑے ہو کر معذرت ہی نہ کرتے رہو۔ کچھ کام بھی کرو'' موٹے نے پاپا کی طرف چند کاغذ بڑھائے، پھر پلٹ کر اندر چلا گیا۔

پاپا چند لمحے بے تاثر چہرے کے ساتھ اس جگہ کو گھورتے رہے جہاں چند لمحے پہلے موٹا کھڑا تھا۔ پھر انہوں نے ہاتھوں میں موجود نسخوں کا جائزہ لیا اور کاؤنٹر کی طرف چلے گئے۔ اپنی جیکٹ اور ہیٹ انہوں نے ایک کرسی پر ڈالا، اسٹور کی جیکٹ پہنی اور کام میں لگ گئے۔

انہوں نے ہاتھ پھیر کر نسخوں کی شکنوں کو دور کیا، پھر اُوپر والے نسخے کو غور سے پڑھا۔ شیلف سے پیمانہ اُٹھا کر انہوں نے دوا کی بوتل لی، اور اس سے پیمانے میں دوا انڈیلی لیکن ان کے ہاتھ کی لرزش مجھے صاف دکھائی دی۔

اچانک انہوں نے سر اُٹھایا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ ان کے چہرے پر شرمندگی کا تاثر اُبھرا۔ شرمندگی ان کی نگاہوں میں بھی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں میں خالی پن اُجاگر کرنے کی کوشش کی، جیسے میں درحقیقت کسی سوچ میں ہوں اور میں نے دیکھا کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر میں پلٹا اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆

میں پہنچا تو میرا گینگ منتظر تھا۔ ہم لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتے تھے، اس لیے کارنر سے ہٹ گئے۔

میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ تمہید باندھے بغیر میں نے کہا ''تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے'' میں بہت دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا ''ہمیں دو دو کر کے اندر جانا ہے...... غیر محسوس انداز میں۔ جب سب اندر پہنچ جائیں اور میں اشارہ کروں تو سولی اور اسپٹ اسٹور کے عقبی حصے میں جھگڑا شروع کر دیں۔ سب ان کی طرف متوجہ ہوں تو تم سب کو کام دکھانا ہو گا اور ان باتوں کا خیال رکھنا۔ فضول چیز پر ہاتھ مت ڈالنا۔ وہ کچھ اُٹھانا جو ہم بعد میں بیچ بھی سکیں اور اپنا کام دکھاتے جاؤ اور نکلتے جاؤ۔ بلاضرورت وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ دکھاتے ہی نکلو اور بجلی کی سی تیزی سے نکلو۔ یہ سب کو معلوم ہے نا کہ بعد میں ہمیں کہاں ملنا ہے۔ ایک گھنٹے تک اِدھر اُدھر وقت گزاری کرنا''

میں نے توقف کیا اور انہیں غور سے دیکھا۔ ان سب کے چہروں پر سنگین گمبھیرتا تھی۔

''سمجھ گئے نا؟''

کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔

میں مسکرایا ''تو ٹھیک ہے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ مجھ پر نظر رکھنا، اور جب تک میرا اشارہ نہ ہو، کچھ نہ کرنا۔''

وہ سب منتظر ہو گئے۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا کارنر کی طرف بڑھا اور فائیو اینڈ ڈائم میں داخل ہوا۔ وہاں گاہکوں کا ہجوم تھا۔ یہ پہلو خوش آئند تھا۔ اس سے ہمارا کام آسان ہو جاتا۔

میں لوگوں کے درمیان سے گزرتا کاؤنٹر کے آخری سرے پر سوڈا فاؤنٹین کی طرف بڑھا۔ وہاں میں ایک سیٹ پر بیٹھ گیا اور سرو کرنے والی لڑکی کا انتظار کرنے لگا۔ کاؤنٹر کے عقب میں لگے آئینے میں مجھے سولی اور اسپٹ، اسٹور میں داخل ہوتے نظر آئے۔ کاؤنٹر گرل میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ''کیا لو گے تم؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہارے پاس کیا کیا ہے؟'' میں نے وقت گزاری کے لیے جوابی سوال کیا۔

کیونکہ ابھی معاملہ تیار نہیں تھا" "کیوں بے بی؟"

اس نے تھکی تھکی نظروں سے مجھے دیکھا اور اپنے ماتھے پر آئے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے سمیٹا "سب کچھ تو لکھا ہوا ہے بورڈ پر" اُس نے بے زاری سے کہا "وہ خود ہی پڑھ لو"

میں نے کاؤنٹر کے عقب میں آئینے کے برابر لگی سائن پر پڑھنے کی اداکاری کی "ایک ڈبل چاکلیٹ آئس کریم سوڈا، دی ڈائم اسپیشل" میں نے اسے آرڈر دیا۔

وہ گئی اور میرا آرڈر تیار کرنے لگی۔ اس کا انداز ماہرانہ تھا۔ پہلے شربت، پھر آئس کریم کے دو چمچے، تاکہ گاہک کو پتا نہ چلے کہ آدھا گلاس خالی ہے، اور پھر کاربونیٹڈ پانی!

میں نے سر گھما کر اسٹور کا جائزہ لیا۔ سب لڑکے پہنچ چکے تھے، اور اپنی اپنی جگہ تیار تھے۔

اب میں اپنے آرڈر کا منتظر تھا اور چاہتا تھا کہ لڑکی جلد از جلد میرا آرڈر سرو کر دے۔ جب میں نے اسکیم بنائی تھی تو وہ بہت شاندار لگی تھی لیکن اب میں نروس ہو رہا تھا۔

لڑکی آئی اور اس نے سوڈے کا گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اس کی طرف سکہ بڑھایا۔ اُس نے مشین میں انٹری کی۔ لڑکے میری طرف متوقع نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے پینے کی نلکی سے گلاس کے مشروب کو ہلایا۔ پھر نلکی منہ میں لگا کر ایک گھونٹ لیا۔ میرے منہ میں مٹھاس سی گھل گئی۔ اسی لمحے اسٹور کے عقبی حصے میں جھگڑا شروع ہو گیا۔

میں نے مسکراتے ہوئے، سر گھما کر دیکھا۔ سولی نے خود کو ٹن فوڈ کے ڈسپلے پر گرا دیا تھا۔ پیک اغذیہ کے ڈبے گرے اور بکھر گئے۔ اسٹور میں موجود لوگ سولی اور اسپٹ کی طرف لپکے کہ بیچ بچاؤ کرائیں۔ دوسرے لڑکوں نے ہاتھ کی صفائی دکھانی شروع کر دی۔ وہ ٹھیک ٹھاک انداز میں کام کر رہے تھے۔ کاؤنٹر گرل نے کچھ کہا تو میں چونک کر اُچھل پڑا۔ وہ مجھے متجسس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" وہ بولی

"پتا نہیں۔ میرا خیال ہے، جھگڑا ہو گیا ہے کسی کا"

"مجھے تو یہ سب کچھ سوچا سمجھا لگ رہا ہے" لڑکی نے کہا "جیسے کسی منصوبے کے تحت کارروائی ہو۔"

میری نبض کی رفتار بڑھ گئی۔ میں نروس ہو گیا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا"

"یہ لڑنے والے لڑکے ایک دوسرے کو مارنے کی اداکاری کر رہے ہیں، مار نہیں رہے ہیں۔" لڑکی نے بے تاثر لہجے میں کہا "میں شرط لگا سکتی ہوں کہ ان کے ساتھی اس وقت اسٹور کا صفایا کر رہے ہوں گے۔ یہ بہت پرانی چال ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسٹور کا جائزہ لیا، اور اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ دیکھو... میں نے کہا تھا نا"

اس نے دو لڑکوں کو کاسمیٹکس کے کاؤنٹر سے مال اُڑا کر جیبوں میں بھرتے دیکھ لیا تھا۔ اسی وقت ان میں سے ایک نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور بے ساختہ مسکرانے لگا۔ میں نے سر کی جنبش سے اسے تنبیہ کی۔ وہ جلدی سے پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مجھے گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "تم اس میں شامل ہو؟"

میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا اور سفاکی سے مسکرایا "تو تم اس سلسلے میں کیا کرو گی؟"

وہ چند لمحے میری آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر مسکرا دی "کچھ بھی نہیں" اس نے کہا "میرا اس سے کیا لینا دینا اور بار براہٹن کے لیے یہ کوئی بڑا نقصان بھی نہیں ہے۔"

میں نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور دوبارہ اسٹور کا جائزہ لیا۔ تمام لڑکے اپنا کام دکھا کر اسٹور سے نکل چکے تھے۔ دو تین گاہک سولی کو دھکے دے کر اسٹور سے نکال رہے تھے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ میں مسکرایا اور میں نے چمچے کی مدد سے اپنے گلاس سے آئس کریم نکال کر منہ میں ڈالی اور پگھلتی ہوئی چاکلیٹ کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے لگا۔

"تم اچھا سوڈا نہیں بناتی ہو" میں نے لڑکی سے کہا۔

وہ پھر مسکرائی۔ اس کے بال سیاہ تھے اور آنکھیں ڈارک براؤن۔ ہونٹ اس کے بہت گورے رنگ کی وجہ سے بہت زیادہ سرخ لگ رہے تھے۔ "تم کافی چالاک ہو۔ یہ

بات ماننے والی ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

مجھے اپنے وجود میں روشنی سی پھیلتی محسوس ہوئی۔ وہ مجھے بھا گئی تھی ''تمہارا نام کیا ہے بے بی؟''

''نیلی'' اس نے جواب دیا۔

''اور میں ڈینی ہوں'' میں نے کہا ''تم اسی علاقے میں رہتی ہو؟''

''ایلڈرج اسٹریٹ پر''

''چھٹی کب ہوتی ہے تمہاری؟''

''نو بجے، جب اسٹور بند ہوتا ہے۔''

میں پرغرور انداز میں اُٹھا۔ میں اس وقت خود اعتمادی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ ''تو ٹھیک ہے۔ میں نو بجے تمہیں کارنر پر ملوں گی'' یہ کہہ کر میں اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔ راستے میں اسٹور کے دو ملازم سولی کے گرائے ہوئے ڈبے اُٹھا کر ڈسپلے پر رکھ رہے تھے۔ میں چند منٹ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر پلٹ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

لڑکی مجھے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''تو نیلی! نو بجے ملاقات ہوگی۔''

وہ بھی مسکرائی ''ٹھیک ہے ڈینی۔ میں تمہیں کارنر پر ملوں گی''

میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے گڈ بائی کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی نگاہیں اب بھی میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ میں بغیر دیکھے انہیں محسوس کر سکتا تھا۔ پھر میں اسٹور سے نکل آیا۔

☆☆

ٹھیلے والے نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تمہیں کہاں سے مل گیا یہ مال؟'' اس نے پوچھا۔

''تم خریدنا چاہتے ہو یا نہیں؟'' میں نے چڑچڑے پن سے کہا ''اب میں تمہیں

مال تیار کرنے والی کمپنی کا نام تو بتانے سے رہا۔''

اس نے مم کا ایک جار کارٹن سے اُٹھایا اور نروس انداز میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا، جیسے اسے تول رہا ہو۔ ''میں پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

میں نے بھی معنی خیز انداز میں کارٹن اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ''کوئی بات نہیں۔ خریداروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔''

اُس نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا ''ایک منٹ۔ میں نے یہ کب کہا کہ میں نہیں خریدنا چاہتا''

میں نے کارٹن پر سے ہاتھ ہٹا لیا ''تو پھر تفتیش مت کرو۔ پندرہ ڈالر نکالو اور یہ سب تمہارا''

اُس نے مسکراتے ہوئے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کی ''میں دس ڈالر دے سکتا ہوں''

''۱۴ ڈالر'' میں نے کہا۔ یہ اس علاقے کا دستور تھا۔ بھاؤ تاؤ کے بغیر سودا ممکن ہی نہیں تھا۔

''۱۱ ڈالر''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''چلو، ۱۲ ڈالر'' وہ غور سے میرے چہرے کا تاثر دیکھ رہا تھا۔

''نہیں...... ہرگز نہیں''

اس نے گہری سانس لی اور سرگوشی میں بولا ''ساڑھے بارہ ڈالر اور اس سے اُوپر میں نہیں جاؤں گا۔''

میں نے بھی اس کے چہرے کا جائزہ لیا ''ٹھیک ہے، رقم نکالو۔''

اس نے جیب سے مڑے تڑے نوٹ نکالے اور گن کر مجھے تھما دیے۔ میں نے بھی رقم گنی، پھر اسے جیب میں رکھ کر مڑا۔

''سنو'' اس نے مجھے پکارا۔

میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اور مال ہاتھ لگے تو میرے پاس ہی لانا۔ میں تمہیں اچھے دام دوں گا۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا، لیکن درحقیقت میں اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ سات لڑکوں میں ساڑھے بارہ ڈالر۔ یہ تو فی کس دو ڈالر بھی نہیں ہوا۔ اتنی محنت اور اتنا خطرہ مول لینے کا یہ کوئی معقول صلہ تو نہیں۔ تاہم میں نے ٹھیلے والے سے کہا ''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا'' لیکن دل میں میں نے کہا کہ اب کبھی اس کے پاس نہیں آؤں گا۔

ریونگٹن اسٹریٹ پر سڑک پار کرتے ہوئے میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ چھ بجے تھے اور کینڈی اسٹور پر گینگ سے ملاقات سات بجے ہونا تھی۔ میں نے سوچا گھر سے پاپا کے لیے کھانا ہی لے لوں۔ ماما روز یہ کام کرتی تھیں۔ آج وہ اس زحمت سے بچ جائیں گی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے بدبو سے بچنے کے لیے ناک سکیڑی۔ دروازوں پر رکھے ہوئے کچرے کے تھیلوں کو نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے میں سیڑھیاں چڑھتا رہا۔ بلڈنگ کا نگراں رات پھر زیادہ پی گیا ہوگا۔ اس نے صبح کو یہ تھیلے سمیٹے ہی نہیں تھے۔ ان کی وجہ سے بدبو اور بڑھ گئی تھی۔ یہ سب کچھ میں پانچ ماہ سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کا عادی نہیں ہوسکا تھا۔ شاید کبھی بھی نہیں ہوسکوں گا۔

ایک ڈھیلے قدمچے پر پاؤں پڑا تو میں لڑکھڑایا۔ میں نے زیرلب بلڈنگ کو کوسا۔ میں ہر وقت یہاں سے جان چھڑانے کی فکر میں رہتا تھا۔ مگر اس کے لیے رقم چاہیے تھی۔ میں نے سوچا، کبھی میرے پاس اتنی رقم ہوگی کہ میں اپنا مکان دوبارہ خریدوں گا اور اس منحوس علاقے سے نجات حاصل کرلوں گا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ ماما اسٹوو پر جھکی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سر اٹھا کر تھکی تھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''پاپا نے کہا ہے کہ وہ ڈھائی بجے تک واپس آئیں گے۔'' میں نے انہیں بتایا۔

انہوں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ منہ سے کچھ نہیں کہا۔

''میں نے سوچا، میں پاپا کو کھانا پہنچادوں۔''

انہوں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ایسی کوئی پیشکش کی تھی۔ ''تو پہلے تمہیں کھانا دے دوں؟'' انہوں نے پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا ''مجھے بھوک نہیں ہے'' میں نے جھوٹ بولا ''ایک دوست نے مجھے برگر کھلا دیا تھا''

''تو سوپ لے لو تھوڑا سا''

''نہیں ماما! میرا پیٹ بھرا ہوا ہے'' میں نے کہا۔ میں نے دیگچی میں دیکھ لیا تھا کہ سوپ ہم سب کے لیے ناکافی ہے۔

وہ تھکی ہوئی نہ ہوتیں تو ضرور اصرار کرتیں۔ وہ خاموشی سے پاپا کے لیے کھانا نکالنے لگیں۔ پھر انہوں نے کھانے کے برتن کاغذ کے ایک تھیلے میں رکھ کر میری طرف بڑھائے۔ میں دروازے کی طرف چل دیا۔

''رات جلدی آجانا ڈینی'' ماما نے پکارا۔

''جی ماما'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

اسٹور کے سامنے میں رُکا اور اندر دیکھا۔ اندر چند گاہک تھے، جنہیں ایک کلرک نمٹا رہا تھا۔ پاپا شاید عقبی کمرے میں ہوں گے۔ میں اسٹور میں داخل ہوا اور کاؤنٹر پر کھڑے ہوکر انتظار کرنے لگے۔

عقبی کمرے کی طرف سے کسی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میں غیرارادی طور پر سننے لگا۔ یہ آواز میں نے سہ پہر کو بھی سنی تھی ''تم...... احمق گدھے پتا نہیں، میں نے تمہیں ملازمت کیوں دی۔ تم جیسے سب لوگوں کے ساتھ یہی مسئلہ ہے، جو اپنا کاروبار کرتے رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ تم سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہو۔ دوسرے کی بات سنتے ہی نہیں''

وہ آواز رُکی تو پاپا کی دھیمی دھیمی منمناہٹ سنائی دی۔ ان کے الفاظ میں نہیں سن سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسٹور اور عقبی حصے کے درمیان شیشے کے پارٹیشن کی طرف

دیکھا۔ پاپا وہاں کھڑے مسٹر گولڈ سے بات کر رہے تھے۔ مسٹر گولڈ کا چہرہ غصے سے تڑخ رہا تھا۔ پھر پاپا کی بات جاری تھی کہ وہ دوبارہ چلانے لگے۔

''میں کوئی عذر، کوئی مجبوری نہیں سننا چاہتا۔ جب تم یہاں روتے ہوئے آئے تھے کہ تمہیں جاب کی ضرورت ہے تو مجھے تم پر ترس آیا تھا۔ اب یا تو تمہیں میری مرضی کے مطابق کام کرنا ہے فشر یا پھر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ سمجھ گئے میری بات''

اس بار پاپا کی آواز واضح طور پر سنائی دی ''آئی ایم سوری مسٹر گولڈ'' وہ کہہ رہے تھے۔ ان کے لہجے میں ایسی شکستگی تھی کہ مجھے اپنے پیٹ میں اینٹھن محسوس ہونے لگی ''میں وعدہ کرتا ہوں، اب ایسا نہیں ہوگا۔''

میرے اندر عجیب سی وحشت اور دیوانگی اُمنڈ رہی تھی۔ وہ سوؤر کا بچہ جس انداز میں میرے پاپا سے بات کر رہا تھا اس پر میں محض اپنے ہاتھوں سے اُسے ختم کر سکتا تھا۔ میرے خیال میں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اس انداز میں بات کرنے کا حق حاصل نہیں۔ کلرک نے مجھے چونکا دیا ''میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں جناب؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پر مجھے یاد آیا کہ میں وہاں کسی کام سے آیا تھا۔ پاپا کا کھانا میرے ہاتھ میں تھا۔ میں پلٹا، میں نے کھانا کاؤنٹر پر رکھ دیا ''یہ ڈاکٹر فشر کا کھانا ہے'' میں نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

مسٹر گولڈ کی کھردری، نکیلی اور منحوس آواز سڑک تک میرا تعاقب کرتی رہی۔

☆☆

''صرف ڈیڑھ ڈالر فی کس'' اسپٹ نے تند لہجے میں کہا۔

میں نے سرد نگاہوں سے اُسے دیکھا ''اگر تم اس سے زیادہ کما سکتے ہو تو کما لو۔ یہ میں رکھ لیتا ہوں۔''

اسپٹ کی رال بہتی ہوئی باچھوں تک آ گئی۔ وہ جوش میں ہوتا تھا تو اس کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ ''او کے ڈینی! میں بحث تو نہیں کر رہا ہوں''

میں نے رقم تقسیم کی اور ان کے چہروں کو دیکھا۔ بچے ہوئے دو فالتو ڈالر میرے

تھے۔ وہ میرا حق تھا۔ منصوبہ تو میں نے ہی بنایا تھا نا۔

''اب ہمیں کیا کرنا ہے ڈینی؟'' اسپٹ نے پوچھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں'' میں نے جیب سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا ''لیکن اب اس طرح کا کام بہرحال نہیں کریں گے۔ اس میں کچھ نہیں رکھا ہے'' میں نے سگریٹ سلگائی ''لیکن تم فکر نہ کرو۔ میں کچھ اچھا ہی سوچوں گا'' میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوا سات بجے تھے۔ ''میں گیراج میں کریپ کا گیم کھیلنے جا رہا ہوں۔ کوئی آئے گا میرے ساتھ؟''

''میں نے تو ایک لڑکی کو وقت دے رکھا ہے۔'' اسپٹ نے معذرت کی ''اچھا ہے نا۔ اپنی محنت کے کچھ مزے تو لوٹوں گا میں۔''

سب لڑکے منتشر ہو گئے۔ میں کارنر کی طرف چل دیا۔ اسپٹ کی بات سن کر مجھے یاد آیا تھا کہ میں نے بھی سوڈا فاؤنٹین پر کام کرنے والی لڑکی سے ڈیٹ لی ہے۔ وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ ذہین بھی اور خوبصورت بھی۔ مجھے ذہین لڑکیاں اچھی لگتی تھیں۔

میری جیب میں ساڑھے تین ڈالر تھے اور میں کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

گیراج کے دروازے پر ایک لبوترے چہرے والا اطالوی لڑکا کھڑا تھا۔ وہ شاید چوکیداری پر مامور کیا گیا تھا۔ میں اس کے پاس سے گزر کر اندر جانے لگا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھے روک لیا ''کہاں جا رہے ہو؟''

میں نے بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا ''اپنی قسمت آزمانے'' میں نے کہا۔

وہ مسکرایا۔ پھر اس نے مجھے پہچان لیا ''ارے ڈینی! جاؤ بھائی، گڈ لک''

میں گیراج میں داخل ہوا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ صرف عقبی حصے میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہاں گاڑیوں کی اوٹ میں کئی افراد کھڑے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور لڑکے بھی۔ وہ ایک نیم دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ ان کی آوازیں بہت دھیمی تھیں۔ چھکے کے لڑھکنے کی آواز ان کی آوازوں سے زیادہ بلند تھی۔

میں وہاں پہنچا تو ان میں سے چند ایک نے نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا لیکن مجھے

پہچانتے ہی وہ فوراً دوبارہ چھکے کی طرف متوجہ ہوگئے۔

میں کھیل کا جائزہ لینے لگا۔ میں چھکے پر بھروسہ کرنے والا نہیں تھا۔ چھکا تو کسی بھی وقت دغا دے سکتا ہے۔ میرا مشاہدہ تھا کہ کسی دن، کسی وقت کوئی شخص خوش قسمتی کی شعاعوں میں نہا رہا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے چلنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

میں کھڑا ہوکر جیسے سونگھتا رہا۔ پھر مجھے کامیابی کی خوشبو آنے لگی۔ وہ چھوٹے قد کا، جھلسی ہوئی رنگت والا آدمی تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لگاتار دو داؤ جیت لیے۔ اگلی بار میں نے اس کے ساتھ اپنا بھی ایک ڈالر لگا دیا۔

لیکن میں ہار گیا!

پھر بھی میرے یقین میں کمی نہیں آئی۔ اگلا داؤ ہم جیت گئے۔ پھر ایک اور...... ایک اور۔ میرے اندر ہیجان سا اُبلنے لگا۔ میں ایک اور داؤ جیتا۔ اب میرے پاس سات ڈالر ہوگئے تھے۔ اب آٹھ نہیں بجے تھے اور میں خود کو خوش قسمت محسوس کررہا تھا۔

لیکن میں خوش قسمتی پر مکمل انحصار کرنے والا بھی نہیں تھا۔ مناسب وقت پر باہر نکل آنا بھی میرے نزدیک ایک فن تھا۔

نو بجے میں اسٹور کے سامنے فٹ پاتھ پر جا کھڑا ہوا۔ نو بج کر دس منٹ ہوگئے اور وہ باہر نہیں آئی۔ میں نے سگریٹ سلگا لی۔ لگتا تھا کہ نیلی نامی وہ لڑکی مجھے انتظار کرارہی ہے۔ میں نے سوچا، بس پانچ منٹ اور انتظار کروں گی۔

''ہیلو ڈینی'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں نے چونک کر دیکھا۔ وہ میرے برابر کھڑی تھی۔ میں نے اسے دروازے سے باہر آتے دیکھا تھا لیکن اسے پہچان نہیں سکا تھا۔ کیونکہ اسٹور کے یونیفارم کے بجائے وہ اب عام لباس میں تھی اور اپنے پہلے تاثر کے برعکس بہت کم عمر لگ رہی تھی۔

''ہائی نیلی'' میں نے کہا۔ واقعی...... وہ بہت کم عمر تھی۔ مجھ سے ایک سال چھوٹی ہی ہوگی ''بھوک لگی ہے تمہیں؟'' ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد میں نے پوچھا۔ میں ابھی تک اس کی کم عمری کے شاک سے نہیں سنبھلا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے انداز میں شرمندگی تھی۔ اس وقت وہ اس خوداعتمادی سے محروم تھی، جو میں نے اسٹور میں اس کے انداز میں دیکھی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کارنر کی طرف لے چلا۔ کن انکھیوں سے میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ میرے ساتھ چلتے ہوئے وہ سامنے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''تم تو بہت کم عمر لگتی ہو'' مجھ سے رہا نہیں گیا۔

اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا ''اسٹور میں کام کرنے والی لڑکیاں کوشش کرتی ہیں کہ اپنی عمر سے بڑی نظر آئیں۔ ورنہ وہ جاب سے محروم ہوسکتی ہیں'' اس کی آنکھوں میں گرم جوشی سی چمکی ''اور تم اپنی عمر سے بڑے لگتے ہو''

میں مسکرایا۔ یہ بات مجھے اچھی لگی۔ میں نے اس کے لیے ریسٹورنٹ کا دروازہ کھولا ''چلو، کچھ کھالیں''

ایک بوڑھا چینی ہمیں ایک میز تک لے گیا اور اس نے دو مینو ہمارے سامنے رکھ دیے۔ ریسٹورنٹ تقریباً خالی تھا۔ صرف دو میزیں اور ایسی تھیں جو خالی نہیں تھیں۔

میں نے مینو کا جائزہ لیا۔ اپنے لیے میں نے کچھ منتخب کرلیا پھر اس کی طرف دیکھا۔

''جو تم چاہو، وہی میرے لیے منگالو''

میں نے نوجوان چینی ویٹر کو آرڈر دیا۔ پھر میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی لیکن مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے نظریں جھکالیں۔ اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر گلابی رنگ پھیلتا گیا۔

مجھے لگا کہ ہمارے درمیان اچانک کوئی دیوار سی حائل ہوگئی ہے ''کیا بات ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو تمہیں جانتی بھی نہیں۔ میرے پاپا......''

''انہیں یہ بات اچھی نہیں لگے گی'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرا اعتماد اور

بڑھ گیا'' یہ بتاؤ، تمہاری عمر کتنی ہے؟''

''ست......نن......نہیں......سولہ سال سمجھ لو'' وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔

''اسٹور میں کب سے کام کر رہی ہو؟''

''تقریباً ایک سال ہو گیا۔ اسٹور والے سمجھتے ہیں میں بڑی ہوں۔'' اس کے لہجے میں حیا تھی۔

''تمہارے پاپا بہت سخت گیر ہیں؟''

''ایسا بھی نہیں۔ دراصل وہ پرانے خیالات کے اطالوی ہیں۔ پرانے زمانے کو روتے رہتے ہیں، اٹلی میں یہ ایسے ہوتا تھا، یہ نہیں ہوتا تھا۔ سمجھ رہے ہونا'' اس نے پھر میری آنکھوں میں دیکھا۔ اب کے وہ بولی تو اس کے لہجے میں تندی تھی ''مجھے کام سے چھٹی کے بعد سیدھا گھر جانا ہوتا ہے۔ جھوٹ بول کر، عمر زیادہ بتا کر ملازمت حاصل کرنے اور پیسے کما کر گھر لے جانے میں تو کوئی برائی نہیں۔ اس کے لیے تو میں بڑی ہوں لیکن اتنی بڑی نہیں ہوں کہ کسی لڑکے کے ساتھ باہر جا سکوں۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں تمہارے ساتھ تھی تو وہ طوفان اُٹھا دیں گے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس طویل تمہید کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ''تو پھر تم کیوں آئیں میرے ساتھ؟''

وہ مسکرائی ''شاید میں امریکا کو اٹلی سمجھتے سمجھتے اُکتا چکی ہوں۔ شاید میرا خیال ہے کہ پاپا کو بھی اب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اٹلی میں نہیں، امریکہ میں رہ رہے ہیں۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ یہاں کے طور طریقے مختلف ہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے۔''

میں بدستور اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''کیا یہی ایک وجہ تھی یہاں آنے کی؟''

میری نگاہوں کی گرمی سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا ''نہیں'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا ''اصل وجہ یہ تھی کہ میں تم سے اسٹور کے باہر ملنا چاہتی تھی، دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیسے لگتے ہو؟''

''تو میں تمہیں کیسا لگا؟''

''بہت اچھے'' اس کے رخسار دہک رہے تھے ''اور میں تمہیں کیسی لگی ڈینی؟'' اس نے شرمیلے لہجے میں پوچھا۔

''اتنی اچھی کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا'' میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ میری خود اعتمادی اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆

وہ اسٹریٹ کارنر پر ٹھہر گئی ''بس ڈینی! تم مجھے یہیں چھوڑ دو'' اُس نے میرے چہرے کو تکتے ہوئے کہا ''میرے پاپا دروازے پر میرے منتظر ہوں گے''

''یہ مجھے جھٹکنے کا اچھا بہانہ ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھوں میں سایہ سا لہرا گیا ''یہ بات نہیں ہے ڈینی۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ دراصل تم میرے پاپا کو جانتے ہی نہیں ہو۔''

''میں جانتا ہوں کہ یہ بہت پرانی ترکیب ہے۔ پھر بھی مجھے آدھا یقین آ گیا ہے تم پر''

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا ''میرا یقین کرو ڈینی'' اس کے لہجے میں خلوص اور سچائی تھی۔ ''میں کبھی تمہیں بے وقوف نہیں بناؤں گی۔ سچ کہہ رہی ہوں، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ''تو تم انہیں دیر سے آنے کی کیا وجہ بتاؤ گی؟''

''کبھی کبھی اسٹور میں کام زیادہ ہوتا ہے تو مجھے دیر تک رکنا ہوتا ہے۔''

''یہ سن کر انہیں بہت غصے آئے گا؟''

''نہیں۔ اس پر انہیں کبھی غصہ نہیں آتا۔ کام میں کتنی ہی دیر تک کروں، اس میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور ایک بند اسٹور کے ڈوروے کی طرف چلا گیا۔ وہاں اندھیرا تھا ''یہاں آؤ''

وہ ایک لمحہ مجھے دیکھتی رہی، پھر ہچکچاتی ہوئی میری طرف بڑھی۔ وہ نروس ہو رہی تھی

''کیوں بلا رہے ہو مجھے تم؟'' اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتیں کہ کیوں بلا رہا ہوں'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ ایک قدم اور بڑھی، پھر رک گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سا دکھ مچلا ''نہیں ڈینی، میں ایسی لڑکی نہیں ہوں''

''تو میں ٹھیک ہی سمجھ رہا تھا'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا ''تم مجھے جھٹک رہی ہو'' میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا ''ٹھیک ہے بے بی، اب تم کھسک لو۔ تم اپنے حصے کے مزے لے چکیں'' میں نے ہاتھوں کے حلقے میں جلتی ہوئی دیا سلائی لے کر سگریٹ سلگائی۔ دیا سلائی بجھاتے ہوئے میری نظر اُٹھی تو وہ وہیں کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ ہمارے درمیان کھنچاؤ تھا۔ وہ اس خوف زدہ ہرنی کی طرح کھڑی تھی جو کسی بھی لمحے بھاگنے کے لیے تیار ہو۔

میں نے دھوئیں کا مرغولا اس کی طرف اُچھالا ''اب کھڑی کیوں ہو؟ گھر جاؤ۔ تمہارے پاپا تمہارے منتظر ہوں گے۔''

وہ ایک قدم اور آگے بڑھ آئی۔ ''ڈینی! میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔ یہ وہ انداز نہیں جو مجھے پسند ہے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ۔''

میرے اندر اب تلخی اُمنڈ رہی تھی۔ وہ اتنی معمولی بات کا اس طرح بتنگڑ کیوں بنا رہی ہے؟ مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا ''تو تمہیں کون سا انداز پسند ہے۔'' میں نے زہریلے انداز میں کہا اور بے رحمی سے ہنسنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ''میرا خیال تھا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا ''اور میں تمہیں پسند کرتی ہوں ڈینی''

میں نے ہاتھ بڑھایا اور اسے اپنی باہوں میں کھینچ لیا۔ سگریٹ کو میں نے نیچے گرا دیا اور اسے لپٹا لیا۔ اس کا جسم اکڑا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا لیکن اس نے خود کو مجھ سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

میں نے سوچا، شاید میں نے اس کے لبوں سے کچھ سرخی چرا لی ہو لیکن جب وہ پیچھے

ہٹی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرا وہم تھا۔ اس کے ہونٹ تو پہلے سے زیادہ سرخ تھے لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور رونے لگی ''تم مجھے اچھا نہیں سمجھتے ہو...... ہے نا؟'' اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

میری اُلجھن کی کوئی حد نہیں تھی۔ یہ سب کچھ میری توقع کے برعکس تھا۔ پھر میں بولا تو وہ اُلجھن میرے لہجے اور میری آواز میں بھی تھی ''تم میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ یہ کیا کھیل کھیل رہی ہو تم میرے ساتھ؟''

''تم مجھے اچھے لگے تھے ڈینی'' اس نے کہا ''اسی لیے میں نے تمہاری بات مان لی اور گھر جانے کے بجائے تمہارے ساتھ چلی آئی۔ تم مجھے اچھے لگے تھے ڈینی''

میں نے اسے محبت سے لپٹا لیا ''لیکن تم تو اسٹور میں بڑی چالاک اور تیز و طرار بن رہی تھیں'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''تم نے اسٹور میں ہمارا سیٹ اپ بھی سمجھ لیا تھا۔ کیسے؟ جبکہ تم اتنی معصوم ہو۔''

''یہ ترکیبیں تو میرا بھائی جوزف مجھے بتاتا رہتا ہے'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''تم مجھے بہت پسند ہو'' میں نے خوش دلی سے ہنستے ہوئے کہا ''عجیب سی ہو، لیکن بہت اچھی لگتی ہو۔''

وہ بھی مسکرائی ''تم مجھے بری لڑکی تو نہیں سمجھ رہے ہو نا؟'' اس نے پوچھا ''اور مجھ سے ناراض بھی نہیں ہو نا؟''

''نہیں بے بی'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

میں نے پھر اسے لپٹا لیا۔ اس بار اس کے انداز میں سپردگی تھی۔ وہ عجیب کیفیت تھی۔ ہم جیسے دھند میں لپٹے کھڑے تھے۔ نہ وہ کارنر تھا، نہ دکان کا ڈوروے، نہ اسٹریٹ لیمپ۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا، سوائے ہم دونوں کے۔

پھر وہ ایک دم سے گھبرائی اور اس نے میرے متحرک ہاتھوں کو تھام لیا ''نہیں ڈینی...... بس رک جاؤ...... پلیز''

''تم مجھ سے کبھی نہ ڈرنا نیلی'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے

دلاسہ دیا۔ ''مجھ سے تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ عجیب لڑکی تھی۔ پل میں کچھ اور پل میں کچھ۔ ابھی وہ خوف زدہ تھی اور ابھی میری بات سن کر وہ طمانیت سے مسکرائی۔ وہ بے حد شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ ''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا ڈینی کہ یہ مجھے اچھا بھی لگ سکتا ہے۔''

میں نے اس کی ٹھوڑی تھام کر اس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میں بھی سچ کہہ رہا ہوں کہ مجھے اتنا خوبصورت تجربہ پہلی بار ہوا ہے'' اور یہ بات میں نے اپنی روح کی گہرائیوں سے محسوس کر کے کہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں خوبصورت حیرانی تھی'' ڈینی! کیا تم .....'' وہ کہتے کہتے ہچکچائی
''تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہم محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں؟ کیا یہ محبت ہے؟''

میں نے الجھن سے اسے دیکھا۔ اس کی بات کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ میں محبت کو جانتا پہچانتا ہی نہیں تھا۔ میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''ممکن ہے نیلی..... ہاں نیلی، یہ ممکن ہے۔''

پھر اچانک میرے بولتے بولتے ہم دونوں پر شرمندگی سی طاری ہوئی اور بے ساختہ ہم دور ہو گئے۔ میں نے پھر ایک سگریٹ سلگائی۔ اس کا ہاتھ جھجکتا ہوا میری طرف بڑھا اور میں نے اسے تھام لیا۔

دیر تک ہم یونہی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے رہے۔ میری سگریٹ بغیر کش لیے ہی ختم ہو گئی۔ میری اُنگلی جلی۔ میں نے سگریٹ کو گھبرا کر دور اُچھال دیا۔ پھر میں اسے دیکھ کر مسکرایا'' کیسا لگ رہا ہے نیلی؟''

''یہ تو کوئی خوبصورت خواب ہے ڈینی'' اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

ہم چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر ہنسنے لگے۔ وہ دلی خوشی تھی، جس نے ہماری باہمی شرمندگی کو دھو ڈالا۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

''مجھے ڈر ہے کہ تمہارے پاپا تم پر غصہ نہ کریں'' میں نے کہا

''میں نے کہا نا، میں کہہ دوں گی کہ اسٹور میں کام زیادہ تھا۔ یہ سن کر تو وہ خوش

ہوتے ہیں۔''

ہم اسٹور کے بند دروازے سے ہٹ کر اسٹریٹ لائٹ کے نیچے آ گئے۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، اور آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''میں نے شاید تمہیں بتایا نہیں کہ تم بہت خوبصورت ہو۔''

''نہیں'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''تمہاری خوبصورتی نے مجھے مہلت ہی نہیں دی'' میں نے کہا ''چلو، اب بتا دیتا ہوں۔ تم بہت حسین ہو۔''

''کاش! میں تمہیں ہمیشہ ایسی ہی لگوں''

''ایسا ہی ہوگا'' میں نے کہا ''اب تمہیں گھر جانا ہے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا لیکن میرا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لیا۔

''تو ٹھیک ہے۔ شب بخیر''

''تم پھر ملو گے نا ڈینی؟'' اس کے لہجے میں خوف اور التجا کی ملی جلی کیفیت تھی۔

''ہاں..... ہر روز۔ اسی جگہ، اسی وقت''

''اور تم اسٹور میں آؤ گے تو میں بہت اسپیشل سوڈا بنا کر دوں گی۔ اس میں تین چمچے آئس کریم ڈالوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

''تین چمچے آئس کریم! تب تو میں آئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔''

وہ مسکرائی ''شب بخیر ڈینی''

''شب بخیر بے بی''

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا سایہ سا لہرایا ''تم اپنے دوستوں کو تو ساتھ نہیں لاؤ گے نا؟ وہ کسی دن پکڑے جائیں گے۔'' اس نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''ارے..... تم ان کے لیے پریشان ہو رہی ہو'' مجھے ہنسی آ گئی۔

"مجھے ان کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔" اس نے تند لہجے میں کہا "میں تو تمہارے لیے پریشان ہورہی ہوں"

میرے وجود میں طمانیت میں لپٹی ہوئی ایک سچی خوشی لہرا گئی۔ وہ سچ مچ بہت اچھی لڑکی تھی۔ ایسی لڑکیاں تو قسمت سے ہی ملتی ہیں۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں اپنے ساتھ نہیں لاؤں گا۔"

اس کے چہرے پر اب بھی گمبھیرتا تھی "کیا ضروری ہے ڈینی کہ تم ایسے لڑکوں کے ساتھ رہو اور یہ سب کچھ کرو۔ دیکھو نا، تم پکڑے بھی جا سکتے ہو۔ تم کوئی جاب کیوں نہیں تلاش کرتے؟"

"میرے گھر والے مجھے اسکول نہیں چھوڑنے دیں گے۔"

اس نے محبت بھری گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبایا، جیسے میرا کرب سمجھ رہی ہو، بانٹ رہی ہو لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی فکرمندی تھی۔ "بہت محتاط رہنا ڈینی" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اب تو میں تمہاری خاطر زیادہ ہی محتاط رہوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرا رخسار چوم لیا اور شرمیلے لہجے میں بولی "شب بخیر ڈینی"

"شب بخیر بے بی"

میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا، ہاتھ ہلایا اور پھر عمارت میں داخل ہوگئی۔

اب میں اکیلا تھا۔ میں اس احساس کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اس کی جھجک اور ہچکچاہٹ نے مجھے دلایا تھا، لیکن اس کی قربت میں میں اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا اور پھر وہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔

وہ میری طرح تھی! میرے لیے تھی! وقت نے مجھے بدل دیا تھا لیکن بنیادی طور پر

کبھی میں ویسا ہی تھا، جیسی وہ اب ہے۔ مارجوری این کے معاملے میں بھی تو اسی طرح بچتا، جھجکتا اور اس سے بھاگتا تھا۔ مجھے وقت گزاری پسند نہیں تھی۔ میں زندگی بھر ساتھ دینے والی محبت کا متلاشی تھا۔

نیلی تو میرا ہی عکس تھی!

میں پلٹا اور واپس چل دیا۔ میں بہت خوش تھا۔ اتنا خوش کہ کچھ دیر کے لیے یہ بھی بھول گیا کہ اس علاقے میں رہنا مجھے کس قدر ناپسند ہے لیکن ڈیلانسی اسٹریٹ پار کر کے مسٹر گولڈ کے اسٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے، جہاں میرے پاپا کام کرتے تھے اور بے عزت ہوتے تھے، میں نے مسٹر گولڈ کو دیکھا تو ناپسندیدگی کا وہ احساس پوری شدت سے اُبھر آیا۔

☆☆

وہ اسٹور کے سامنے کھڑا کینوس اور چمڑے کی بنی ایک پاؤچ کو اپنی جیب میں ٹھونس رہا تھا۔ مجھے اس چرمی تھیلی کی اہمیت کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ اس تھیلی میں بینک میں نائٹ ڈیپازٹ میں جمع کرائی جانے والی رقم تھی۔

میں جلدی سے ایک ڈور وے میں دبک گیا اور اسے دیکھتا رہا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ اس نے اسٹور میں نگاہ ڈالی، پھر ڈیلانسی اسٹریٹ پر ایسیکس کی طرف چل دیا۔ وہ تیز قدموں سے چل رہا تھا۔

میں آدھے بلاک کا فاصلہ درمیان میں رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں لیکن اس کے پیچھے چلتے اپنا محرک اچانک ہی میری سمجھ میں آ گیا۔ وہ ایسیکس کی طرف مڑا اور اس کی رفتار بڑھ گئی۔

میں نے سڑک پار کی اور اپنی رفتار بھی بڑھا دی۔ سڑک کے دوسری طرف ہوتے ہوئے فاصلہ رکھنے کی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیے کے خدوخال اُبھر رہے تھے۔

وہ ایونیو اے اور فرسٹ اسٹریٹ کے کارنر پر واقع بینک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جیب سے پاؤچ نکالی اور اسے نائٹ ڈیپازٹری میں گرا دیا۔ پھر وہ پلٹا اور واپس چل دیا۔

میں کارنر پر کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اب وہ کہاں جاتا ہے، کیا کرتا ہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں نے ایک سگریٹ جلائی اور اپنے آئیڈیے کے بارے میں سوچنے لگا۔

ابتدا میں جب ہم یہاں آئے تھے تو میرے لیے یہ ایک اور ہی دنیا تھی...... بالکل مختلف دنیا۔ میرے لیے وہ بالکل اجنبی تھی۔ یہاں ایک ہی قانون چلتا تھا...... لڑو یا بھوکے سو جاؤ۔ اور کوئی قانون یہاں نہیں چلتا تھا۔

یہ بات عاقل و بالغ مردوں سے زیادہ علاقے کے لڑکے جانتے اور سمجھتے تھے۔ بڑے ہوتے ہوتے ان پر اپنی ذمہ داری عاید ہو جاتی تھی۔ وہ اندر سے اتنے تلخ اور باہر سے اتنے سخت جان اور خودسر تھے کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ صرف ایک چیز نے مجھے ان کے ہاتھوں مرنے سے بچا رکھا تھا وہ یہ کہ میں ان سے بہتر لڑاکا اور جنگجو تھا اور میں ان سے زیادہ ذہین بھی تھا۔

اس میں بہرحال وقت لگا تھا۔ پہلے تو وہ مجھے سمجھ ہی نہیں پائے تھے۔ ریکسی کی موت والی رات جو میری لڑائی ہوئی تھی، اس نے انہیں میرا احترام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کینڈی اسٹور کے کاؤنٹر پر، اور اسٹور کے سامنے کافی وقت گزارنے کے بعد میں کہیں ان کی نفسیات سمجھنے کے قابل ہوا تھا۔

پھر اس کے بعد تو میں ان پر چھا گیا۔ جس لڑکے کی میں نے مرمت کی تھی، وہ اس گینگ کا سرغنہ تھا۔ اس کے اسپتال پہنچنے کے بعد وہ سب بے سمت ہو گئے تھے۔ اسپٹ اور سولی نے سردار بننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ وہ لوگ تو صرف جسمانی برتری اور طاقت کی زبان سمجھتے تھے۔ پھر ایک دن میں ایگ کریم کھا رہا تھا کہ اسپٹ میرے پاس آیا۔ ہیجانی کیفیت میں رال اپنی باچھوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے مجھے گینگ کی

سرداری آفر کی۔ میں نے بڑے محتاط انداز میں اس کی بات سنی، پھر میں نے وہ پیشکش قبول کر لی۔ میں یہاں اکیلا تھا۔ اپنی شناخت کے لیے آدمی کو خود کو دوسروں کے ساتھ جوڑنا تو پڑتا ہے۔

یہاں سب سے بڑی چیز پیسہ تھا۔ پیسے کی طلب ایسٹ سائیڈ کے علاقے کے لیے طاعون کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس طرف بھی نگاہ ڈالی جائے، وہ گندی سڑکیں اور گلیاں ہوں، دکانوں کی کھڑکیاں ہوں یا گھٹیا اپارٹمنٹ ہاؤس، ہر جگہ وہ طلب منہ کھولے نظر آتی تھی، وہ فٹ پاتھ پر چلنے والوں کے شور میں گونجتی سنائی دیتی تھی۔

ایسٹ سائیڈ کے علاقے میں آپ کی جیب میں ایک ڈالر ہے تو آپ بادشاہ ہیں اور اگر آپ کی جیب خالی ہے تو آپ کو کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ہوگا جس کی جیب میں رقم بھی ہو اور وہ اسے آپ کے ساتھ شیئر کرنے پر بھی آمادہ ہو لیکن ایسٹ اینڈ میں بادشاہوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جو دوسرے کی جیب سے ڈالر گھسیٹ لے، وہ بادشاہ ہے۔ اور ایسے بادشاہ کم نہیں تھے۔ شرطیں لگانے والے بکی، سودخور اور گھٹیا مجرم...... یہ وہ لوگ تھے جنہیں جینے کا ہنر آتا تھا۔ ان کا شمار داناؤں میں ہوتا تھا۔ وہ سب ہیرو تھے۔ انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہم لڑکوں کے لیے وہ روشن مثال تھے۔ وہی تو قابل تقلید تھے۔

ہم سب لڑکے ان مجرموں جیسے بننا چاہتے تھے۔ یہاں کسی لڑکے کے لیے اس کا باپ آئیڈیل نہیں تھا۔ وہ لوگ کیسے مثال بن سکتے تھے جو بدلتے وقت کے ساتھ ہم آہنگی حاصل نہ کرنے کے نتیجے میں یوں گرے تھے کہ لوگ انہیں روندتے ہوئے گزر رہے تھے، جن کے پاس سنبھلنے اور اُٹھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ایسٹ سائیڈ میں ایسے باپوں کی کمی نہیں تھی۔ اس پسماندہ علاقے میں بھی انہیں پسماندہ سمجھا جاتا تھا۔ کوئی حد تھی ان کی پسماندگی کی! کون بیٹا ان کی طرح بننا چاہے گا؟

تو کوئی لڑکا اپنے باپ جیسا نہیں بننا چاہتا تھا۔ ہم سب تو بادشاہ بننا چاہتے تھے۔ میں بھی اب اس آبادی کا حصہ تھا اور بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ بادشاہ

بنتے ہی میں اپنا گھر دوبارہ حاصل کروں گا۔

میں نے سر جھٹکا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اسپٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اب آگے کیا کرنا ہے۔ اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا۔ اس وقت تو میں بس اتنا سمجھ سکا تھا کہ فائیو اینڈ ڈائم میں جو محنت ہم نے کی تھی، اس کا صلہ بہت...... بہت زیادہ حقیر تھا لیکن اب میں جان گیا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ میں ایک تیر سے دو شکار کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، گھر جانے سے پہلے اسپٹ اور سولی سے اس سلسلے میں بات کر لی جائے۔

☆☆

میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ ایسی ہیجانی کیفیت تھی کہ جس میں نیند آ ہی نہیں سکتی تھی۔

باہر سڑک کی طرف سے کسی ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں آہستگی سے اپنے بستر سے اُٹھا اور کھڑکی کے قریب کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے ایک سگریٹ جلائی اور باہر دیکھنے لگا۔

نیچے ایک ٹرک کھڑا تھا۔ کچھ لوگ کچرے کے ڈبے ٹرک میں خالی کر رہے تھے۔

مجھے اسپٹ کے چہرے کا تاثر یاد آیا جو میری بات سننے کے بعد اس کے چہرے پر اُبھرا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو گیا تھا لیکن سولی نے جھٹ سے اسے قبول کر لیا تھا۔ اس بات نے اسپٹ کو بھی مجبور کر دیا۔

اس کام کے لیے ہم تین ہی کافی تھے لیکن پہلے ہمیں کئی دن تک گولڈ کے معمولات کو چیک کرنا تھا۔ یہ بات بہت اہم تھی۔ ہم میں سے کسی کو یا باری باری ہر ایک کو کئی راتوں تک اس کا پیچھا کرنا تھا، دیکھنا تھا کہ کب وہ اسٹور سے نکلتا ہے، کہاں کہاں رُکتا ہے، اس کی عادات کیا ہیں اور معمولات کیا ہیں۔ پھر کسی مناسب رات کو ہم کام دکھا سکتے تھے۔

میں نے انہیں بتایا تھا کہ اس بار دو تین سو ڈالر تو ہاتھ آئیں گے ہی۔ اور ہمیں کرنا ہی کیا ہے۔ اسے بے ہوش کر کے تھیلی چھیننی ہے اور بس۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں، کوئی

دُشواری نہیں۔ میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میرے پاپا اسی اسٹور میں کام کرتے ہیں۔ اس سے ان کا کوئی تعلق تھا بھی نہیں۔

کھلی کھڑکی سے مجھے کسی لڑکی کی آواز سنائی دی اور مجھے نیلی کا خیال آ گیا۔ اس علاقے میں وہ ویسے ہی عجیب لڑکی تھی۔ اس پر یہ کہ وہ اطالوی تھی۔ عام طور پر اطالوی لڑکیاں اکھڑ اور بدزبان ہوتی ہیں۔ وہ منہ کھولتی ہیں تو پتا چل جاتا ہے کہ وہ اطالوی ہیں لیکن نیلی مختلف تھی۔ وہ بہت اچھی، نرم خو اور نرم گفتار تھی اور وہ مجھے پسند بھی کرتی تھی۔ یہ بات میں جانتا تھا۔

کیسی عجیب بات ہے۔ آپ کسی لڑکی کو وقت گزاری کے لیے منتخب کرتے ہیں، اور پھر آپ کو پتا چلتا ہے کہ نہیں، یہ اُس کے ساتھ زیادتی ہوگی اور آپ کو احساس ہوتا ہے کہ آپ اسے سچ مچ پسند کرنے لگے ہیں۔ اب آپ کو ایسا کچھ نہیں کرنا کہ جس سے اس کی دل آزاری ہو اور وہ آپ کو ناپسند کرنے لگے۔

یہ عجیب بات تھی۔ میں نے پہلے کبھی کسی کے لیے اس طرح نہیں سوچا تھا۔ پھر مجھے اس کی بات یاد آئی...... کہیں یہ محبت تو نہیں؟ اب میں سوچ رہا تھا کہ یہ عین ممکن ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہوا، اس کی کوئی اور وضاحت میرے پاس نہیں تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں کسی لڑکی کا ہاتھ تھام کر، محض اس سے بات کرنے پر اکتفا کر لوں، جس کی محض قربت ہی میرے لیے خوشی بن جائے۔ ممکن ہے، بالکل ممکن ہے کہ یہ محبت ہو۔

کھڑکی سے لڑکی کی تیرتی ہوئی آواز پھر اندر آئی۔ میں نے گردن آگے بڑھائی، تاکہ اسے دیکھ سکوں لیکن سڑک سنسان تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا اور آواز پھر بھی سنائی دی۔ اس بار وہ آواز مجھے جانی پہچانی سی لگی لیکن میں اسے شناخت نہیں کر سکا۔

لڑکی پھر باتیں کر رہی تھی۔ اس بار میری سمجھ میں آ گیا کہ وہ چھت پر ہے۔ میں نے سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا تو جلتی ہوئی سگریٹ کا سرا نظر آیا۔ پھر میں نے وہ آواز پہچان لی۔ ارے...... یہ تو میمی کی آواز ہے۔ یہ اس وقت چھت پر کیا کر رہی ہے۔ رات کا ایک بجا ہے۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ اس نے اپنی ڈیٹ کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ کوئی لڑکا تھا، جو اس

کے ساتھ آفس میں کام کرتا تھا۔ جارج نام تھا اس کا۔ میں نے میمی کا مذاق اُڑایا تھا کہ وہ آفس میں کام کرنے والے کسی معمولی کلرک پر وقت ضائع کر رہی ہے۔ اس پر اس نے غصہ سے کہا تھا ''وہ ان لفنگوں سے بہت بہتر ہے، جن کے ساتھ تم کینڈی اسٹور کے باہر اُٹھتے بیٹھتے ہو۔''

میں نے سوچا کہ مجھے اُوپر جا کر دیکھنا چاہیے کہ مس اعلا وارفع کیا کر رہی ہے۔ میں جانتا تھا کہ اس علاقے میں کوئی بھی چھت پر صرف ستاروں کا نظارہ کرنے کے لیے نہیں جاتا۔ میں خاموشی سے کمرے سے نکل آیا۔

چھت کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے خود کو اس کی اوٹ میں رکھتے ہوئے چھت کا جائزہ لیا۔ میمی وہاں موجود تھی، اور اُس کا دوست جارج بھی۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔

چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میمی کے چہرے کو دیکھ کر مجھے شاک لگا۔ اس وقت وہ محض ایک لڑکی لگ رہی تھی...... ایک عام لڑکی اور لڑکا دھیمی آواز میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کے الفاظ میں نہیں سن پایا لیکن یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ گھگھیا رہا ہے۔

میمی نے نفی میں سر ہلایا اور لڑکا دوبارہ گھگھیانے لگا۔

میمی نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا ''نہیں جارج! شادی کو تو بھول ہی جاؤ۔ میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں لیکن پیسے کی فکر کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔ تمہارے ساتھ رہ کر بھی یہی دیکھنا ہوگا۔ یہ میں نہیں چاہتی۔''

میں مسکرایا۔ میمی بھی ایسٹ اینڈ کا مزاج سمجھ چکی تھی۔ وہ ڈالر کی اہمیت سمجھتی تھی لیکن اس کی شادی کا تصور میرے لیے کچھ مضحکہ خیز سا تھا۔ پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ وہ بڑی ہو چکی ہے۔ وہ بچی نہیں رہی۔

جارج نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میمی نے کوئی مزاحمت بھی نہیں کی۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ چھت پر وہ پہلے بھی آتی رہی ہے۔ میں پلٹا اور نیچے اُتر کر فلیٹ میں داخل ہوا۔ دبے پاؤں چلتا میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

کوئی پندرہ منٹ بعد میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو اُٹھ کر ہال کی طرف

بڑھا۔ وہ بہت احتیاط سے، آواز پیدا کیے بغیر دروازہ بند کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اُچھل پڑی ''تم ابھی تک جاگ رہے ہو ڈینی؟'' اس نے حیرت سے کہا ''سوئے نہیں؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ بس اسے دیکھ کر چھیڑنے، چڑانے والے انداز میں مسکراتا رہا۔ اس نے غصے سے مجھے گھورا ''یہ دانت کیوں نکل رہے ہیں تمہارے؟''

''آئینے میں اپنے ہونٹ دیکھ لو تو خود سمجھ جاؤ گی۔''

اس کا ہاتھ اضطراری طور پر اپنے ہونٹوں کی طرف لپکا ''تو تم اُوپر میری جاسوسی کر رہے تھے؟''

''جی نہیں۔ تم اور تمہارا بوائے فرینڈ میرے سر پر بیٹھ کر شور مچا رہے تھے۔ میں سو ہی نہیں سکا۔''

''تمہارے دماغ میں گندگی بھری ہوئی ہے'' وہ غرائی۔

''اپنے چھوٹے، پیارے بھائی کی نصیحت گرہ میں باندھ لو بے بی'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''چھت پر جاتے وقت لپ اسٹک نہ لگایا کرو۔'' وہ غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتی رہی۔ شاید غصہ اتنا شدید تھا کہ وہ جوابی حملہ کرنا بھی بھول گئی۔

☆☆

ہم ناشتہ شروع کر ہی رہے تھے کہ پاپا آ گئے۔ ان کے چہرے پر لکیروں کا جال بہت نمایاں ہو گیا تھا۔ وہ لکیریں صرف تھکن کا نتیجہ نہیں تھیں۔ ان میں اس اذیت، بے بسی اور مایوسی کا بھی بڑا دخل تھا جو اپنی اور اپنے ہنر کی توہین وتذلیل کا نتیجہ تھا۔ وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔

میرے وجود میں ہمدردی کی ایک موج سی اُٹھی۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا ''پاپا! آپ یہاں کھڑکی کے پاس بیٹھیں'' وہ کچن میں سب سے آرام دہ اور ہوادار تھی۔

پاپا میری چھوڑی ہوئی کرسی میں ڈھیر ہو گئے۔ انہوں نے تشکر سے مجھے دیکھا ''ڈینی! رات تم میرا کھانا لائے، شکریہ'' انہوں نے کہا ''میں کام میں مصروف تھا۔ تمہیں

آتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''کلرک نے مجھے بتادیا تھا پاپا'' میں نے جھوٹ بولا۔ وہ بھی جانتے تھے کہ میں ان کی 'مصروفیت' سے واقف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ میں نے مسٹر گولڈ کو انہیں پھٹکارتے سنا تھا لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں اس راز میں کسی کو شریک کروں۔

ماما نے دلیے کی قاب لاکر پاپا کے سامنے رکھی ''ہیری! تم ناشتے کے بعد اپنی نیند پوری کیوں نہیں کرتے ہو؟''

انہوں نے سر اُٹھا کر ماما کو دیکھا اور بے بسی سے بولے ''دن کی روشنی میں کون سو سکتا ہے؟ کم از کم میں تو اس کا عادی نہیں ہو سکا ہوں۔''

''بہرحال اتنی محنت کے بعد تمہیں آرام تو کرنا چاہیے۔''

پاپا جواب دیے بغیر دلیا کھانے لگے لیکن ان سے کھایا نہیں گیا۔ انہوں نے چند چمچوں کے بعد پلیٹ دور ہٹا دی۔ ''تم بس مجھے کافی دے دو میری'' انہوں نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

ماما نے کافی بنا کر ان کے سامنے رکھ دی ''کل بہت مصروفیت تھی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''مسٹر گولڈ نے مجھے سانس لینے کی بھی فرصت نہیں دی'' پاپا نے سر اُٹھائے بغیر کہا۔ پھر انہیں خیال آیا کہ وہ کیا کہہ گئے ہیں۔ انہوں نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں خاموش التجا تھی۔

میں نے اپنا چہرہ بے تاثر رکھا، جیسے مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ کم از کم اس طرح میں ان کی اذیت میں اضافے کو تو روک سکتا تھا۔ ''یہ مسٹر گولڈ کیسے آدمی ہیں پاپا؟'' میں نے اپنی پلیٹ پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

پاپا مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ''کیوں پوچھ رہے ہو تم؟''

''یونہی...... تجسس تو ہوتا ہے نا پاپا'' میں نے کہا۔ میں انہیں اصل وجہ تو نہیں بتا سکتا تھا۔

پاپا چند لمحے سوچتے رہے، پھر نپے تلے انداز میں بولے ''ٹھیک ٹھاک آدمی ہے وہ۔ بس اعصابی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس پر کام کا بوجھ بہت ہے۔ اس میں دماغ اُلجھا رہتا ہے اُس کا''

''آپ کو ان کے ساتھ کام کرنا اچھا لگتا ہے؟''

ایک لمحے کو ہماری آنکھیں ملیں، مگر انہوں نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں ''اچھا کیا اور برا کیا۔ کام کرنا ہے تو کرنا ہے۔''

''وہ منیجر کیسے بن گیا؟''

''جو منیجر تھا اسے بیماری کی وجہ سے جاب چھوڑنی پڑی۔ گولڈ میری جگہ کام کرتا تھا۔ وہ واحد رجسٹرڈ ملازم تھا، اس لیے اسے منیجر بنا دیا گیا۔''

میں نے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔ یہ ایک نیا زاویہ تھا ''اور اگر مسٹر گولڈ جاب چھوڑ دیں تو آپ منیجر بن جائیں گے؟''

پاپا ہنسنے لگے ''کیا کہہ سکتا ہوں میں؟ ہاں، یہ ممکن تو ہے۔ سپروائزر مجھے پسند کرتا ہے۔''

''وہ کون ہے؟''

''یہ اسٹورز کی ایک چین ہے، وہ اس کا باس ہے۔ اس کا تعلق مرکزی دفتر سے ہے۔''

''وہ مسٹر گولڈ کا بھی باس ہے؟''

''ہاں، وہ سب کا باس ہے'' پاپا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر انہوں نے مجھے غور سے دیکھا ''کیا بات ہے ڈینی؟ اتنے سوال۔ کیا موسم گرما کی چھٹیوں میں کسی ڈرگ اسٹور میں کام کرنے کا ارادہ ہے؟''

''ممکن ہے'' میں نے پہلو بچایا۔

''تم مسٹر واٹکن کے ساتھ کام نہیں کرو گے؟''

میں نے کندھے جھٹک دیے ''اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی ہے'' میں نے

کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے سام سے اُمید تھی کہ وہ اس صورتِ حال میں میرے لیے کوئی راہ نکالے گا لیکن اب میں مایوس ہو رہا تھا۔ شاید پچھلے سال جو کچھ مس شنڈلر کے معاملے میں ہوا، اس کے نتیجے میں وہ مجھ سے خفا ہو گیا تھا۔

''تم اسے خط کیوں نہیں لکھتے؟'' ماما نے کہا۔

''وہ تو تمام وقت سفر میں رہتا ہے۔ پتا بھی مجھے نہیں معلوم اس کا اور کچھ عجیب نہیں کہ اس نے کاروبار ہی ختم کر دیا ہو'' اب میں انہیں اپنے سام کو خط نہ لکھنے کی اصل وجہ تو نہیں بتا سکتا تھا۔

اسی وقت میمی لپکتی ہوئی کچن میں آئی ''میرے پاس بس کافی پینے کی مہلت ہے ماما'' اس نے کہا ''ورنہ میں لیٹ ہو جاؤں گی''

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ'' ماما نے جھنجھلا کر کہا ''جلدی سویا کرو۔ تاکہ وقت پر اُٹھ سکو۔ رات کو دیر تک کیوں جاگتی ہو؟''

''میں بتاؤں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میمی کو کوئی مل گیا ہے''

پاپا نے بھی میمی کو دلچسپی سے دیکھا۔ ''کوئی اچھا لڑکا ہو گا مریم؟''

میں نے میمی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ''اس کے دفتر میں کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے والا ہے۔''

میمی غصے سے میری طرف گھومی ''تم اپنا منہ بند رکھو'' اس نے تند لہجے میں کہا ''کم از کم وہ تمہاری طرح دن رات کینڈی اسٹور کے باہر نہیں کھڑا رہتا ہے۔ وہ تمہاری طرح اوباش اور لفنگا نہیں۔ کچھ بن کر دکھائے گا۔''

ماما نے تیزی سے مدافعت کی۔ ''اپنے چھوٹے بھائی کو ایسی سخت باتیں نہیں کہتے۔ بری بات''

میمی نے غصے سے انہیں دیکھا ''کیوں نہیں'' وہ چلائی ''اس میں ایسا کیا ہے کہ سب اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں، یہی ہو رہا ہے۔ ڈیڈی یہ، ڈیڈی وہ۔ اس کا اسکول تبدیل ہوا تو جیسے قیامت آ گئی اور مجھے جو آخری ٹرم میں

اسکول تبدیل کرنا پڑا تو کسی کو دکھ نہیں ہوا۔ یہ اسکول کے بعد کے وقت کے لیے کوئی کام کیوں نہیں ڈھونڈتا۔ یہ جانتا ہے کہ گھر میں تنگی ہے لیکن اسے ہاتھ بٹانے کا، کچھ کمانے کا خیال نہیں آتا اور کوئی اسے کچھ کہتا بھی نہیں۔ سب ڈرتے ہیں کہ اس کا دل نہ دکھ جائے، اس کے نازک احساسات کو ٹھیس نہ پہنچ جائے۔ یہ دن رات لفنگے لڑکوں کے ساتھ کینڈی اسٹور کے باہر وقت برباد کرتا ہے۔ گھر صرف کھانے اور سونے کے لیے آتا ہے، اور وہ بھی بادشاہوں کے سے انداز میں۔ یہ محض ایک لچا ہے، لفنگا ہے، بدمعاش ہے۔ کسی نہ کسی کو تو اسے یہ بتانا ہو گا۔''

''میمی! شٹ اپ'' پاپا اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ انہوں نے کسی مجرم کی طرح شرمندگی سے میری طرف دیکھا۔

میمی آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گھوم کر مجھے دیکھا۔ میں بے اعتنائی سے اسے گھورتا رہا۔ پھر وہ پلٹی اور روتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ وہ کافی بھی نہیں پی سکی تھی۔

پاپا اپنی جگہ بیٹھے مجھے دیکھتے رہے۔ ماما بھی مجھے دیکھ رہی تھیں۔ وہ منتظر تھے کہ میں کچھ کہوں لیکن میرے پاس کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ بالآخر پاپا نے خاموشی توڑی ''ویسے ڈیڈی! مریم نے جو کچھ کہا وہ اتنا غلط بھی نہیں ہے'' ان کی آواز بھاری تھی۔

میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''یہ کینڈی اسٹور کے باہر مجمع لگانے والے لڑکے اچھے ہرگز نہیں ہیں''

میں نے اپنی پلیٹ آگے سے ہٹا دی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ''اپنے رہنے کے لیے یہ علاقہ میں نے منتخب نہیں کیا ہے۔ ہم یہاں منتقل ہوئے تو اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں تارک الدنیا ہو کر گھر میں بیٹھ جاؤں، صرف اس لیے کہ میمی میرے دوستوں کو پسند نہیں کرتی۔''

پاپا نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں، میں یہ نہیں کہتا لیکن تم اچھے دوست بھی تو بنا سکتے ہو؟''

میں انہیں گھورنے لگا۔ کچھ کہنا بے کار تھا۔ پاپا سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں پہلے ہی دن سے جو پاپا سے میری دوری ہوئی تھی، وہ اور بڑھ گئی۔ اب میں پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔ ''اس علاقے میں اور کسی طرح کے دوست مل ہی نہیں سکتے۔'' میں نے بے تاثر لہجے میں کہا'' آپ شاید نہیں جانتے۔ یہاں ایسے ہی لڑکے رہتے ہیں۔ اچھے دوست کہاں سے لاؤں میں''

''تو تم کچھ اور بھی سوچ سکتے ہو، کچھ اور بھی کر سکتے ہو''

میں نے نفی میں سر ہلایا'' میں کچھ بھی نہیں کر سکتا پاپا'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''صرف آپ ہی ہیں، جو کچھ کر سکتے ہیں''

''تو وہ بتاؤ مجھے''

ماما جلدی سے میری طرف لپکیں'' ہاں ڈینی، بتاؤ۔ پاپا جو کچھ کر سکتے ہیں، ضرور کریں گے۔''

''مجھے میرا گھر واپس لا دیں'' میں نے آہستہ سے کہا'' وہ آپ نے ہی گنوایا ہے۔ آپ ہی اسے دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر ہم نئے سرے سے زندگی شروع کر سکیں گے۔''

پاپا کی آنکھوں میں اذیت چھلکی، اور بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اسے برداشت کرنا میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ میں اٹھا اور اپارٹمنٹ سے نکل آیا۔

☆☆

جیسے ہی میں اندر داخل ہوا، اس کی نگاہوں نے مجھے تلاش کر لیا۔ میں اس کاؤنٹر کی طرف بڑھا، جہاں وہ کھڑی تھی۔ میں ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے میری طرف مڑی'' ہیلو ڈینی!'' اس نے شرمیلے لہجے میں سرگوشی کی۔ اس کے چہرے پر رنگ دوڑنے لگا تھا۔

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا'' ہائی نیلی! رات تمہارے پاپا خفا تو نہیں ہوئے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا'' میرا بہانہ کامیاب ثابت ہوا'' اس نے کہا۔ پھر اس نے

چونک کر سر اُٹھایا۔ میں نے آئینے میں دیکھا۔ اسٹور کا منیجر اس طرف آ رہا تھا'' ایک چاکلیٹ سوڈا؟'' اس نے میری طرف دیکھا'' میں ابھی لاتی ہوں جناب'' اس نے پلٹ کر شیلف سے گلاس اُٹھا لیا لیکن منیجر ہماری طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

نیلی واپس آئی اور اس نے گلاس میرے سامنے رکھ دیا'' میں نے رات تمہیں خواب میں دیکھا'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

میں نے اُلجھن سے اُسے دیکھا۔ شاید وہ میری طرح مجھ پر مرمٹی تھی۔ مجھے بہر حال اس کی وارفتگی اچھی لگی'' اچھا خواب تھا نا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا'' بہت اچھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ ایسے خواب بھی ہوتے ہیں۔'' میرے اندر جیسے سکون اور خوشی بھر گئی وہ کہتے کہتے رُکی، پھر مجھے غور سے دیکھا ''تم نے بھی میرے بارے میں سوچا ہوگا؟''

''تھوڑا تھوڑا''

''میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بارے میں بہت سوچا کرو۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے پرکشش چہرے پر گرم جوشی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ آج اس نے میک اپ نہیں کیا ہے اور آج وہ کل کے مقابلے میں کم عمر بھی لگ رہی تھی۔

میری نگاہ کی گرمی اس کا چہرہ تمتمانے لگی'' آج رات ملو گے مجھے؟''

''ہاں، اسی جگہ'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

منیجر پھر ہماری طرف آ رہا تھا۔'' دس سینٹ جناب'' نیلی نے مجھ سے خالص کاروباری انداز میں کہا۔

میں نے دس سینٹ کا سکہ اسے دیا۔ اُس نے اسے حساب کتاب کی مشین میں ڈال دیا۔ منیجر پھر رُکے بغیر چلا گیا تھا۔

وہ دوبارہ میرے پاس آ گئی'' تو نو بجے؟'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ نئے آنے والے گاہک کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں

نے اپنا سوڈا ختم کیا اور اسٹور سے نکل آیا۔

ہم تینوں ڈیلانسی اسٹریٹ پر ٹہل رہے تھے۔ سولی میری اور اسپٹ کی گفتگو توجہ سے سن رہا تھا۔

میں نے انہیں ڈرگ اسٹور دکھایا ''یہ ہے وہ اسٹور'' میں نے کہا۔

''یہاں تو تمہارا باپ کام کرتا ہے'' اسپٹ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

حیرت مجھے بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ میرے خیال میں اسے یہ بات معلوم نہیں تھی لیکن وہ میری بے وقوفی تھی۔ اس علاقے میں کوئی بات کسی سے بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ ''تو؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے جارحانہ انداز اختیار کیا۔

''اور انہیں شک ہو گیا تو؟'' اسپٹ پر ہیجان طاری ہونے لگا۔ اس کی رال باچھوں پر پھیلنے لگی۔

''کیسے شک ہوگا؟ میرے بارے میں تو وہ سوچ ہی نہیں سکتے۔''

''لیکن یہ میک کوائے ہے'' اسپٹ نے کہا'' پکڑے گئے تو اسٹور والے ضمانت بھی نہیں ہونے دیں گے۔''

''تمہارے لیے پچھلے کام جیسے چھوٹے موٹے کام ہی مناسب ہیں'' میں نے حقارت سے کہا'' پھر رونا کہ صرف دو ڈالر ہی ملے ہیں۔ سوچ لو، زیادہ رقم کے لیے خطرہ تو مول لینا پڑے گا۔''

بالآخر سولی نے بھی چپ توڑی ''ڈینی ٹھیک کہتا ہے۔ کام ڈھنگ کا ہو کچھ ملے تو۔ مجھے تو یہ کام اچھا لگا ہے۔''

میں نے تشکر سے اُسے دیکھا۔ کارنر پر پہنچ کر ہم رُک گئے۔ میں اسپٹ کی طرف مڑا ''مجھے اِدھر اُدھر لڑھکنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔ تم سوچ کر جواب دو۔ ہاں یا نہیں''

اسپٹ کبھی مجھے دیکھتا، کبھی سولی کو۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ چاروں طرف سے گھر گیا ہو۔ پھر اس کا چہرہ تمتما اُٹھا'' سنو! میں کوئی ڈرتا نہیں ہوں۔ محتاط ہونا اور بات

ہے۔ او کے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

میں نے سکون کی سانس لی اور دوستانہ انداز میں اسپٹ کے کندھے کو تھپتھپایا'' گڈ بوائے! میں جانتا تھا کہ تم پیچھے ہٹنے والے نہیں ہو۔ اچھا، اب دھیان سے سنو کہ کرنا کیا ہے۔''

ہم بھوکے ننگے ایسٹ سائیڈ کے شور وغل میں کھڑے جزئیات طے کرتے رہے۔ دو گز کے فاصلے پر ایک پولیس والا کھڑا تھا۔ مگر وہ ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ توجہ دینے کی کوئی بات تھی بھی نہیں۔ یہاں کارنر پر ہمیشہ لڑکے کھڑے رہتے تھے اور ہمیشہ کھڑے رہا کریں گے۔ اب وہ کیا ان پر ہی نظر رکھے گا اور اگر رکھے گا تو تمام وقت کچھ اور نہیں کر سکے گا۔

☆☆

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ہم نیلی کے گھر کے سامنے سڑک کے پار اسی ڈوروے میں دبکے کھڑے تھے۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے لیکن ہمیں وہ جگہ اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی۔ کوئی قریب آتا تو ہمیں ناگوار گزرتا، جیسے اسے یہاں سے گزرنے کا حق بھی نہیں ہو، جیسے وہ کوئی مداخلت کر رہا ہو۔

''اگلے ہفتے جون شروع ہو جائے گا ڈینی'' نیلی نے کہا۔

میں نے سر ہلاتے ہوئے اسے دیکھا'' ہاں''

اس نے شرمیلی نگاہوں سے مجھے دیکھا'' تم سے ملے صرف تین ہفتے ہوئے ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ برسوں سے تمہیں جانتی ہوں''

میں مسکرایا۔ میرا اپنا بھی یہی حال تھا۔ اس کی موجودگی میں مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں اپنے گھر میں ہوں۔ اپنے بروک لین والے گھر میں'' میری طرح نیلی؟''

''ہاں، تمہاری طرح'' اس نے سرگوشی میں کہا'' تم نے مجھے پاگل بنا دیا ہے ڈینی۔ میں دیوانہ وار محبت کرتی ہوں تم سے۔ اتنی محبت..... اتنی کہ کبھی کبھی مجھے اس سے خوف

آنے لگتا ہے۔''

''میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں'' میں نے جوابی سرگوشی میں کہا۔

وہ مجھ سے لپٹ گئی'' کاش ڈینی! کاش ہم اتنے بڑے ہوتے کہ ہماری شادی ہو سکتی''

میں ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔ اتنی جلدی شادی کی بات مجھے مضحکہ خیز ہی لگ سکتی تھی۔

''تم ہنس رہے ہو مجھ پر'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

میں نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں، ہرگز نہیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے پاپا یہ بات سنتے تو ان کا کیا ردِعمل ہوتا۔''

''شادی ہو جائے تو مجھے ان کے ردعمل کی کیا پروا'' اس کے لہجے میں جوش تھا۔ وہ پھر مجھ سے لپٹ گئی ''تم مجھے یونہی لپٹائے رہو ڈینی۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میں یہ بھی بھول جاتی ہوں کہ یہ گناہ ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا ''گناہ؟ یہ کس نے کہا تم سے؟''

وہ میرا ہاتھ تھام کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگی ''فادر کیلی کہتے ہیں۔ مگر مجھے کوئی پروا نہیں۔ یہ محبت اتنی خوبصورت ہے۔ کیا گناہ ایسا خوب صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو تو بھی میں اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ بشرطے کہ تم زندگی بھر مجھ سے محبت کرتے رہو۔''

میرا ذہن اُلجھنے لگا ''یہ فادر کیلی کہاں سے آ ٹپکے؟'' میں نے کہا۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میرے اور اس کے درمیان مذہب کی دیوار کھڑی ہے۔

''تم سے کہنے کی ممانعت ہے لیکن میں تمہیں بتا رہی ہوں'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''ہر ہفتے اعتراف کے بعد فادر کیلی تمہارے بارے میں مجھے لیکچر دیتے ہیں''

''تو تم نے انہیں ہمارے بارے میں بتا دیا؟'' میں نے پرتجسس لہجے میں کہا ''اچھا، یہ بتاؤ، وہ کہتے کیا ہیں؟''

اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا ''وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے اور مجھے خود کو

روکنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں اوّل تو اس طرح ملنا ہی غلط ہے لیکن تمہارے ساتھ ملنا تو اور بڑا گناہ ہے۔''

''تم کیتھولک نہیں ہو نا، اس لیے'' اس کے لہجے میں معذرت تھی ''وہ کہتے ہیں کہ ہماری شادی نہیں ہوسکتی۔ دنیا کا کوئی چرچ اسے قبول نہیں کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں تمہیں چھوڑ کر کوئی اچھا سا کیتھولک لڑکا تلاش کرلوں۔''

''حرامی کہیں کا'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ پھر اس کے گھر کی طرف دیکھا ''اور اگر اس مردود نے تمہارے پاپا کو بتا دیا تو؟''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا ''یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ پادری کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاتے جو اعتراف وہ سنتے ہیں، وہ تو بس خدا کی امانت ہوتا ہے۔''

''اچھا، جب تم نے اسے اپنے اور میرے بارے میں بتایا تو اس نے کیا کہا تم سے؟''

''اس نے توبہ کی کچھ دعائیں پڑھنے کو کہا اور مقدس مریم کے سامنے کفارے کو کہا۔''

''اس نے تمہیں کوئی سزا تو نہیں دی؟''

وہ ہکا بکا سی ہوگئی ''تم سمجھ ہی نہیں رہے ہو ڈینی۔ فادر کا کام تو آپ کو غلطی کا احساس دلانا ہوتا ہے، تاکہ آپ اس پر شرمندہ ہوں۔ اور خدا آپ کو معاف کر دے۔ شرمندگی تو خود ہی سزا ہوتی ہے۔''

میں مسکرایا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ''تو تم شرمندہ ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

وہ مجھ سے نظریں چرانے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں شرمندگی تھی۔ ''نہیں...... میں شرمندہ نہیں ہوں۔ شاید یہی تو سب سے بری بات ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے لگتا ہے کہ مجھے کبھی معافی نہیں ملے گی۔''

میں نے ہنستے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچ لیا ''تم اس کی فکر نہ کرو بے بی۔ جب تک ہم دونوں ایک دوسرے سے سچی محبت کر رہے ہیں، اس وقت تک اس میں کوئی

خرابی، کوئی برائی نہیں۔''

کوئی سامنے سے گزرا تو ہم الگ ہو گئے لیکن گزرنے والے نے ہمیں نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا ''افوہ...... گیارہ بج بھی چکے۔ اب تم گھر جاؤ۔ ورنہ تمہارے پاپا گھر کی چھت اُڑا دیں گے۔''

وہ مسکرائی ''میرا دل نہیں چاہتا جانے کو۔ میں ساری زندگی تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ڈینی''

میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے لیکن آج رات میری کوئی اور مصروفیت بھی تھی۔ آج ہم نے واردات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے مجھے اسٹور کے سامنے سول اور اسپٹ سے ملنا تھا۔ ''اب جاؤ۔ مجھے بھی آج گھر جانا ہے۔'' میں نے نیلی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے۔ کل پھر ملیں گے۔''

''ہاں، اُسی وقت، اُسی جگہ''

وہ سڑک پار کر کے اپنے گھر کی طرف چل دی۔ ڈوروے میں وہ رُکی، پلٹ کر مجھے دیکھا اور ہاتھ لہرایا۔ میں نے جواباً ہاتھ لہرایا۔ پھر وہ اندر چلی گئی۔ میں نے پھر گھڑی میں وقت دیکھا۔ وقت پر پہنچنے کے لیے مجھے تیزی سے چلنا ہوگا۔ میں تقریباً دوڑ رہا تھا۔ اتنی رات کو کوئی بھاگتا نظر آئے تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں آ جاتا ہے۔ یاد رہ جاتا ہے۔ میں نے اپنی رفتار کم کر دی۔

.... ☆☆ ....

سولی سڑک کے پار کارنر پر کھڑا ملا ''اسپٹ کہاں ہے؟'' میں نے ہانپتے ہوئے اس سے پوچھا۔

سولی نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اسپٹ دوسرے کارنر پر کھڑا تھا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو اس نے دانت نکال دیے۔

سڑک کے پار مسز گولڈ اسٹور میں کھڑے پاپا سے بات کر رہے تھے۔ پاپا سر

جھکائے ان کی بات سن رہے تھے۔ میں سولی کی طرف مڑا ''کاش! پاپا اس کے ساتھ نہ ہوں۔ ورنہ ہمیں پھر معاملہ ملتوی کرنا ہوگا۔''

اتنے دن اسی چکر میں لگے تھے۔ کبھی کبھی پاپا بھی اس کے ساتھ بینک تک جاتے تھے۔ دو بار ہمیں اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا تھا۔

''دیکھتے ہیں'' سولی نے بے پروائی سے کہا۔

میں نے سولی کو دیکھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا لیکن اس پر انحصار کیا جا سکتا تھا۔ میں پلٹ کر اسٹور کی طرف دیکھنے لگا۔ ہم لوگوں نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔

مسٹر گولڈ اب بھی پاپا سے بات کر رہے تھے۔ بات کیا کر رہے تھے، انہیں ڈانٹ رہے تھے۔ پاپا کندھے اور سر جھکائے ان کی زبان کے تیر سہہ رہے تھے۔ میرے ہونٹ بھینچ گئے۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ ایک اہل لیکن مجبور شخص کو بلا وجہ کی توہین کیسی لگتی ہوگی۔

آج رات کے بعد مسٹر گولڈ کبھی اس طرح بات نہیں کر سکیں گے۔ یہ فیصلہ میں کر چکا تھا۔

سولی نے میرے بازو کو ہلکے سے چھوا ''دیکھو، وہ نکلنے والا ہے''

میں نے سر گھما کر اسٹور کی طرف دیکھا۔ مسٹر گولڈ کیش کی مشین پر جھکے ہوئے تھے۔ میں سولی کی طرف مڑا ''تمہیں میری ہر بات یاد ہے نا؟'' میری آواز میں ہلکا سا، دبا دبا ہیجان تھا۔

سولی نے اثبات میں سر ہلایا ''تم فکر نہ کرو۔ میں کچھ بھولنے والا نہیں''

''ڈنڈا مجھے دو'' میں نے سولی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

سولی نے ڈنڈا مجھے دیا۔ میں نے اسے جیب میں رکھا اور چھوٹی سڑک پار کرنے لگا ''اب چل دو'' اسپٹ کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے سرگوشی میں کہا۔ ہم دونوں گولڈ کی مخالف سمت میں چلنے لگے۔ سولی گولڈ کے پیچھے چل رہا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے فلم دیکھ کر نکلا ہو اور گھر جا رہا ہو۔

مسٹر گولڈ اب ایسیکس اسٹریٹ پر مڑے تھے۔ میں اور اسپٹ لڈلو اسٹریٹ پر

تھے، جو ایسیکس کے متوازی تھی۔ ہم چل رہے تھے۔ کیونکہ ہمیں زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا لیکن ہماری سانسوں کی ناہمواری کا سبب صرف تیز چلنا نہیں تھا۔ وہ کچھ اندر کے ہیجان کی وجہ سے بھی تھا۔

''تمہیں سب یاد ہے نا؟'' میں نے اسپٹ سے پوچھا۔

اس نے آستین سے اپنی باچھیں صاف کرتے ہوئے کہا ''مجھے سب یاد ہے ڈیڈی''

تین بلاک کا فاصلہ طے کر کے ہم ہیوسٹن اسٹریٹ سے پہلے والے کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ میں نے اسپٹ کی طرف دیکھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں خوفزدہ ہوں۔ میرے اندر...... کہیں بہت اندر ایک پچھتاوا سر اُبھار رہا تھا کہ کاش میں نے یہ سب نہ شروع کیا ہوتا لیکن پھر مجھے اپنے پاپا کے ساتھ مسٹر گولڈ کا سلوک یاد آ گیا۔

''مجھے یہیں رکنا ہے'' میں نے کہا۔

''گڈ لک'' اسپٹ نے دانت نکال دیے۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ کارنر کی طرف بڑھ گیا۔

میں اندھیرے میں ایک بلڈنگ کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میرا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ اس کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں نے اپنی سانس کو قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چھوٹا ڈنڈا نکالا اور اسے اپنی ہتھیلی پر مار کر دیکھا۔ میرے ہاتھ بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں پینٹ سے صاف کیا۔

اب میں پریشان ہو رہا تھا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو کیا ہوگا؟ آخر یہ لوگ اب تک کیوں نہیں پہنچے۔ میرا جی چاہا کہ بلڈنگ کی اوٹ سے سر نکال کر دیکھوں کہ وہ آ رہے ہیں یا نہیں لیکن یہ بلاوجہ کا خطرہ مول لینے والی بات تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور زیرِلب خود کو سمجھایا کہ بلاوجہ پریشان ہونا بے سود ہے۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگا۔ میں خواہ مخواہ اعصاب زدہ ہو رہا تھا۔ کوئی گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میں نے بہت اچھا

منصوبہ بنایا تھا۔

منصوبہ بالکل سادہ تھا۔ سادہ اور آسان، ایسا کہ کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔ سولی مسٹر گولڈ کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوگا۔ اس پوزیشن میں وہ سامنے سے آنے والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اسپٹ مخالف سمت سے آئے گا وہ مسٹر گولڈ اور سولی کے عقب پر نظر رکھ سکتا تھا۔ ان دونوں کو اگر کوئی راہ گیر نظر آیا تو وہ سیٹی پر کوئی دھن چھیڑ دیں گے۔ تاکہ میں اپنی کارروائی موخر کروں اور مسٹر گولڈ کو جانے دوں۔ سیدھی سی بات تھی۔ اب اس میں کسی غلطی کی کہاں گنجائش تھی۔

میں سامنے والی بلڈنگ کی دیوار کی طرف دیکھنے لگا، جہاں سے اسپٹ کو مجھے پہلا سگنل دینا تھا کہ وہ آ رہے ہیں۔

وقت بہت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ میں پھر نروس ہونے لگا۔ مشکل یہ تھی کہ میں سگریٹ بھی نہیں جلا سکتا تھا۔ میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ پھر مجھے اپنی طرف آتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

وہ اسپٹ تھا جو اپنے مخصوص بے ڈھنگے پن سے چل رہا تھا۔ اچانک میرے اعصاب پرسکون ہو گئے۔ ہر خوف دور ہو گیا۔ اب پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے ڈنڈے کو سنبھالا اور ایڑیوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ سگنل کے ساتھ ہی مجھے حرکت میں آنا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں گنتی شروع کر دی جیسے پنچنگ بیگ پر وار کرنے کے لیے تیار ہونا ہوتا ہے، تاکہ ردھم قائم رہے۔ ایک، دو، تین، چار...... ایک، دو......

اسپٹ نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے رُخسار کو کھجایا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چپکا آگے بڑھنے لگا۔ اس وقت مسٹر گولڈ بلڈنگ کی لائن میں آئے اور میں بے حد آہستگی سے ان کے عقب میں نکلا۔

اندھیرے میں ڈنڈے کا وہ تحرک محض ایک لکیر سا تھا۔ دھپ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ سولی نے گرتے ہوئے مسٹر گولڈ کو سنبھالا اور انہیں اندھیرے میدان میں کھینچ لایا۔

مسٹر گولڈ زمین پر ساکت پڑے تھے اور ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ اسپٹ خوفزدہ

انداز میں بولا تو میرے چہرے پر اس کی رال کی بوچھار آئی ''ارے.....تم نے کہیں انہیں لڑھکا تو نہیں دیا''

میرا دل خوف سے اُچھلا اور جیسے حلق میں آ گیا۔ میں نے ایک گھٹنے پر بیٹھ کر مسٹر گولڈ کو ٹٹولا۔ ان کے دل کی دھڑکن سن کر میں نے سکون کا سانس لیا۔ پھر میں نے ان کے سر کو ٹٹولا۔ نہ وہاں کوئی گومڑ تھا، نہ ہی خون نکلا تھا۔

''اس کی فکر چھوڑو اور مال پکڑو'' سولی نے کہا ''زیادہ دیر لگانا ٹھیک نہیں''

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے گولڈ کی جیب ٹٹولی اور رقم کی تھیلی نکال لی۔ اس وقت اسپٹ بھی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ مسٹر گولڈ کی کلائی پر نجانے کیا ٹٹول رہا تھا۔

''کیا کرید رہے ہو تم؟'' میں نے سرگوشی میں اسے ڈانٹا۔

''اس کی گھڑی بہت خوبصورت ہے۔''

میں نے اس کے ہاتھ کو پوری قوت سے جھٹک دیا۔ اب میں خوفزدہ نہیں تھا۔ میرا اعتماد لوٹ آیا تھا ''گدھے..... چھوڑ دو اسے۔ اپنی انگلیوں کے نشانات فراہم کرنا چاہتے ہو پولیس کو۔''

اسپٹ بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے پھر مسٹر گولڈ کے سینے کو ٹٹولا۔ اس کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ میں نے ہاتھ ہٹایا اور اُٹھنے لگا۔ ''چلو.....اب کھسک لو'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

لیکن اچانک کسی نے میرا پاؤں پکڑ لیا۔ پھر اندھیرے میدان میں مسٹر گولڈ کی آواز نقارے کی طرح گونجی ''مدد کرو..... پولیس..... پولیس''

اسپٹ اور سولی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ مسٹر گولڈ دونوں ہاتھوں سے میرا پاؤں تھامے حلق کے بل مدد کے لیے چلا رہے تھے، ان کی آنکھیں سختی سے بند تھیں۔

میں نے گھبرا کر گردوپیش کا جائزہ لیا۔ سولی اور اسپٹ نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ میرا دل اب میرے قابو میں نہیں تھا۔ میں نے اپنا پاؤں چھڑانا چاہا لیکن نہیں چھڑا

سکا۔ خوف نے مجھے مفلوج کر دیا تھا۔ سامنے والے ریسٹورنٹ سے کوئی نکل کر سنسان میدان کی طرف آتا دکھائی دیا۔

میں نے گولڈ کے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کی۔ پھر جوتے کی نوک سے اس کے بازو پر ضرب لگائی۔ مجھے کچھ ٹوٹنے کا احساس ہوا۔ بہرحال میرا پاؤں آزاد ہو گیا۔ گولڈ کی چیخ بہت کریہہ تھی۔

عقب کی سمت سے اب بہت سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں پوری رفتار سے سامنے کی طرف بھاگا۔ اسٹائن اسٹریٹ کارنر تک تو میں بگٹٹ دوڑتا گیا لیکن پھر جبلت نے مجھے احساس دلایا کہ اب بھاگنا مخدوش ہے۔ میں کارنر پر رکا اور چند لمحے ہچکچاتا رہا۔ پھر میں نے تیزی سے ایک فیصلہ کیا۔ یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ مسٹر گولڈ نے مجھے دیکھا ہے یا نہیں۔

میں پلٹ کر واپس چل دیا۔ وہاں اب لوگوں کی بھیڑ تھی۔ میں جگہ بناتا ہوا آگے بڑھا۔ پولیس والے پہنچ چکے تھے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو دور رہنے کی ہدایت کر رہے تھے۔ مسٹر گولڈ زمین پر بیٹھے کراہتے ہوئے اپنے بازو کو ادھر اُدھر جھلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کیا ہوا؟'' میں نے بھیڑ میں ایک شخص سے پوچھا۔

اس نے سر گھما کر مجھے دیکھے بغیر کہا ''لوٹ مار کی واردات ہے۔''

میں مسٹر گولڈ کے اور قریب ہو گیا۔ ایک پولیس والا ان پر جھکا ہوا تھا۔ میں نے مسٹر گولڈ کے ہونٹ ہلتے دیکھے لیکن سن نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

میں اور قریب ہو گیا۔ ان کی آواز سن کر میرا ہر خوف دور ہو گیا ''میں کیسے دیکھ سکتا تھا اسے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون تھا'' وہ چلائے۔

''میں نے بتایا نا کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ ارے..... مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ کتے کے بچے نے میرا بازو توڑ دیا ہے۔''

بھیڑ چھٹنے لگی۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ نکل آیا اور گھر کی طرف چل دیا۔ خاموشی

سے گھر میں داخل ہو کر میں کپڑے بدلنے لگا۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ رقم کی تھیلی اب بھی میرے پاس ہے۔

میں جلدی سے باتھ روم میں گھس گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہاں میں نے تھیلی کھول کر رقم نکالی اور گنی۔ ۱۳۵ ڈالر! میرا دل خوش ہو گیا۔

رقم میں نے جیب میں ٹھونسی اور ادھر اُدھر دیکھا۔ اب مجھے اس تھیلی سے پیچھا چھڑانا تھا۔ ٹوائلٹ کے اُوپر ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ میں نے ٹوائلٹ کے اُوپر چڑھ کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ بہت مناسب جگہ تھی۔ میں نے تھیلی کو اس کھڑکی میں آگے تک دھکیل دیا۔ اب اس پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

اس کام سے نمٹ کر میں اپنے کمرے میں آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی لیکن بے شمار وسوسے میرے دماغ میں کلبلانے لگے۔ کیا پتا، تکلیف سے نجات ملنے پر مسٹر گولڈ کی یادداشت کام کرنے لگے۔ انہیں اتنا وقت ملا تھا کہ وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ کتنی دیر انہوں نے میرا پاؤں پکڑے رکھا تھا۔ کیا اس دوران انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہو گا؟

سونے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ میں اعصاب زدہ ہو گیا۔ ہر آواز پر میں دہل رہا تھا۔ ایک دروازے کے بند ہونے کی آواز سنائی دی تو میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ مجھے گرفتار کرنے آ گئے ہیں۔

میں جلدی سے اُٹھا اور دروازے سے کان لگا دیے۔ پھر میں نے سکون کی سانس لی۔ ماما اور پاپا باتیں کر رہے تھے۔ پاپا ابھی کام سے واپس آئے تھے۔ میں پھر بستر پر جا لیٹا۔ تکیے پر سر رکھتے ہوئے میں نے سکون کی سانس لی۔ کیا حماقت ہے؟ میں نے سوچا۔ مجھ پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ کوئی وجہ ہی نہیں ہے اس کی۔ دھیرے دھیرے میرے اعصاب پر سکون ہونے لگے لیکن نیند پھر بھی نہیں آئی۔

وہ رات بہت طویل تھی۔ میں نے پہلو کے بل لیٹ کر تکیے کا کونہ منہ میں رکھ لیا کہ میری چیخ نہ نکل جائے۔ پھر میں دعا کرتا رہا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی دعا نہیں کی تھی۔

میں نے خدا سے مدد مانگی کہ وہ مجھے گرفتاری سے بچا لے۔ میں نے خدا سے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا۔

صبح کی روشنی کمرے میں در آئی۔ میری تھکی ہوئی آنکھیں خود بہ خود مندنے لگیں لیکن وہ بھی صحیح معنوں میں نیند نہیں تھی۔ میرے دماغ میں مسٹر گولڈ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز گونج رہی تھی۔

کوئی مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں نے ان ہاتھوں کو ہٹانے کی کوشش کی۔ میں تھکن اور نیند کی کمی سے نڈھال تھا۔ جھنجھوڑنے والا مجھے پکار بھی رہا تھا۔ ''اُٹھو ڈینی...... اٹھ جاؤ''

میں نے کروٹ بدلی اور بڑبڑاتے ہوئے کہا ''میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ مجھے سونے دو''

مجھے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں پھر اپنی ہذیانی نیند میں چلا گیا۔ واردات کا ہر منظر فلم کی طرح میری بند آنکھوں کے پردے پر چل رہا تھا۔ مگر پھر وہ منظر نظر آئے، جو حقیقت نہیں تھے، لیکن مجھے حقیقت لگ رہے تھے۔ میں ڈنڈا مارنے والا تھا کہ مسٹر گولڈ نے پلٹ کر مجھے دیکھا ''میں تمہیں جانتا ہوں'' وہ چلائے ''تم ڈینی فشر ہو'' اسی وقت ڈنڈا ان کے سر پر لگا اور وہ گرنے لگے۔

''نہیں...... نہیں'' میں چلایا۔

ایک ہاتھ نے میرے کندھے کو تھام لیا۔ میں اُچھل کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ ماما تھیں ''کیا ہوا ڈینی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

میں کروٹ بدل کر لیٹ گیا ''میں ٹھیک ہوں ماما''

ماما نے میری جلتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر نرم لہجے میں بولیں ''سو جاؤ ڈینی! تم پوری رات خواب میں چیختے رہے ہو''

☆☆

میری آنکھ کھلی تو سورج چڑھ چکا تھا۔ میں نے اٹھ کر انگڑائی لی اور پاؤں فرش پر لٹکا دیے۔

"اب کچھ بہتر محسوس کر رہے ہو بلونڈی؟" ماما نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ میرے بیڈ پر ہی بیٹھی تھیں "جی ماما" میں نے شرمندگی سے کہا "پتا نہیں، مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

ماما نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھائی "لو، یہ پی لو"

چائے پی کر میں باتھ روم میں گیا۔ تیار ہو کر باہر نکلا۔ کچن کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ دو بج رہے تھے "پاپا کہاں ہیں؟" میں نے ماما سے پوچھا۔

"انہیں آج جلدی اسٹور جانا پڑ گیا۔ مسٹر گولڈ کو کچھ ہو گیا ہے"

"اچھا" میں نے سرسری انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ماما نے پلٹ کر پرتشویش نگاہوں سے مجھے دیکھا "تم کہاں جا رہے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نہیں تمہاری"

"مجھے ضروری کام سے جانا ہے ماما۔ کچھ لڑکوں سے ملنے کا وعدہ کیا تھا" میں نے کہا۔

"یہ اتنا اہم نہیں ہے۔ تم ان سے بعد میں بھی مل سکتے ہو۔"

"نہیں ماما، یہ ضروری ہے اور تازہ ہوا سے بھی مجھے فرق پڑے گا" میں دروازہ بند کر کے سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

☆☆

کینڈی اسٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے سولی کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ پھر میں آگے بڑھتا گیا۔ چند دروازے پار کر کے میں بلڈنگ میں گھس گیا اور ہال وے میں انتظار کرنے لگے۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ آئے تو رقم میرے ہاتھ میں تھی "یہ لو" میں نے رقم ان کی طرف بڑھا دی۔

سولی نے رقم گنے بغیر جیب میں رکھ لی لیکن اسپٹ نے نوٹ گنے اور پھر شک آمیز نظروں سے مجھے دیکھا "صرف ۳۰ ڈالر؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "جس رفتار سے تم وقت پڑنے پر بھاگے، اس کے بعد تو جو کچھ بھی ملے، وہ تمہاری خوش قسمتی ہی ہے" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

اس کی نظریں جھک گئیں۔ "مجھے زیادہ کی اُمید تھی" اس نے آہستہ سے کہا۔

میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ "جیسے ابھی رقم گنی ہے، ویسے ہی رات کو بھی گن لیتے۔ مگر اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ رُکنا پڑتا۔ بھاگتے وقت تو تمہیں نہ رقم یاد رہی تھی نہ میں"

اس نے نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ ان میں بے یقینی تھی لیکن وہ اس کا اظہار کرتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں گھورتا رہا "اوکے ڈینی" اس نے مجھ پر رال کی بوچھار کرتے ہوئے کہا "میں کوئی شکایت تو نہیں کر رہا ہوں" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور باہر چلا گیا۔

میں سولی کی طرف مڑا۔ وہ ہم دونوں کو غور سے دیکھ رہا تھا "تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ ہے؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

سولی دھیرے سے مسکرایا "نہیں ڈینی! مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "بس تو اب یہاں سے کھسک لو" میں نے نرم لہجے میں کہا "ہمیں ساتھ نظر نہیں آنا چاہیے۔"

☆☆

ہم ٹرالی کار سے اُترے۔ نیلی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پرتجسس لہجے میں پوچھا "ہم کہاں جا رہے ہیں ڈینی؟"

"خود ہی دیکھ لینا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے اسٹور بند ہونے کے بعد اسے پک کیا تھا "میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں"

وہ خوش خوش میرے ساتھ چلتی رہی۔ مگر اب اچانک مجھے ڈر لگنے لگا تھا کہ وہ مجھ پر ہنسے گی، میرا مذاق اُڑائے گی۔ اب ہم وہاں پہنچنے ہی والے تھے۔ میں نے سوچا، اب بتانے میں کیا حرج ہے۔ ہم تاریک سنسان کارنر پر کھڑے تھے۔ رات کے دس بج رہے

تھے۔ وہ بروک لین کے اس علاقے میں پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر سڑک کے پار اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھ رہی ہو؟''

اس نے اشارے کی سمت دیکھا اور پھر مجھے ''کیا دیکھوں؟ وہاں تو بس ایک خالی مکان ہے۔''

''ہم اسی کو دیکھنے تو آئے ہیں'' میں نے کہا۔ پھر میں نے اپنے گھر کو دیکھا اور چند لمحوں کے لیے میں یہ بھی بھول گیا کہ نیلی میرے ساتھ ہے۔ میں نے کہا ''کتنا خوبصورت ہے...... ہے نا؟''

''لیکن یہ تو خالی ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب مسٹر گولڈ راستے سے ہٹ گئے ہیں، پاپا کو منیجر بنا دیا جائے گا اور ہمیں یہ مکان واپس مل جائے گا...... ''میرا گھر!''

''تم آدھی رات کو یہ مکان دیکھنے کے لیے آئے ہو'' نیلی نے مجھے چونکا دیا ''ایک خالی مکان!''

''یہ کوئی عام مکان نہیں ہے نیلی۔ یہ میرا گھر ہے...... میرا۔ کبھی میں یہاں رہتا تھا۔ اب شاید جلد ہی ہم دوبارہ یہاں آجائیں گے۔''

اُس کی آنکھوں میں چمک سی اُبھری۔ اس نے ایک نظر مکان کو، اور پھر مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر نرمی سی بکھر گئی ''یہ بہت خوبصورت مکان ہے ڈینی'' اس کے لہجے نے میرے دل کو نرمی سے سہلایا۔

''پاپا نے یہ میری آٹھویں سالگرہ پر مجھے تحفے میں دیا تھا'' میں نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا ''جس روز ہم یہاں شفٹ ہوئے، اسی دن میں یہاں ایک گہرے گڑھے میں گر گیا تھا۔ اس گڑھے میں مجھے ایک چھوٹا سا پلا ملا تھا۔ میں نے اسے پال لیا لیکن جس روز ہم ایسٹ سائیڈ منتقل ہوئے، وہ اسٹانٹن اسٹریٹ پر ٹرک کے نیچے آکر مر گئی۔ میں نے اسے یہاں لا کر دفن کیا تھا۔ مجھے ریکسی سے بہت پیار تھا...... شاید دنیا کی ہر چیز سے زیادہ۔''

نیلی کی آنکھوں میں محبت جگمگا رہی تھی۔ ''تم دوبارہ یہاں آؤ گے۔ خوش رہو گے۔ میں تمہارے لیے دعا کروں گی ڈینی''

میں نے فخر سے اسے دیکھا۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ وہ میرے جذبات کو سمجھے گی، ان کا احترام کرے گی اور اس نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اُٹھایا اور اپنے ہونٹوں سے لگا لیا ''آؤ نیلی، اب واپس چلیں''

اس بار واپس جانا مجھے برا نہیں لگا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بہت جلد میں اپنے گھر میں واپس آؤں گا۔

............☆☆............

میں گھر میں داخل ہوا تو کچن کی تیز روشنی نے مجھے پلکیں جھپکانے پر مجبور کر دیا۔ گھپ اندھیرے سے روشنی میں آنے پر ایسا ہی لگتا ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو ماما اور پاپا مجھے گھورنے لگے۔

''آپ آج جلدی گھر آگئے؟'' میں نے پاپا سے کہا۔ شاید انہیں خوشخبری مل گئی تھی۔

لیکن پاپا غصے میں تھے۔ ان کے چہرے پر کھنچاؤ تھا ''لیکن تم بہت دیر سے آئے ہو۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا ''کہاں تھے تم؟''

میں نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور پاپا کو دیکھا۔ ان کا ردِعمل میری توقع کے مطابق نہیں تھا۔ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟ کہیں گولڈ نے مجھے پہچان تو نہیں لیا لیکن میں مطمئن تھا کہ خدا سے معافی مانگ چکا ہوں۔

''کہاں تھے؟'' پاپا نے اپنا سوال دہرایا۔

پاپا کا غصہ اور بڑھ گیا ''یہ کیسا جواب ہے؟'' وہ چلائے ''تمہاری ماں پریشان رہی پورے دن کہ رات تمہاری طبیعت خراب تھی اور تم اتنی دیر سے گھر آکر یہ جواب دے رہے ہو؟ جواب دو۔ مجھے جواب چاہیے۔''

میں نے ہونٹ بھینچ لیے ''میں نے ماما کو بتا دیا تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس

کے بعد انہیں پریشان ہونا ہی نہیں چاہیے تھا''

''تم کھانے کے وقت گھر کیوں نہیں آئے؟ تمہاری ماں ہولتی رہی تمہارے لیے کہ تمہیں کچھ ہو نہ گیا ہو۔اس کی اپنی طبیعت خراب ہوگئی''

''مجھے افسوس ہے'' میں نے آزردگی سے کہا ''مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ یہ پریشان ہوں گی۔''

''افسوس کی بات مت کرو۔ میری بات کا جواب دو'' پاپا پھر چلائے۔

میں نے ایک پل انہیں دیکھا۔ان کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہوگیا تھا۔ایسے میں ان سے بات کرنا لاحاصل تھا۔ میں اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے پلٹا لیکن پاپا نے مجھے کندھے سے تھام کر اپنی طرف گھما دیا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان کے ہاتھ میں بیلٹ تھی، اور وہ اسے لہرا رہے تھے''ابھی تک تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ہے'' انہوں نے گرج کر کہا ''میں نے تمہیں سر پر چڑھایا، بگاڑ دیا تمہیں۔ جب سے تم یہاں آئے ہو، خود کو نجانے کیا سمجھنے لگے ہو، جیسے تم کسی کو جواب دہ ہی نہیں۔ جب چاہو آؤ، جب چاہو جاؤ لیکن مجھے سدھارنا بھی آتا ہے۔ آج میں تمہاری ساری اکڑفوں نکال دوں گا۔تمہیں جواب دینا ہے میری بات کا''

میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ پاپا نے کبھی غصے میں مجھ پر ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا۔ مجھے اس پر بڑا مان تھا اور مجھے یقین تھا کہ آج بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جبکہ اب تو میں ان سے بھی لمبا ہوگیا ہوں۔ میں خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

انہوں نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا ''کہاں تھے تم؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ بیلٹ ہوا میں لہراتی ہوئی آئی اور میرے چہرے کی سائیڈ سے ٹکرائی۔ میری آنکھوں کے آگے رنگ برنگے دائرے ناچنے لگے۔ پھر مجھے ماما کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے سر جھٹکا اور آنکھیں کھولیں۔ ماما پاپا کا ہاتھ تھام کر ان سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ مجھے نہ ماریں۔

پاپا نے انہیں ایک طرف دھکیل دیا ''برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے'' اپنے بیٹے

سے تو آدمی کو عزت ملنی چاہیے۔''

بیلٹ پھر لہرائی۔ میں نے ہاتھ آگے کی طرف پھیلا کر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہدف پھر میرا چہرہ ہی تھا۔ میں نے خود کو فرش پر گرتا محسوس کیا۔ میں جیسے کسی اذیت کے سمندر میں تھا۔ میں نے دھندلائی ہوئی نظروں سے پاپا کو دیکھا۔ میں انہیں روک سکتا تھا میں ان سے جب چاہتا، بیلٹ چھین سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اگلے وار سے تو میں نے بچنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بیلٹ لہراتی ہوئی آئی۔ میں نے اذیت برداشت کرنے کے لیے سختی سے دانت پر دانت جما دیے۔

ماما نے پھر پاپا کو پکڑنے کی کوشش کی ''کیا کر رہے ہو ہیری؟ کیا مار ڈالو گے اسے؟''

انہوں نے ماما کو جھٹک دیا۔ وہ بے بسی سے کرسی پر جا گریں۔ اب پاپا سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، جیسے وہ روتے رہے ہوں۔

بیلٹ اُٹھتی، گرتی رہی۔ میں نے سختی سے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر مجھے پاپا کی آواز سنائی دی ''اب تم جواب دو گے مجھے؟''

میں نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہاں تین پاپا تھے اور تین بیلٹیں، اور وہ تینوں مسلسل گھوم رہے تھے۔ میں نے سر جھٹک کر ذہن کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ پاپا نے اپنے تین ہاتھ اُٹھائے۔ تین بیلٹس لہرائیں......

''میں...... میں گھر گیا تھا''

بیلٹ میرے جسم سے نہیں ٹکرائی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ تینوں بیلٹس میرے سر کے بہت قریب رُکی ہوئی تھیں۔ پاپا کی آواز مجھے بہت دور سے آتی محسوس ہوئی ''گھر؟ کیسا گھر!''

اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی غیرارادی طور پر ان کے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ میں نے ایک سسکی لی۔ پھر بولا تو اپنی آواز میں خود بھی نہیں

پہچان سکا'' اپنے گھر۔ میں یہ دیکھنے گیا تھا کہ وہاں کوئی رہ رہا ہے یا نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اب پاپا کو مسٹر گولڈ کی جگہ مل جائے گی۔ وہ منیجر بن جائیں گے، اور ہم اپنا گھر واپس لے سکیں گے۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی...... طویل خاموشی۔ وہاں میری سانسوں کی کھڑکھڑاہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ ماما میرے پاس فرش پر بیٹھ گئیں، اور میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

میں نے پھر آنکھیں کھولیں اور پاپا کو دیکھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے تھے، اور خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا جسم جیسے سکڑ نے لگا اور وہ ایک دم بوڑھے لگنے لگے۔ پھر ان کے ہونٹ ہلے ''یہ خیال تمہیں کیسے آیا؟'' وہ دھیمی آواز میں بولے ''رات گولڈ نے مجھے بتا دیا تھا کہ اسٹور مسلسل خسارے میں جا رہا ہے۔ اس لیے یہ مہینہ مکمل ہوتے ہی اسے بند کر دیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ پہلی تاریخ سے میں بے روزگار ہو جاؤں گا۔''

مجھے یقین نہیں آیا...... کیسے آتا۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو میرے رخساروں سے پھسلنے لگے۔ پھر میری سمجھ میں آیا کہ رات گولڈ پاپا سے یہ بات کر رہا تھا۔ اسی لیے تو پاپا کے کندھے جھک گئے تھے، اور وہ اتنے شکست خوردہ نظر آنے لگے تھے۔

سب کچھ واضح ہو گیا۔ پاپا کا غصہ، صبح ماما کے چہرے پر پریشانی...... سب واضح تھا۔ ایک لمحے کو میں پھر سے چھوٹا سا بچہ بن گیا۔ میں نے ماما کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

تو میں نے جو کچھ کیا، وہ بے سود تھا...... لاحاصل! میں کب تک بچہ بنا رہوں گا؟ کب تک خوابوں کی دنیا میں جیتا رہوں گا؟ اب مجھے بڑا ہو جانا چاہیے۔ مجھے حقائق کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ مجھے اپنا مکان کبھی واپس نہیں مل سکے گا۔ اس دنیا میں پیسہ سب سے بڑی چیز ہے...... پیسہ!

............☆☆............

میں نے جھکائی دے کر اس کے تھکے ہوئے رائٹ کو غیر موثر کیا اور اپنا لیفٹ اس

کی طرف اُچھالا۔ اس کا دفاعی حصار ٹوٹ گیا۔ وہ پنچ اس کے لیے ہتھوڑا تھا۔ میں رائٹ استعمال کرنے والا تھا کہ راؤنڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی۔

میں اپنے کارنر میں اسٹول پر جا بیٹھا۔ میں مسکرا رہا تھا۔ وہ میرے چہرے کو اسفنج سے صاف کرنے لگا ''کیا محسوس کر رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''فرسٹ کلاس جوزف'' میں نے پراعتماد لہجے میں کہا ''اس راؤنڈ میں اسے گرا دوں گا میں۔ وہ اب محض ایک خالی ڈبا ہے۔''

جوزف یوٹیٹو نے نرم لہجے میں کہا ''اپنی سانس بچا کر رکھو'' وہ اب میرے کندھوں پر اسفنج پھیر رہا تھا ''محتاط رہو۔ کچھ بھی ہو، اس کا رائٹ بہت پاورفل ہے۔ کوئی خطرہ مول نہ لینا۔ میں نے نیلی سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمہیں پٹنے نہیں دوں گا۔''

میں نے جوزف کے سر کو اپنے دستانے سے چھوا۔ میرے انداز میں محبت تھی ''میرا خیال ہے، اس بار تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

جوزف بھی مسکرایا ''بس میری عزت رکھ لو۔ نیلی تمہاری گرل فرینڈ سہی، لیکن میری بہن ہے۔ میں اسے جتنا جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ وہ تو اب بھی مجھ پر برستی رہتی ہے کہ میں نے تمہیں اس دھندے میں پھنسایا ہے۔''

میں جواب دینے ہی والا تھا کہ نئے راؤنڈ کی گھنٹی بج گئی۔ میں اُچھل کر اٹھا جوزف رنگ سے باہر نکل گیا۔ میں تیز قدموں سے چلتا رنگ کے وسط میں پہنچا۔ میں نے جھکائی دیتے ہوئے خود کو اپنے حریف کے لیفٹ جیب سے بچایا۔ پھر میں دونوں ہاتھ نیچے کیے، اس کے گرد چکرانے لگا۔ میرا ترکش پنچ کے تیروں سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے بس ایک موقعے کی تلاش تھی۔

لیکن میرا حریف بہت محتاط تھا۔ لوگ ہوٹنگ کر رہے تھے، پاؤں پٹخ پٹخ کر بےزاری کا اظہار کر رہے تھے۔ مجھے غصہ آنے لگا۔ صرف دس ڈالر کی سونے کی گھڑی کے عوض نجانے وہ کیا اُمید رکھتے ہیں فائٹروں سے۔ کیا ہم ایک دوسرے کو مار ڈالیں اس گھڑی کے لیے!

میں نے پرتشویش نظروں سے اپنے کارنر کی طرف دیکھا۔

میری چھٹی حس نے مجھے بچالیا۔ میں نے بلاارادہ جھکائی دی لیکن کن انکھیوں سے دیکھنے پر مجھے اپنے حریف کا رائٹ اپنی ٹھوڑی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جھکائی کی وجہ سے وہ میرے کندھے کو تقریباً چھوتا ہوا گزرا۔ اس کے نتیجے میں میں اپنے حریف کے دفاعی حصار میں داخل ہوگیا۔

میں اپنا رائٹ نیچے سے، جسم کی پوری طاقت کے ساتھ اُوپر لایا۔ وہ لاجواب اپرکٹ تھا، جو اس کی ٹھوڑی سے ٹکرایا۔ اس کی آنکھیں ایک دم سے دھندلائیں، وہ لڑکھڑاتا ہوا میری طرف گرا۔ مجھ سے لپٹنے ہی میں اس کی عافیت تھی۔ مگر میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے میں نے اس کے لیفٹ ہک رسید کیا۔ وہ منہ کے بل گر پڑا۔ میں پراعتماد انداز میں اپنے کارنر کی طرف آ گیا۔ میں جانتا تھا کہ فائٹ ختم ہو چکی ہے۔ لوگ اب خوشی سے چلا رہے تھے۔

جوزف رنگ میں آ گیا اور تولیے سے میرے کندھوں کا پسینہ پونچھنے لگا'' کاش! تم ۱۸ سال کے ہوتے'' اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

میں ہنستے ہوئے دوبارہ رنگ میں گیا۔ ریفری نے میرا ہاتھ تھام کر اُوپر اُٹھایا'' اس لیول پر تم کسی کے بس کے نہیں'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ میں پھر ہنس دیا۔

☆☆

جوزف نے ڈریسنگ روم میں جھانکتے ہوئے پکارا'' جلدی کرو ڈینی''

'' میرے جوتوں کے لتھے باندھ دو زیپ''

'' باس نے تمہیں دفتر میں بلایا ہے'' زیپ نے لتھے باندھتے ہوئے کہا۔

میں اس کے ساتھ باہر کاریڈور میں آیا۔ مجمع کا شور یہاں بہت ہلکا لگ رہا تھا

'' اس بلاوے کا کیا مطلب ہے زیپ؟''

زیپ نے کندھے جھٹک دیے۔'' مجھے کیا معلوم۔ کیا پتا، وہ تمہیں کوئی میڈل دینا چاہ رہا ہو'' لیکن لفظوں کے برعکس اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

ہم ایک دروازے کے سامنے رک گئے، جس پر..... 'پرائیویٹ' کی تختی لگی تھی۔

جوزف نے دروازہ کھولا'' گڈ! تم اندر جاؤ''

میں نے کمرے میں داخل ہو کر متجسس نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔ یہاں بڑے لوگ آتے تھے، وہ لوگ جو مال کماتے تھے۔ مجھ جیسے گھڑی کے انعام کے لیے لڑنے والے فائٹر نہیں۔

لیکن کمرے کو دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ وہ چھوٹا کمرا تھا۔ دیواروں پر فائٹرز کی تصویریں لگی تھیں۔ وہ میری توقع سے بہت کم تھا۔ کمرے میں کئی افراد بیٹھے سگار پی رہے تھے، اور باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چپ ہو گئے اور غور سے مجھے دیکھنے لگے۔ جیسے نگاہوں میں مجھے تول رہے ہوں۔

میں نے چھچھلتی ہوئی نظر ان پر ڈالی، پھر جمنازیم کے مالک کی طرف مڑا

'' آپ نے مجھے بلایا ہے مسٹر اسکوپاس؟''

اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ اُوپر لگے بلب کی روشنی میں اس کا گنجا سر چمک رہا تھا'' تم ڈینی فشر ہو؟'' آنکھوں کی طرح اس کا لہجہ بھی بے تاثر تھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ مسکرایا تو اس کے پیلے دانت نمایاں ہو گئے۔'' میرے آدمی بتاتے ہیں کہ تم بڑی چیز ہو۔ اب تک تمہارے پاس گھڑیوں کا ڈھیر جمع ہو چکا ہے۔'' میں بھی جواباً مسکرایا۔

اس کا انداز دوستانہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں انہیں رکھ پاتا تو یقیناً اب تک ڈھیر جمع ہو چکا ہوتا۔''

جوزف نے کہنی سے مجھے ٹھوکا دیا'' اس کا مطلب ہے مسٹر اسکوپاس کہ یہ گھڑیاں اپنے باپ کو دے دیتا ہے'' اس نے وضاحت کی اور تنبیہی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں کوئی انسپکٹر بھی ہو سکتا تھا۔

اسکوپاس جوزف کی طرف مڑا'' تم کون ہو؟''

'' یہ میرا منیجر ہے'' میں نے جلدی سے کہا'' یہ پپی یوٹیٹو کے نام سے فائٹ کرتا

رہا ہے۔"

اسکوپاس کی آنکھیں کچھ پھیل سی گئیں "ہاں۔ کچھ کچھ یاد آتا ہے مجھے۔ کمزور جبڑے والا ایک لڑکا" پھر اچانک اس کی آواز میں بے مہری در آئی۔

"تو اب تم کیا کرتے ہو۔ چمچہ گیری؟"

جوزف نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا "نہیں مسٹر اسکوپاس، میں......"

اسکوپاس نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے تمہارے دوست سے کاروباری بات کرنی ہے"

جوزف نے ایک نظر اسے اور پھر مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی سی جھلکی، وہ جانے کے لیے پلٹا۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "رک جاؤ زیپ" پھر میں اسکوپاس کی طرف مڑا "آپ غلط سمجھ رہے ہیں مسٹر اسکوپاس۔ زیپ میری گرل کا بھائی ہے۔ یہ تو میرے اصرار پر میری دیکھ بھال کرتا ہے۔ یہ جائے گا تو میں بھی نہیں رکوں گا۔"

اسکوپاس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ وہ مسکرایا "تو یہ پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا تمہیں۔ اس بات سے تو بہت فرق پڑتا ہے" اس نے اپنی جیب سے سگار نکال کر جوزف کی طرف بڑھایا "یہ میری طرف سے سگار قبول کرو ویٹو اور میری پچھلی تمام باتیں بھول جاؤ۔"

زیپ نے سگار لے کر جیب میں رکھ لیا۔ اس کی پریشانی دور ہو گئی تھی اور اب وہ بھی مسکرا رہا تھا۔

میں نے اسکوپاس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا؟"

اس کا چہرہ پھر بے تاثر ہو گیا۔ "تم اس کلب میں بہت کامیاب جا رہے ہو۔ میں یہ بات تمہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"بہت شکریہ" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "لیکن ابھی آپ نے کسی کاروباری بات

کا تذکرہ کیا تھا"

ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں بجلی سی چمکی، لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر بے تاثر ہو گئیں "شہر والوں کو ٹیلنٹ کی تلاش رہتی ہے۔ میں نے انہیں تمہارے بارے میں بتایا تھا" اس نے کہا "انہوں نے تمہاری پچھلی کئی فائٹیں دیکھیں اور تم انہیں اچھے لگے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ دھندا تمہارے شایانِ شان نہیں۔ چنانچہ ہم تمہیں اپنی تحویل میں لے رہے ہیں۔ تمہارے انعامی گھڑی کے لیے لڑنے کے دن ختم ہوئے۔"

"تو اب مجھے کس چیز کے لیے لڑنا ہوگا؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"شہرت اور ناموری کے لیے۔ اب تمہیں اپنی ساکھ بنانی ہوگی۔"

"زبردست اور پیسوں کے لیے میں کیا کروں گا؟ گھڑی بہرحال دس ڈالر کی تو ہوتی ہے۔"

اسکوپاس کی مسکراہٹ بھی سرد تھی۔ اس نے سگار کا دھواں میری طرف اُچھالا "یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ جب تک تم پروفیشنل نہیں بنتے، ہم تمہیں ہر ماہ سو ڈالر دیں گے۔ پھر جب تم کمانے لگو گے تو اس میں ہمارا حصہ ہوگا۔"

"میں مہینے میں دس سے زیادہ گھڑیاں جیت لیتا ہوں۔" میں نے حقارت سے کہا۔ زیپ میرا بازو دبا رہا تھا لیکن میں نے اسے نظرانداز کر دیا۔ میں اتنا سستا بکنے والا نہیں تھا "اور اگر میں تمہاری پیشکش قبول نہ کروں تو؟"

"تو کچھ نہیں" اسکوپاس نے بے پروائی سے کہا "لیکن تم عقلمند ہو، جانتے ہو کہ ان لڑکوں کو ناک آؤٹ کر کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ جبکہ یہاں وہ شخص بھی موجود ہے جو تمہارے پروفیشنل بننے کے بعد تمہارے معاملات سنبھالے گا"

"تم بڑے یقین سے بات کر رہے ہو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں فائٹر بننا چاہتا ہوں"

"تمہیں پیسے کی ضرورت ہے کِڈ" اسکوپاس کے لہجے میں اعتماد تھا "اس لیے تم فائٹر بنو گے۔ ورنہ دس ڈالر کی گھڑی کے لیے کیوں فائٹ کرتے"

یہ بات اس کی درست تھی۔ پیسوں کی تو مجھے ضرورت تھی۔ پاپا اب بھی بے روزگار تھے۔ ان گھڑیوں ہی پر ہمارا گزارا تھا۔ مسٹر گولڈ والے تجربے نے مجھے سکھا دیا تھا کہ رہزنی اور ڈکیتی کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے لیکن اب فائٹ سے بھی میں اُکتانے لگا تھا۔ اس میں میرے لیے کوئی مستقبل نہیں تھا۔ میں نے کتنے ہی چہرے بگڑے لوگوں کو دیکھا تھا۔ مجھے اپنا چہرہ بگڑوانا پسند نہیں تھا۔

میں جوزف کی طرف مڑا ''آؤ زیپ، چلیں'' پھر میں نے اسکوپاس کی طرف دیکھا ''خدا حافظ مسٹر اسکوپاس۔ جو کچھ آپ نے سوچا، میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ سے مل کر مجھے اچھا لگا۔''

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ باہر کھڑے ایک شخص نے مجھے روکنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بغیر دیکھے اس کا ہاتھ جھٹکا اور آگے بڑھنے لگا۔

''اے ڈینی فشر! کیا اپنے نئے منیجر سے ملے بغیر ہی چلے جاؤ گے؟'' ایک جانی پہچانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو میری باچھیں کھل گئیں۔ میں اس سے لپٹ گیا ''سام...... سام واٹکن، مجھے پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ یہ تم ہو۔'' عقب سے مسٹر اسکوپاس کی آواز، لہجے میں معذرت لیے اُبھری ''سوری مسٹر واٹکن، لڑکا نہیں مان رہا ہے''

سام نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے تیزی سے ذہن بنایا۔ میں نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے اسکوپاس کو دیکھا ''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو مسٹر اسکوپاس تو مجھے آپ کی پیشکش منظور ہے۔''

☆☆

چند منٹ بعد سام نے کہا ''چلو ڈینی! تمہیں کچھ کھلا دوں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔''

''ایک منٹ سام! میں ابھی آیا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر میں اسکوپاس کی ڈیسک کی طرف گیا۔ کمرے کے ماحول میں اب ذرا بھی کشیدگی نہیں تھی۔ حد یہ کہ

اسکوپاس بھی مسکرا رہا تھا ''مسٹر اسکوپاس، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''کوئی بات نہیں کڈ! اب سب ٹھیک ہے۔''

میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ''لیکن آج کی گھڑی تو میں آپ سے لوں گا۔''

اس نے قہقہہ لگایا اور شہر سے آنے والوں کی طرف دیکھا ''یہ لڑکا بہت آگے جائے گا۔ اگر میرے پاس پانچ ہزار ڈالر ہوتے تو میں اسے کسی اور کو کبھی نہ دیتا۔''

میرے چہرے پر حیرت دیکھ کر وہ سب ہنسنے لگے۔ میں نے سام کی طرف دیکھا تو اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ میں پھر اسکوپاس کی طرف مڑا۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ سام یقیناً کامیاب جا رہا ہے۔ ورنہ وہ مجھ پر پانچ ہزار ڈالر نہیں لگا سکتا تھا۔

اسکوپاس نے جیب سے دو نوٹ نکالے اور میرے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیے ''سمجھ لو کہ گھڑی تم نے مجھے بیچ دی ہے۔''

میں نے رقم جیب میں رکھی، اسکوپاس کا شکریہ ادا کیا اور سام سے کہا ''آؤ چلیں'' میرے لہجے میں اس کے لیے احترام تھا۔

☆☆

میں نے پلٹ کر حسرت سے دیکھا اور اپنا کانٹا ایک طرف رکھ دیا ''اب میں اور نہیں کھا سکتا تھا'' پھر میں نے جوزف سے کہا ''زیپ! تم کیسے جا رہے ہو؟'' مجھے افسوس تھا کہ اتنی کلیجی ضائع ہوگی۔

جوزف کا منہ بھرا ہوا تھا ''شاندار ڈینی'' اس نے بہ مشکل جواب دیا۔

میں نے سام کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی ہاتھ روک لیا تھا۔ وہ بھی پلیٹ خالی نہیں کر سکا تھا۔ ''مجھے ان دنوں اپنے وزن کی طرف سے فکر ہے کڈ''

بات درست تھی اس کا وزن کافی بڑھ گیا تھا۔

''پچھلے سال تم نے میرے خط کا جواب کیوں نہیں دیا؟'' اچانک اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے حیرت سے دیکھا ''کیسا خط؟ مجھے تمہارا کوئی خط ملا ہی نہیں''

’’میں تمہیں تلاش کرتا پھرا۔ تمہارے گھر گیا تو پتا چلا کہ تم لوگ اب وہاں نہیں ہو۔ تمہارا نیا پتا کسی کو معلوم نہیں تھا۔‘‘ اس نے سگریٹ سلگائی ’’تمہارے لیے ایک کام تھا میرے پاس‘‘

’’پچھلے موسم گرما میں؟‘‘

’’ہاں‘‘

میں نے میز پر رکھے سام کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکالی ’’اس وقت میں بہت ضرورت مند تھا۔ حالات بہت خراب تھے‘‘ میں نے کہا۔

’’تم اسکول سے فارغ ہو گئے؟‘‘

’’نہیں۔ اس جون میں ہو جاؤں گا‘‘ میں نے سام کو تجسس سے دیکھا ’’تم نے مجھے تلاش کیسے کیا؟‘‘

’’میں تمہیں کبھی بھولا نہیں۔ تمہیں چمپیئن بنانا میرا خواب تھا اور مجھے یقین تھا کہ کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی تم کسی رِنگ میں ہی ملو گے۔ تم جیسا آدمی فائٹ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ میں نے ایک دوست کو تمہارے بارے میں بتایا اور تم پر نظر رکھنے کو کہا‘‘ سام نے کہا، پھر ہاتھ بڑھا کر میرے ہونٹوں میں دبی سگریٹ کھینچ لی ’’اب تم میرے لیے کام کر رہے ہو، یہ نہیں چلے گی۔‘‘

’’مجھے تمہارے لیے، تمہارے ساتھ کام کرنا پسند ہے سام لیکن میں فائٹر نہیں بننا چاہتا۔‘‘

’’تو معمولی گھڑیوں کے لیے کیوں فائٹ کرتے رہے ہو اب تک؟‘‘

’’پیسوں کے لیے اور جوزف کی مہربانی سے‘‘ میں نے جوزف کی طرف اشارہ کیا ’’تین راؤنڈ کی فائٹ ہوتی ہے اور میں ہفتے میں کبھی تین، کبھی چار گھڑیاں جیت لیتا ہوں۔ یہ اور بات ہے مجھے کوئی دشواری نہیں پیش آتی لیکن میں پرو نہیں بننا چاہتا۔ میں تو اسکول سے جان چھوٹنے کا منتظر ہوں۔‘‘

’’اور اسکول سے نکل کر کیا کرو گے؟ دنیا فتح کر لو گے؟ دس ڈالر فی ہفتہ کی کوئی

جاب، اس کے لیے بھی خوش قسمتی ضروری ہے‘‘ سام نے حقیقت پسندانہ لہجے میں کہا۔

میرا چہرہ تمتما اُٹھا ’’اس بارے میں تو میں نے نہیں سوچا تھا‘‘

’’میں جانتا تھا کہ نہیں سوچا ہوگا‘‘ سام نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ’’اور اب سوچنے کی ضرورت بھی نہیں۔ تمہاری طرف سے سوچنا میری ذمہ داری ہے۔‘‘

............☆☆............

میں نے آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ رخسار پر ضرب کا ایک ہلکا سا نشان تھا اور بس۔ گزشتہ رات کی فائٹ نے میرے چہرے اور کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی۔ میں مسکرا دیا۔

بالوں میں کنگھا کر کے میں باتھ روم سے نکلا۔ کچن کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں پاپا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں مسکراتا ہوا وہاں پہنچا ’’صبح بخیر‘‘ میں نے کہا۔

پاپا بات کرتے کرتے چپ ہو گئے اور انہوں نے میری طرف دیکھا۔ انہوں نے مجھے جواب نہیں دیا۔

’’بیٹھ جاؤ ڈینی‘‘ ماما نے جلدی سے کہا ’’اور ناشتہ کر لو‘‘

میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ پاپا مجھے گھور رہے تھے۔ ہر روز ان کے چہرے کی لکیروں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ پریشانی اور بے بسی کے اندھے کنویں میں قید تھے۔ ان کی آنکھوں کی مایوسی صرف اس وقت چھپتی تھی جب وہ کسی بات پر غصہ کرتے اور میں دیکھ رہا تھا کہ غصہ وہ بہت کثرت سے کرنے لگے ہیں۔ شاید غصے سے ان کی مایوسی میں کمی آتی تھی۔

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس ڈالر کا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا ’’رات میں نے کچھ رقم کمائی تھی‘‘ میں نے سرسری انداز میں کہا۔

پاپا نے ایک نظر نوٹ کو اور پھر مجھے دیکھا۔ ان کی آنکھیں دہکنے لگیں۔ ان کا یہ انداز میں پہچانتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے اندر غصہ اُبلنا شروع ہو گیا ہے۔ میں اپنی پلیٹ پر جھک گیا اور ناشتہ کرنے لگا۔ جو کچھ ہونے والا تھا اس سے میں کسی بھی طرح نہیں بچ سکتا تھا۔

چند لمحے سکون سے گزرے۔ پھر پاپا کی کھڑکھڑاتی ہوئی آواز اُبھری۔ غصے میں ان کی آواز بھاری ہو جاتی تھی۔ ''یہ کیسے کمائے تم نے؟ فائٹ کر کے؟'' انہوں نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ڈینی! یہ سچ نہیں ہے۔ ہے نا؟'' ماما نے پریشانی سے مجھے دیکھا۔

''ماں! ہمیں پیسے کی ضرورت ہے نا۔ تو میں اور کیا کروں؟''

ماما نے پاپا کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کی جلد پر سپیدی غالب آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ صحت مند نہیں ہیں۔ پھر وہ میری طرف مڑیں۔ ''ہم نے تم سے کہا تھا نا کہ یہ ہم نہیں چاہتے۔'' ان کے لہجے میں کمزور سا احتجاج تھا ''تم زخمی بھی ہو سکتے ہو۔ دیکھو! ہم کسی نہ کسی طرح گزارا کر لیں گے۔''

میں نے ماما کو دیکھا ''کیسے؟ کام تو کہیں ہے نہیں۔ کیا امداد سے کام چلائیں گے ہم!'' میں نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''وہ ہمارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ فائٹ میں تو ہم تمہیں کھو بھی سکتے ہیں۔''

''لیکن ماں! میں کوئی خطرہ مول نہیں لیتا ہوں۔ اب تک میں تیس سے زیادہ فائٹس لڑ چکا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ جو نقصان مجھے پہنچا ہے وہ ایک آدھ خراش ہوتی ہے، جو اگلے دن تک ٹھیک ہو جاتی ہے۔ میں محتاط ہوں ماں اور رقم بھی مل جاتی ہے۔''

ماما پاپا کی طرف مڑیں۔ میری دلیل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ پاپا کا اب پورا چہرہ سپید پڑ چکا تھا۔ انگلیاں یوں لرز رہی تھیں کہ وہ کافی کی پیالی نہیں تھام سکتے تھے۔ وہ مجھے گھور رہے تھے لیکن مخاطب وہ ماما سے ہوئے ''یہ سب اس لڑکی کا کیا دھرا ہے'' انہوں نے کہا ''وہ یہ سب کرواتی ہے اس سے۔ اسے کوئی پروا نہیں کہ یہ مر بھی سکتا ہے۔ اسے تو بس اپنی وقت گزاری کے لیے رقم چاہیے۔''

''یہ سراسر غلط ہے۔'' میں نے غصے سے کہا مجھے اندازا ہو گیا تھا کہ بات اسی رُخ سے آنے گی ''وہ بھی آپ کی طرح اس کی مخالف ہے اور میں یہ صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ کچھ کمانے کا اور کوئی طریقہ میرے پاس نہیں ہے۔''

پاپا نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ ان کی آنکھیں اب دہک رہی تھیں۔ وہ بولے تو ان کا لہجہ سرد تھا، اور اس میں نفرت اور حقارت تھی۔ ''وہ منحوس اطالوی طوائف'' وہ میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر بول رہے تھے ''تم جو راتیں اس کے ساتھ کارنرز پر اور اِدھر اُدھر ہال ویز میں گزارتے ہو، اس کے بدلے وہ کیا لیتی ہے تم سے؟ اپنی ہم مذہب کوئی لڑکی نہیں ملتی۔ کیونکہ وہ اس کی طرح بے حیا نہیں ہوگی۔ وہ اپنے لالچ کی خاطر اسے فائٹ پر نہیں اُکسائے گی۔ وہ ماں باپ سے ان کا اکلوتا بیٹا نہیں چھینے گی۔ بولو ڈینی! اس وقت گزاری کے بدلے تم اس ادا فروش لڑکی کو کیا دیتے ہو۔ وہ مفت میں تو تمہیں کچھ نہیں دے گی۔''

میرے اندر اُبلتا ہوا غصہ ایک پل میں سرد نفرت میں تبدیل ہو گیا۔ میں ناشتہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا ''آپ ایسی باتیں نہ کریں پاپا'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''اس کے بارے میں آئندہ کبھی ایسی بات نہ کیجیے گا۔ کم از کم میری موجودگی میں ہرگز ایسی بات نہ کریں۔''

میرے تصور میں اس وقت نیلی کا خوفزدہ چہرہ لہرا رہا تھا، جب میں نے اسے بتایا تھا کہ پیسے کے حصول کے لیے میں نے فائٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ بے چاری تو پاپا سے زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے پاپا'' فرطِ جذبات سے میرے لیے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ ''وہ ہمارے ہاں کی لڑکیوں سے بہت اچھی ہے۔ آپ اپنی ناکامیوں کا انتقام اس سے نہ لیں۔ ہم اس وقت جہاں کھڑے ہیں اس کے ذمہ دار آپ ہیں، وہ نہیں'' میں میز پر ہاتھ ٹکا کر ان کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد ان کی نظریں جھک گئیں۔ انہوں نے کافی کی پیالی اُٹھائی اور منہ سے لگا لی۔

ماما نے میرے بازو کو چھوتے ہوئے محبت سے کہا ''بیٹھ جاؤ، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے تمہارا''

میں کرسی پر ڈھے گیا لیکن اب میری بھوک مر چکی تھی۔ ایک عجیب سی تھکن مجھ پر

مسلط ہو گئی تھی۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ میں نے جلدی سے پیالی اُٹھائی اور کافی پی لی۔

ماما میرے برابر بیٹھ گئیں ''اپنے پاپا سے خفا نہ ہو ڈینی'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا ''یہ تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہہ رہے ہیں۔ یہ تمہاری طرف سے فکر مند رہتے ہیں۔''

میں اندر سے خود کو زخمی محسوس کر رہا تھا ''وہ بہت اچھی لڑکی ہے ماما'' میں نے تلخی سے کہا ''پاپا کو اس کے بارے میں ایسی ناروا باتیں نہیں کرنی چاہیے۔''

''لیکن ڈینی! وہ ہمارے مذہب کی نہیں ہے۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ لوگ میری بات سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔

''اچھا، پاپا کو جاب مل جائے تو تم فائٹنگ چھوڑ دو گے؟''

میری تھکن اور بڑھ گئی۔ یہ سب بہلاوے تھے ''نہیں ماما، بہت دیر ہو چکی۔ اب میں رُک نہیں سکتا۔''

''کیا مطلب..... کیا مطلب ہے تمہارا؟''

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ میں نے کسی اسپانسر سے ڈیل کر لی ہے۔ وہ مجھے سو ڈالر ماہانہ دیں گے اور جب میں ۱۸ سال کا ہو جاؤں گا تو پروفیشنل بن جاؤں گا۔''

ماما دہل کر رہ گئیں۔ ''لیکن.....''

''اب لیکن ویکن کی کوئی گنجائش نہیں ماما۔ معاملات طے ہو چکے ہیں۔ پاپا کو لازمت ملی تو بہ مشکل سو ڈالر ہی کی ہو گی۔ وہ مجھے مل رہے ہیں اور ہم اس میں گزارا کر سکتے ہیں۔''

ماما کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ بے بسی سے پاپا کی طرف مڑیں ''ہیری! اب کیا ہو گا؟ یہ تو بچہ ہے۔ اسے جسمانی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔''

پاپا مجھے گھور رہے تھے۔ ان کی آنکھ واضح طور پر پھڑک رہی تھی۔ انہوں نے ایک

گہری سانس لی ''یہ جو کرتا ہے، کرنے دو اسے۔ کاش! اسے نقصان پہنچے، یہ زخمی ہو۔ یہ اس کا مستحق ہے۔ یہی ہونا چاہیے اس کے ساتھ۔''

''ہیری!'' ماما نے شاک میں انہیں دیکھا۔ ''یہ ہمارا بیٹا ہے''

پاپا نے نفرت سے مجھے دیکھا ''یہ ہمارا بیٹا نہیں، یہ شیطان کا بیٹا ہے۔''

☆☆

میں تاریک ہال وے سے نکل کر دھوپ میں آیا تو پلکیں جھپکانے پر مجبور ہو گیا۔ روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ چند لمحے میں چبوترے کے پاس کھڑا جیسے دھوپ کا شاور لیتا رہا۔

میں خوش تھا۔ سام کے ساتھ جڑے مجھے چار ماہ ہو گئے تھے۔ وہ میرے لیے بہت اچھا عرصہ تھا۔ گلووز ٹورنامنٹ میں ہر رکاوٹ کو پھلانگتا ہوا میں آخری پائیدان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ایک اور فائٹ..... اور میں جیت گیا تو گارڈن میں فائنل! اور مجھے اپنی کامیابی کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا۔ میں پر یقین اور پر اعتماد تھا۔

میں نے گہری سانس لے کر پھیپھڑوں میں تازہ ہوا بھری۔ کالر میری گردن میں چبھ رہا تھا۔ میں نے اسے کھول لیا۔ اب میری ہر قمیص کا کالر ٹائٹ ہو چکا تھا۔ یہ ٹریننگ کا کمال تھا۔

کاش پاپا کی سمجھ میں یہ بات آ جاتی کہ فائٹنگ بھی ایک پروفیشن ہے۔ ایک ذریعہ روزگار لیکن وہ نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ وہ سمجھ جاتے تو زندگی آسان اور خوبصورت ہو جاتی لیکن وہ تو ہر وقت مجھ پر طنز کے تیر برساتے رہتے تھے اور اس سلسلے میں وہ نیلی کو موردِ الزام ٹھہراتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فائٹر محض بدمعاش ہوتے ہیں۔ اب میرے اور ان کے درمیان براہِ راست بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ عجیب ضدی طبیعت تھی ان کی۔ ابھی میں اس کا وار بھگت کر آ رہا تھا۔

پاپا میز پر اخبار پھیلائے خبریں پڑھ رہے تھے۔ میں کچن میں داخل ہوا تو انہوں نے میری طرف دیکھا بھی نہیں۔

"ماں.....رات کو دیر سے واپسی ہوگی میری" میں نے ماما سے کہا۔

"فائٹ ہے تمہاری؟" ماما نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔ آج سیمی فائنل ہے۔ بروک لین کے گرووو میں" میں نے فخریہ لہجے میں کہا "اس کے بعد گارڈن میں فائنل ہوگا۔ اس کے بعد اگلے سال تک کے لیے چھٹی"

"محتاط رہنا ڈینی"

میں پراعتماد انداز میں مسکرایا "آپ فکر نہ کریں ماں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں"

پاپا نے میری بات سن کر اخبار سے سر اُٹھایا اور ماما سے یوں مخاطب ہوئے جیسے میں وہاں موجود ہی نہیں ہوں۔ "تم فکر نہ کرو میری۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ذرا سنو تو، اخبار میں کیا لکھا ہے اس کے متعلق....." پھر وہ زہریلے لہجے میں اخبار کا آرٹیکل انہیں پڑھ کر سنانے لگے۔ "وہ کہتے ہیں..... ایسٹ سائیڈ کی تہلکہ خیز دریافت ڈینی فشر، جس کی دونوں مٹھیوں میں ڈائنامیٹ بھرا ہے، اپنے ڈویژن کی چیمپئن شپ کے اور قریب پہنچ گیا ہے۔ آج رات گرووو میں اس کا مقابلہ سیمی فائنل میں جوئے پاسکو سے ہوگا۔ ڈینی فشر کو بعض لوگ اسٹائٹن اسٹریٹ کا بل ڈوزر قرار دیتے ہیں۔ اس کا سبب اس کا ریکارڈ ہے۔ ۱۴ فائٹس اور سب کی سب ناک آؤٹ کی بنیاد پر وہ فاتح قرار پایا۔ اس وقت فائٹنگ کی دنیا کی توجہ صرف اور صرف اس پر مرکوز ہے۔ خبر گرم ہے کہ بالغ ہوتے ہی وہ پرو بن جائے گا۔

دبلا پتلا، نرم گفتار بلونڈ بوائے ڈینی فشر رنگ میں سرد مزاج اور بے رحم قاتل بن جاتا ہے، ایک ایسی فائٹنگ مشین، جسے اپنے حریف سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت ڈینی فشر سب سے درخشاں مستقبل رکھنے والا امیچر باکسر ہے۔ آج جو لوگ گرووو میں اس کی فائٹ دیکھنے آئیں گے، میرا دعوا ہے کہ وہ ہرگز مایوس نہیں ہوں گے۔ انہیں وہاں اُچھلتا ہوا جیتا جاگتا لہو اور رقص کرتی ہوئی موت کا نظارہ دیکھنے کو ملے گا۔ اہم بات یہ ہے دوستو کہ فشر کے دونوں ہاتھ یکساں طور پر مہلک ہیں۔ وہ قاتل ہاتھ ہیں۔"

پاپا نے اخبار ایک طرف اُچھال دیا اور ماما کی طرف دیکھا "اپنے بیٹے کے لیے کیسے کیسے تعریفی الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔ قاتل، رقص کرتی ہوئی موت، تباہی کی مشین، کتنے فخر کی بات ہے ایک باپ کے لیے۔"

ماما نے پریشانی سے مجھے دیکھا "ڈینی! کیا یہ جو اخبار میں لکھا ہے، سچ ہے؟"

"نہیں ماں" میں نے شرمندگی سے کہا "آپ تو جانتی ہیں، ٹورنامنٹ کی انتظامیہ کے کہنے پر اخبار والے ہر چیز بہت بڑھا چڑھا کر لکھتے ہیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ ٹکٹ بک سکیں۔"

لیکن ماما مطمئن نہیں ہوئیں "تم اپنا خیال رکھنا ڈینی"

پاپا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "کیوں پریشان ہوتی ہو میری۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ شیطان خود اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ اسے زخمی نہیں ہونے دے گا" وہ میری طرف مڑے "جاؤ قاتل! ایک ڈالر کے لیے تو تم اپنے دوستوں کو قتل کر سکتے ہو۔"

یہ گزشتہ کئی ہفتوں میں پہلا حملہ تھا، جو انہوں نے مجھ پر براہ راست کیا تھا۔ میں اب تک ہر تذلیل خاموشی سے برداشت کرتا رہا تھا لیکن اب میری برداشت جواب دے گئی "ہاں پاپ! ایک ڈالر کے لیے میں تمام دوستوں کو قتل کر سکتا ہوں تاکہ آپ بغیر کوئی زحمت کیے یہاں آرام سے بیٹھ کر، بھرے پیٹ کے ساتھ میری توہین کر سکیں" یہ کہہ کر میں فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ دروازہ میں نے دھڑ سے بند کیا تھا۔

باہر نکل کر میں بہرحال پرسکون ہو گیا۔

میں کارنر سے مڑا ہی تھا کہ کسی نے مجھے پکارا۔ وہ اسپٹ تھا جو ایک ڈوروے میں کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا "ڈینی! ایک منٹ کو یہاں تو آؤ"

"سوری اسپٹ! میں لیٹ ہو رہا ہوں" میں نے رُکے بغیر جواب دیا۔

وہ بھاگتا ہوا میرے پیچھے آیا اور ہیجانی انداز میں میرا ہاتھ تھام لیا "میرا باس تم سے ملنا چاہتا ہے" اس نے رال کا فوارہ اُچھالتے ہوئے کہا۔

"کون..... فیلڈز کی بات کر رہے ہو؟"

''ہاں..... ہاں، مسٹر فلیڈز'' اس نے ہاتھ سے اپنا گریبان صاف کیا'' میں نے اسے بتایا تھا کہ میں تمہیں جانتا ہوں۔ اس نے کہا..... مجھے اس سے ملواؤ۔''

وہ ایک دکان کا ڈوروے تھا، جہاں سے اسپٹ لپک کر آیا تھا۔ سائن بورڈ پر لکھا تھا 'فیلڈز چیک کیشنگ سروس'' ''ٹھیک ہے'' میں نے کہا۔ اس علاقے میں یہ ممکن نہیں تھا کہ میکسی فیلڈز کو ناخوش کر کے کوئی خوش رہ سکے۔ سیاست، جوا، سود خوری..... کوئی ایک دھندا نہیں تھا اس کا۔ وہ اس علاقے کا بڑا آدمی تھا۔

اسپٹ کا چچا فیلڈز کے لیے کام کرتا تھا۔ اس نے اسپٹ کو بھی فیلڈز کی غلامی میں دے دیا تھا۔ اس خبر پر گینگ کے لڑکے رشک سے بے حال ہو گئے تھے۔ مجھے یاد تھا، اسپٹ نے کہا تھا کہ اب اسے اسکول جانے کی ضرورت نہیں اور ایک دن وہ بھی فیلڈ کی طرح بڑا آدمی بنے گا۔ جبکہ ہم سب تلاشِ روزگار میں ادھر اُدھر ٹکریں مارتے پھریں گے۔ اس کے بعد سے اسپٹ مجھے کم ہی نظر آیا لیکن جب بھی نظر آیا تو اسے دیکھ کر خوشحالی کا خیال آتا تھا۔ اب وہ مہنگے کپڑے پہنتا تھا۔

میں اسپٹ کے پیچھے اسٹور میں داخل ہوا۔ دروازے سے گزر کر ہم عقبی حصے میں داخل ہوئے۔ وہاں کئی افراد کھڑے تھے۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہم اُوپر پہنچے۔ اسپٹ نے دروازے پر دستک دی۔

''آجاؤ'' کسی نے دہاڑ کر کہا۔

اسپٹ نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ میں اس کے پیچھے تھا لیکن اندر گھستے ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔ میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اس کمرے کے بارے میں میں نے سنا بہت تھا لیکن یقین نہیں کیا۔ اور اب وہ میرے سامنے تھا۔ ایسے کمرے تو فلموں میں دکھائے جاتے ہیں۔

وہ بہت جسیم آدمی تھا۔ سرخ چہرہ اور بڑی توند۔ وہ ہماری طرف بڑھا تو میں نے دیکھا۔ اُس کے جوتے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ میں بغیر جانے کہہ سکتا تھا کہ وہ میکسی فیلڈز ہے۔

فیلڈز نے میری طرف دیکھا بھی نہیں ''میں نے تم سے کہا تھا اسپٹ کہ اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا'' وہ غصے سے دھاڑا۔

''لیکن آپ نے کہا تھا مسٹر فیلڈز کہ جیسے ہی ڈینی نظر آئے، اسے آپ کے پاس لاؤں'' اسپٹ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر وہ میری طرف مڑا ''یہ ڈینی فشر ہے باس''

فیلڈز کا غصہ ایسے غائب ہو گیا جیسے آیا ہی نہیں تھا ''تم ڈینی فشر ہو؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں میکسی فیلڈز ہوں'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس کی گرفت طاقت کا مظہر تھی اور ہاتھ گرم تھا۔ وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔

''ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو'' فیلڈز نے اسپٹ سے کہا۔

اسپٹ کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی ''بہتر مسٹر فیلڈز'' اس نے کہا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

فیلڈز ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ ''میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔ تمہارے متعلق بہت کچھ سنا ہے میں نے'' اس نے کہا۔ پھر بے حد سرسری انداز میں پوچھا'' کچھ پینا پسند کرو گے؟''

''نہیں شکریہ'' میں نے سوچا ''اتنا بڑا آدمی بھی نہیں لگتا یہ اور اس کا میرے ساتھ رویہ بھی تحقیر آمیز نہیں ہے۔'' ''دراصل آج میری فائٹ ہے'' میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

اس کی آنکھیں چمکیں ''پچھلے ہفتے میں نے تمہاری فائٹ دیکھی تھی۔ تم اچھے فائٹر ہو۔ سام خوش قسمت ہے۔''

''آپ سام کو جانتے ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں ہر شخص سے اور ہر معاملے سے واقف رہتا ہوں'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''یہ کیسے ممکن ہے کہ اس علاقے میں کچھ ہو اور میں اس سے بے خبر رہوں۔ میکسی فیلڈز سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں''

یہ بات میں نے سنی تھی۔ اب اس پر یقین بھی آ گیا۔

اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ''بیٹھ جاؤ۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

میں کھڑا رہا ''مسٹر فیلڈز! میں جلدی میں ہوں۔ مجھے جمنازیم پہنچنا ہے۔''

''میں نے کہا، بیٹھ جاؤ'' اس کا لہجہ دوستانہ تھا لیکن اس میں کہیں تحکم بھی چھپا تھا۔

میں بیٹھ گیا۔

وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دوسرے کمرے کی طرف رُخ کر کے آواز لگائی ''روتی! میرے لیے جام لاؤ'' پھر وہ میری طرف مڑا ''تم واقعی نہیں پیو گے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا اور ساتھ ہی مسکرایا۔ تعلقات خراب کرنے کی کیا ضرورت

اس لمحے ایک جوان عورت جام لیے کمرے میں آئی۔ میں نے پھر پلکیں جھپکائیں۔ وہ اس جگہ کے لائق تو نہیں تھی۔

''یہ لومیکس'' اس نے فیلڈز کی طرف جام بڑھایا اور متجسس نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

فیلڈز نے ایک سانس میں جام خالی کر دیا۔ میں ٹکٹکی باندھے لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا۔ فیلڈز یہ دیکھ کر ہنسنے لگا ''بھاگ جاؤ یہاں سے رونی'' اس نے لڑکی کا ہاتھ تھپکا۔

''تمہاری وجہ سے میرے دوست کا دھیان بٹ رہا ہے، اور مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔''

وہ پلٹی اور کمرے سے چلی گئی۔ میری محویت ختم ہوئی اور میرا چہرہ تمتما اُٹھا۔ اس کے باوجود جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی، میں اسے تکتا رہا۔ پھر میں فیلڈز کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ مسکرا رہا تھا ''تمہارا ذوق بہت اعلیٰ ہے لڑکے'' اس نے خوش دلی سے کہا ''لیکن اس قابل تو بنو کہ اسے افورڈ کر سکو۔ جانتے ہو، اس مال کی قیمت ۲۰ ڈالر فی گھنٹہ ہے۔''

میری آنکھیں پھیل گئیں ''صرف ڈرنکس پیش کرنے کے دوران بھی؟''

اس کا قہقہہ دیر تک کمرے میں گونجتا رہا ''تم اچھے لڑکے ہو ڈینی۔ مجھے پسند آئے''

''شکریہ مسٹر فیلڈز''

''آج رات تم جیت رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''میرا خیال تو یہی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔

''میرا بھی یہی خیال ہے اور میرا ہی نہیں تقریباً سبھی لوگوں کا یہی خیال ہے۔ بلکہ بیش تر لوگ سمجھتے ہیں کہ فائنل بھی تم ہی جیتو گے۔''

میں مسکرایا۔ میرے پاپا مجھے گردانتے نہیں تھے لیکن میرے چاہنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ ''مجھے اُمید ہے کہ میں انہیں مایوس نہیں کروں گا'' میں نے منکسرانہ لہجے میں کہا۔

''میں بھی یہی کہتا ہوں۔ میرے آدمی بتاتے ہیں کہ اب تک تم پر چار ہزار ڈالر کی شرطیں لگائی جا چکی ہیں۔ یہ رقم مجھ جیسے آدمی کے نزدیک بھی اہمیت رکھتی ہے۔ بہر حال تم مجھے اچھے لگے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم سے ملاقات ہوئی۔''

''میں سمجھا تھا کہ آپ مجھ جیسے چھوٹے لوگوں پر شرط نہیں لگاتے ہوں گے۔''

''ہم کسی پر بھی شرط لگا سکتے ہیں۔ یہ ہمارا کاروبار ہے۔ بڑے ہوں یا چھوٹے، فیلڈز سب کو سمیٹ لیتا ہے۔'' وہ پھر ہنسنے لگا۔

مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس نے مجھے بلایا تو کوئی وجہ بھی ہوگی۔ مگر اب تک تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اس نے آگے جھکتے ہوئے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا ''تم مجھے بہت اچھے لگے ہو لڑکے'' پھر اس نے دروازے کی طرف رُخ کر کے ہانک لگائی ''رونی! ایک اور جام لاؤ میرے لیے''

لڑکی جام ہاتھ میں لیے دوبارہ کمرے میں آئی۔ اس نے جام رکھا اور جانے کے لیے پلٹی۔

''ٹھہر جاؤ بے بی''

وہ کمرے کے وسط میں رُک گئی اور ہمیں دیکھنے لگی۔

''تمہیں یہ اچھی لگی ہے نالڑکے؟'' فیلڈز نے مجھ سے پوچھا۔

اپنے چہرے کی تمتماہٹ روکنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ مسکرایا ''تم مجھے بہت اچھے لگے ہو اس لیے یہ کہہ رہا ہوں۔ آج رات جیت جاؤ تو یہاں چلے آنا۔ یہ میری طرف سے انعام ہوگا تمہارے لیے کہو، کیسا لگا؟''

میرے حلق میں کچھ پھنسنے لگا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن مجھ سے بولا نہیں گیا۔ یہ پیشکش میرے لیے بہت زبردست تھی لیکن نیلی سے ملنے کے بعد بہت کچھ بدل گیا تھا۔

فیلڈز مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا ''اب اتنے شرمیلے نہ بنو کڈ''

بالآخر میں بولنے کی قابل ہوگیا ''نہیں مسٹر فیلڈز، آپ کا شکریہ'' میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا ''مگر میری ایک گرل فرینڈ بھی ہے اور ویسے بھی میں ٹریننگ میں مصروف ہوں۔''

''تمہیں پتا ہی نہیں ہے کڈ کہ تم کیا چیز ٹھکرا رہے ہو'' وہ مسکرایا۔

''تمہاری ٹریننگ کوئی بہت زیادہ متاثر نہیں ہوگی'' یہ کہہ کر وہ لڑکی کی طرف مڑا۔

''رونی! ذرا اسے اپنے اثاثے تو دکھاؤ''

''لیکن میکس'' لڑکی نے احتجاج کیا۔

''تم نے میری بات سنی نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں، مکمل اثاثے دکھاؤ اپنے۔''

لڑکی نے بے بسی سے کندھے جھٹک دیے۔ میرا شعور کسی نچلی سطح پر واقف تھا کہ کیا ہونے والا ہے، لیکن درحقیقت میرے شعور کو اس کا ادراک نہیں تھا۔ میں اس ہرن کی طرح حواس باختہ تھا جس کے سامنے اچانک ہی شیر آ کھڑا ہوا ہو۔

پھر نہ چاہتے ہوئے بھی میں ٹکٹکی باندھے لڑکی کو دیکھتا رہا۔ بلاشبہ وہ بے مثال حسن کی مالک تھی۔

''دیکھا تم نے۔ یہ ایسی ہے کہ آدمی سانس لینا بھی بھول جائے۔'' فیلڈز نے فاتحانہ لہجے میں کہا ''اب کیا کہتے ہو تم؟''

میں اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس شخص میں کوئی بات تھی جو مجھے خوفزدہ کر رہی تھی۔ ''نہیں مسٹر فیلڈز! آپ کا شکریہ'' میں نے دروازے کو ٹٹولا۔ بالآخر دروازے کا لٹو مجھے مل گیا۔ ''مجھے اب جانا ہے۔ میں جمنازیم کے لیے لیٹ ہو رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے لڑکے'' میں نے کہا اور لڑکی کو دیکھا۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ بیس ڈالر فی گھنٹہ بھاری معاوضہ ہے، لیکن عزتِ نفس کے بدلے ہرگز نہیں۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''گڈ بائے مس''

لڑکی کا چہرہ اچانک انگارہ ہوگیا۔ اس نے اپنا لباس اُٹھایا اور کمرے کی طرف لپکی، جہاں سے وہ آئی تھی۔

''گڈ بائی مسٹر فیلڈز'' میں نے کہا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔

میں باہر نکلا اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں نے دوڑ لگا دی۔ میں پلک جھپکتے میں وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ایسٹ اینڈ کے علاقے کی گندگی سے میں چڑتا تھا لیکن اس خوبصورت کمرے میں جو گندگی میں نے دیکھی تھی اس کے سامنے ایسٹ سائیڈ کی مجموعی گندگی بھی ہیچ تھی۔

باہر گندی سڑک بھی اب مجھے صاف ستھری لگ رہی تھی۔

جمنازیم کی طرف بڑھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ میکسی فیلڈز والا معاملہ ختم نہیں ہوا ہے، اسے ابھی آگے بڑھنا ہے۔

☆☆

میں اپنے کارنر میں واپس آیا تو میری ٹانگوں میں اکڑن تھی۔ گدی اور گردن دکھ رہی تھی۔ آہستگی سے میں اپنے اسٹول پر ڈھیر ہوگیا۔ آگے جھکتے ہوئے میں نے منہ کھولا اور گہری سانس لی۔

زیپ میرے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور گیلے تولیے سے میری پیشانی دبانے لگا۔ مسٹر اسپرنزر میرے پہلوؤں کی مالش کر رہے تھے۔

زیپ نے مجھے غور سے دیکھا ''تم ٹھیک تو ہو ڈینی؟''

میں نے سر کو جنبش دی۔ وہ جنبش بھی اذیت کا سبب تھی۔ میں بولنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اپنا اسٹیمنا بچا کر رکھنا تھا۔ کہیں کوئی گڑ بڑ ہو گئی تھی۔ یہ فائٹ تو مجھے بہت آسانی سے جیتنی تھی۔ ہوا کیا تھا، یہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ اخبارات میں لکھا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ دوسرے راؤنڈ میں جیت جاؤں گا لیکن پہلے دو راؤنڈ میں میں اپنے حریف کو ایک ڈھنگ کا پنچ بھی نہیں مار سکا تھا۔

''یہ ٹھیک تو ہے نا مسٹر اسپرٹزر؟'' زیپ نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

اسپرٹزر کا لہجہ خشک تھا۔ اس نے میرے دماغ میں جمع ہوتی دھند کو چیر ڈالا ''ٹھیک تو ہے لیکن شاید اخبار زیادہ پڑھتا رہا ہے۔ اخباروں میں شایع ہونے والی تعریف اس کے دماغ پر چڑھ گئی ہے۔''

میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ سچ تھا کہ میرے بارے میں جو کچھ اخباروں میں چھپا تھا، میں نے اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا۔ سامنے مخالف کارنر میں پاسکو پرسکون بیٹھا تھا۔ اس کی سانسیں ہموار تھیں اور چہرے پر اعتماد تھا۔ جبکہ میری صورتِ حال برعکس تھی۔

گھنٹی بجی اور میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں تھرکتا ہوا رنگ کے وسط کی طرف بڑھا۔ پاسکو پراعتماد انداز میں میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں چہرے کے اس تاثر کو خوب پہچانتا تھا۔ یہ تاثر اس وقت میرے چہرے کی زینت ہوتا تھا جب مجھے یقین ہوتا تھا کہ میرا حریف ختم ہو چکا ہے۔ میں فائٹ جیت چکا ہوں۔ صرف رسمی کارروائی پوری کرنی ہے۔

میرے وجود میں غصہ اُبلنے لگا۔ آج یہ تاثر میرے حریف کے چہرے پر میرا منہ چڑا رہا ہے۔ یہ تو میرا حق تھا، اس کا نہیں۔

میں نے پوری قوت سے اپنا رائٹ آزمایا لیکن جواباً میری پسلیوں میں آگ سی بھر گئی۔ میرا وار خالی گیا تھا اور پاسکو کو میری پسلیوں پر وار کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میرے

دونوں ہاتھ جو چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھے، نیچے آ گئے۔ اسی لمحے میرے چہرے پر جیسے ہتھوڑا سا لگا۔

میں نے ذہن کو صاف کرنے کے لیے سر جھٹکا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا رہا تھا، جیسے سامنے دہکتا ہوا سورج ہو۔

''پانچ......'' ایک آواز تیرتی ہوئی میری سماعت کی طرف آئی۔

میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ ریفری کا ہاتھ پھر اُوپر جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ ایک اور عدد پکارنے کے لیے متحرک ہو رہے تھے۔

مجھے حیرت ہوئی۔ یہ میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کیوں بیٹھا ہوا ہوں؟ میں گرا تو نہیں تھا۔ میں نے نیچے دیکھا۔ کینوس گواہی دے رہا تھا کہ میں گرا ہوں اور یہ گنتی بھی میرے لیے ہو رہی ہے۔

''چھ......''

مجھے جھٹکا سا لگا۔ میں ناک آؤٹ ہونے والا ہوں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

میں کھڑا ہوا۔ ریفری نے میرے گلووز کو اپنی شرٹ پر مل کر صاف کیا۔ مجمع دہاڑ رہا تھا لیکن وہ شور ہمیشہ سے مختلف تھا۔ آج وہ میرا نام نہیں پکار رہے تھے۔ وہ پاسکو کو بڑھاوا دے رہے تھے کہ وہ مجھے ختم کر دے۔

میں پاسکو کو لپٹ گیا۔ اس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ مجھے چند لمحوں کی مہلت درکار تھی۔ وہ لپٹنے ہی میں حاصل ہو سکتی تھی۔ ریفری نے ہمیں علاحدہ کیا۔

میری کمر پر پھر اذیت کا پٹاخا پھوٹا، پھر دوسرے پہلو میں درد ناچنے لگا۔ پاسکو کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھرک رہا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے گلووز میری طرف لپک رہے تھے، مجھے ادھیڑ رہے تھے۔ مجھے کسی طرح ان سے بچنا ہوگا۔ وہ تو مجھے ربن کی طرح بکھیر رہے ہیں۔ میں نے بے بسی سے اپنے کارنر کی طرف دیکھا۔

زیپ کی پھیلی ہوئی، خوف زدہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے دوبارہ پاسکو کی طرف سر گھمایا۔ وہ متحرک تھا۔ اس کا پنچ سانپ کے پھن کی طرح مجھ پر جھپٹ رہا تھا۔ ایک عجیب سے خوف نے مجھے نڈھال کر دیا۔ مجھے اس کو روکنا ہے لیکن ایک خوش آئند بات اس عالم میں بھی میرے ذہن نے سمجھ لی۔ وہ اعتماد سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے خیال میں اب اس کے لیے اپنے چہرے کو کور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا کھلا ہوا جبڑا مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

میں نے وجود کی پوری طاقت یکجا کر کے اس کے جبڑے کی طرف پنچ اُچھالا۔

اچانک پاسکو گرتا نظر آیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا لیکن ریفری نے مجھے دوسری طرف گھمایا اور میرے کارنر کی طرف دھکیل دیا۔ میرا چہرہ اذیت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ جسم پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ چلو، جان چھوٹی۔ میں نے سوچا۔ میں ناک آؤٹ تو نہیں ہوا۔ ٹیکنیکل ناک آؤٹ! اب کھڑا ہونا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

زیپ رسیوں کے درمیان سے گزر کر اندر آ رہا تھا۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کی خوشی میری سمجھ سے باہر تھی۔ وہ میری شکست پر خوش ہو رہا تھا۔ خوش تو میں بھی تھا کہ جان چھوٹ گئی۔ اب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

میں ڈریسنگ ٹیبل پر دراز تھا، بازو سے میں نے آنکھوں کو ڈھانپا ہوا تھا۔ زیپ کے ہاتھ میری کمر کو سہلا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ درد جیسے میرے جسم سے دور ہو رہا تھا لیکن تھکن جیسے رگ رگ میں سرایت کر گئی تھی۔

زیپ کی آواز مجھے دور سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ ابھی کچھ دیر میں ٹھیک ہو جائے گا مسٹر اسپرنزر''

''ہاں یقیناً۔ یہ سخت جان بھی ہے، جوان بھی اور حوصلہ مند بھی بہت ہے۔'' اسپرنزر نے کہا۔

میں ساکت پڑا رہا۔ وہ میری شکست کے باوجود غصے میں نہیں تھا۔ یہ بات میرے

لیے باعث طمانیت تھی۔

پھر مجھے قریب آتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی کمرے میں داخل ہوا ''یہ خیریت سے ہے نا؟'' سام کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

میرے ٹرینر اسپرنزر نے بے تاثر لہجے میں کہا ''سب ٹھیک ہے سام، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

''تو مجھے بتاؤ تو کہ یہ سب کیا تھا'' اب سام کے لہجے میں برہمی تھی ''آج اس کی کارکردگی بہت خراب تھی اور کتنی مار کھائی ہے اس نے''

''میں نے کہا نا سام کہ سب ٹھیک ہے'' اسپرنزر نے بے پروائی سے کہا ''بات صرف اتنی سی ہے کہ اخباروں میں چھپنے والے تبصرے اس کے دماغ پر چڑھ گئے تھے۔ یہ رِنگ میں یہ سوچ کر اُترا تھا کہ اسے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ یہ بس پاسکو کو گھور کر دیکھے گا اور وہ ناک آؤٹ ہو جائے گا۔''

''لیکن اسے پر جوش رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میرے اختیار میں بھی نہیں ہیں'' اسپرنزر نے کہا ''جو کچھ ہوا اس کی مجھے توقع تھی۔ ایک نہ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا لیکن اب یہ ٹھیک رہے گا۔ اسے سبق مل چکا ہے۔ ایسا سبق کوئی فائٹر کبھی نہیں بھولتا۔''

قدموں کی چاپ میری طرف آنے لگی۔ سام نے میرے ہاتھ کو نرمی سے چھوا، پھر اس نے میرے بالوں کو نرمی سے سنوارا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند ہی رکھیں۔ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ وہ مجھ سے ناراض نہیں تھا۔

اب کے سام بولا تو اس کے لہجے میں غصے کے بجائے فخر تھا ''تم نے وہ آخری پنچ دیکھا اس کا...... ایسے ہوتے ہیں قاتل پنچ''

''بے شک، اس کے حریف کا جبڑا دو جگہ سے ٹوٹا ہے'' اسپرنزر نے کہا۔

میں ایک دم سے اُچھل کر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے ''تو کیا یہ سچ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

زیپ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''یہ مصدقہ خبر مجھے ابھی ابھی ملی ہے''

''تو کیا...... تو کیا میں جیت گیا؟'' مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

سام مسکرایا ''ہاں کڈ! تم جیت گئے''

میں دوبارہ دراز ہو گیا۔ میرے اندر اس فتح کی کوئی خوشی نہیں مچلی۔ مجھے تو پاپا کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ جاؤ قاتل! ایک ڈالر کے لیے تم اپنے تمام دوستوں کو قتل کر سکتے ہو۔

............☆☆............

ہم ڈیلانسی اور کلنٹن اسٹریٹ کے کارنر پر کھڑے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ اسٹور کی کھڑکیاں اب بھی روشن تھیں اور فٹ پاتھ پر اب بھی راہ گیر نظر آ رہے تھے۔

''تم خود سے گھر جا سکتے ہو نا ڈینی؟'' زیپ نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ''کیوں نہیں'' درد بڑی حد تک دور ہو چکا تھا۔ البتہ میری پیٹھ اور میرے پہلو اب بھی دکھ رہے تھے۔ ''تم بوڑھی عورتوں کی طرح میرے لیے پریشان نہ ہو۔''

میں اسے کارنر پر چھوڑ کر کلنٹن اسٹریٹ پر چلنے لگا۔ میرا رخ گھر کی طرف تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ آج کی فائٹ تقریباً برابر کی فائٹ تھی اور اسپرنزر نے ٹھیک کہا تھا۔ میں اخبار میں شائع ہونے والے تبصروں سے کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ کارنر پر میں مڑا اور اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔

میری بلڈنگ کے برابر والے دروازے سے ایک سایہ نکل کر میری طرف بڑھا۔

''ڈینی!'' وہ اسپٹ تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے چڑ چڑے پن سے کہا۔ اس وقت بس میں اپنے بستر پر ڈھیر ہو جانا چاہتا تھا۔

''مسٹر فیلڈز تم سے ملنا چاہتے ہیں''

''اس سے کہہ دو کہ میں اس سے نہیں مل سکتا۔ پھر کبھی مل لوں گا۔'' میں کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔

اسپٹ نے میرا بازو تھام لیا ''بہتر یہی ہے ڈینی کہ مل لو'' اس نے کہا ''مسٹر فیلڈز کو ایسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو یہاں کسی کی بھی زندگی دشوار کر سکتے ہیں'' اسپٹ اب ہیجانی انداز میں بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کی باچھیں بھیگ گئی تھیں ''بہتر یہی ہے کہ ان سے مل لو۔''

میں نے ایک لمحہ سوچا۔ اسپٹ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ میکسی فیلڈز سے منہ پھیرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سوچا، چند منٹ...... صرف چند منٹ۔ بس اس سے بات کروں گا اور نکل آؤں گا ''ٹھیک ہے'' میں نے کہا۔

میں اسپٹ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ فیلڈز کے اسٹور کے برابر والے دروازے پر اسپٹ رکا اور اس نے ایک چابی نکال کر دروازے میں لگائی۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔

وہ میری طرف پلٹا اور چابی میری طرف بڑھائی ''اوپر چلے جاؤ۔ راستہ تو تمہیں معلوم ہے''

میں نے ایک نظر چابی کو اور پھر اسے دیکھا ''تم نہیں چلو گے؟''

''نہیں'' اس نے نفی میں سر ہلایا ''وہ اکیلے میں تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ گھنٹی بجانے کی ضرورت نہیں۔ دروازہ چابی سے کھول لینا۔''

وہ چلا گیا۔ میں چند لمحے چابی کو تکتا رہا جو ہال وے کی روشنی سی چمک رہی تھی۔ پھر میں نے گہری سانس لی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

............☆☆............

چابی قفل میں گھومی اور دروازہ بے آواز کھلا۔ میں نے ڈوروے میں کھڑے ہو کر کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

میں سامنے کے کھلے دروازے میں داخل ہوا ''مسٹر فیلڈز!'' میں نے پکارا ''میں

ڈینی فشر۔ آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے نا''

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہی خوبصورت لڑکی باہر آئی جسے میں نے دن میں وہاں دیکھا تھا ''دروازہ بند کردو ڈینی'' اس نے دھیمی آواز میں کہا ''پڑوسیوں کی نیند خراب نہ کرو''

میں نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ ''مسٹر فیلڈز کہاں ہیں؟'' میں نے پوچھا ''انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں شک سا اُبھرا ''تو تم اس کے لیے آئے ہو؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اچانک مجھے فیلڈز کی پیشکش یاد آئی اور میرا چہرہ تمتما اُٹھا ''ہاں، میں اسی کے لیے آیا ہوں'' میں نے بے رُخی سے کہا۔

''وہ کہاں ہے؟ میں جلد از جلد گھر جا کر سو جانا چاہتا ہوں۔ میں بہت تھک گیا ہوں''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی ''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے سچ مچ یہی بات ہے۔''

''تو ہے بھی یہی بات'' میں نے تیز لہجے میں کہا ''اب تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں جلد از جلد گھر جانا چاہتا ہوں''

''ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ'' وہ بولی۔

وہ چھوٹے سے کچن سے گزار کر مجھے ایک بیڈروم میں لے گئی، جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُس نے لائٹ آن کی اور بیڈ کی طرف اشارہ کیا ''وہ دیکھو...... یہ ہے عظیم میکسی فیلڈز۔ کیسا زبردست نظارہ ہے'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تو ٹن لگ رہا ہے؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کمرے میں شراب کی بو رچی ہوئی تھی، اور فیلڈز بے سدھ تھا۔

''ہاں، اب یہ سور صبح سے پہلے نہیں اُٹھے گا'' اس کے لہجے میں دہکتی ہوئی نفرت تھی۔

میں بیڈروم سے باہر نکلا اور چابی اس کی طرف بڑھائی ''یہ اسے دے دینا اور کہہ دینا کہ میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتا۔ پھر کسی وقت مل لوں گا اس سے'' میں نے کہا۔

میں اپارٹمنٹ سے نکلنے لگا تو اس نے مجھے پکارا ''ایک منٹ ڈینی! تم پلیز مت جاؤ۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے تم کو اس کے جاگنے تک روکنا ہے۔''

''اب میں پوری رات تو اس کا انتظار نہیں کر سکتا''

اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی ''میں جانتی ہوں لیکن تم میری خاطر کچھ دیر رُک جاؤ۔ میں یہ تو کہہ سکوں کہ میں نے تمہیں حتی الامکان روکا تھا۔ اگر تم فوراً ہی چلے گئے تو میری شامت آ جائے گی۔''

''تم کہہ دینا کہ میں کافی دیر رُکا تھا۔ اسے کیسے پتا چلے گا''

''اسے پتا چل جائے گا'' اس نے کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اس نے پردہ ذرا سا سرکایا اور بولی ''یہاں آ کر خود ہی دیکھ لو''

میں نے کھڑکی کے پاس جا کر جھانکا۔ مگر مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔

''وہ ادھر دیکھو..... سڑک کے پار والے اسٹور کے ڈور وے میں''

وہاں مجھے ایک سایہ سا...... اور پھر جلتی ہوئی سگریٹ کا سرا نظر آیا۔ اسی وقت ایک کار سڑک پر مڑی تو اس کی روشنی میں میں نے دیکھ لیا کہ وہ اسپٹ ہے، جو وہاں کھڑا سگریٹ پی رہا ہے۔

میں نے پردہ برابر کیا اور اس کی طرف مڑا ''ہاں وہ کھڑا ہے۔ تو پھر؟''

''وہ فیلڈز کو بتا دے گا کہ تم یہاں کتنی دیر رُکے تھے''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ فیلڈز تو ہوش میں ہے ہی نہیں اور میں اس کے جاگنے تک رُک نہیں سکتا'' یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھا۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں اب خوف لہرا رہا تھا ''سنو! مجھے بچا لو پلیز۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی ''یہاں اتنی دیر رک جاؤ کہ مجھے تمہیں روکنے کے کچھ نمبر مل جائیں۔ تم نہیں جانتے کہ وہ کتنا بے رحم اور کمینہ ہے۔ اگر اسے پتا چل گیا کہ میں

تمہیں روکنے میں ناکام رہی تو وہ مجھے بہت ذلیل کرے گا اور وہ جس طرح ذلیل کرتا ہے، اس کی معمولی سی جھلک تم نے آج دیکھی تھی'' اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔

دن کی ذلت کے حوالے پر مجھے یاد آیا کہ مجھے اس وقت اس لڑکی پر کتنا ترس آیا تھا

''چلو ٹھیک ہے۔ میں رک جاتا ہوں'' میں نے کہا۔

اس نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور تشکر آمیز لہجے میں بولی ''شکریہ ڈینی''

میں کاؤچ پر بیٹھ گیا اور تھکے تھکے انداز میں کشن سے ٹیک لگالی۔ میرا جسم پھڑکنے لگا تھا ''خدایا...... میں بری طرح تھک گیا ہوں'' میں کراہا۔

وہ میرے پاس آئی اور ہمدردانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی ''میں جانتی ہوں ڈینی'' اس نے کہا ''میں نے تمہاری فائٹ دیکھی تھی۔ سنو...... میں کافی لاؤں تمہارے لیے؟''

میں نے سر اُٹھا کر متجسس نظروں سے اسے دیکھا ''نہیں شکریہ۔ تم نے میری آج کی فائٹ دیکھی تھی؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، میکسی مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا''

درد کی ایک لہر سی اُٹھی۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلا ''ایک بات بتاؤ۔ وہ مجھ سے چاہتا کیا ہے؟''

اس نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ''تم بہت تھکے ہوئے ہو'' وہ بولی ''تم آرام سے پاؤں پھیلا کر لیٹ جاؤ نا''

مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ میں کاؤچ پر دراز ہو گیا۔ وہ بستر سے کہیں زیادہ نرم اور دبیز تھی۔ آرام ملا تو میری آنکھیں مندنے لگیں۔ میں نے سوچا، یہ سب دولت کے کرشمے ہیں۔

سوئچ دبنے کی کلک سے میری آنکھ کھلی۔ اس نے چھت والی روشنی گل کر دی تھی۔ اب وہاں صرف ایک کارنر لیمپ کی روشنی تھی۔ وہ میرے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں جام تھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا'' میں نے کہا۔

اس نے اپنے جام سے ایک گھونٹ لیا ''میں جواب نہیں دے سکتی'' اس نے کہا ''کیونکہ مجھے معلوم نہیں ہے۔''

''اس نے تم کو کچھ نہ کچھ بتایا ہوگا'' یہ کہتے کہتے درد کی وجہ سے میرے ہونٹوں سے سسکی نکلی۔

وہ کاؤچ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے میرے کندھوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے کہا ''بہت تکلیف ہو رہی ہے؟''

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مقصد اس کے لمس سے بچنا تھا ''میری پیٹھ بہت دکھ رہی ہے۔ آج میں نے بڑی مار کھائی ہے۔'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

اس نے میری قمیص کے اندر ہاتھ ڈالا اور میری پیٹھ کو دھیرے دھیرے سہلانے لگی۔ پھر اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی ''تم لیٹ جاؤ۔ ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد تم چلے جانا۔ جب تک میں تمہیں سہلاتی رہوں گی۔''

میں لیٹ گیا۔ اس کے سہلانے سے مجھے آرام مل رہا تھا ''شکریہ۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' میں نے دل کی گہرائی سے کہا۔

''مجھے خوشی ہے'' اس نے کہا اور آگے بڑھ کر میرا رُخسار چوم لیا۔

مجھے حیرت ہوئی۔ میرا جسم خود بہ خود اکڑ سا گیا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی ''یہ میرا اظہارِ تشکر ہے'' اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔ میں اسے گھورتا رہا۔ میرے اندر تضادات جاگ اُٹھے تھے۔ ''تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا'' میں نے کہا ''ایک تو یہ کہ میری ایک گرل فرینڈ ہے اور دوسرے یہ کہ میکسی فیلڈ مجھ سے یہی چاہتا ہے اور میں کسی کے کہنے پر نہیں، اپنے دل کے کہنے پر ایسا کچھ کرنے کا قائل ہوں''

''اور تمہارا دل تمہیں اس سے منع کر رہا ہے؟''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں ایسا کروں، اس لیے میں نہیں کروں گا۔ اور مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔''

اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''وعدہ کرو کہ بات میرے اور تمہارے درمیان

رہے گی۔ اسے پتا نہیں چلے گا کہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔''

''مجھے یہ یقین ہی نہیں کہ تم مجھے سچ بتاؤ گی'' میں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں تو تم یقین کر لو گے؟''

''وہ جو اُجرت تمہیں دے رہا ہے، معمولی نہیں۔ میں تم پر کیسے یقین کر سکتا ہوں۔''

وہ ایک لمحہ خاموش رہی، پھر اس نے فرش پر نظریں جما دیں ''اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے تو؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ بس سوالیہ نظروں سے اسے تکتا رہا۔

''وہ چاہتا ہے کہ تم اگلی فائٹ دانستہ ہار جاؤ۔ کیونکہ تم جیت گئے تو اسے مالی طور پر بہت بڑا نقصان ہوگا۔''

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ میرے ذہن میں بھی کچھ ایسی ہی بات تھی ''یہ اس کی خام خیالی ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے میرا بازو تھام لیا ''تم اسے نہیں جانتے۔ وہ بہت برا، بہت گھٹیا آدمی ہے، بے رحم اور سفاک۔ وہ کسی قیمت پر رُکنے والا نہیں۔ تم نے فائٹ کے دوران اسے دیکھا ہوتا۔ تم پٹ رہے تھے تو وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا لیکن جب تم نے اس لڑکے کو ناک آؤٹ کیا تو وہ بجھ کر رہ گیا۔ اگر تم ہار گئے ہوتے تو وہ تمہیں یہاں ہرگز نہیں بلواتا۔''

میں ہنسا ''لیکن میں جیت گیا نا اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکا۔''

میرے بازو پر اس کی گرفت سخت ہو گئی ''تم ابھی بہت کم عمر ہو ڈینی اور تم اسے جانتے بھی نہیں ہو۔ وہ جو چاہتا ہے، ہر قیمت پر کر کے رہتا ہے۔ اگر وہ تمہیں خرید نہ پایا تو اپنے آدمیوں کو تمہارے خلاف استعمال کرے گا اور تم فائٹ کے قابل نہیں رہو گے۔''

میں ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا ''تمہاری کیا پوزیشن ہے اس معاملے میں؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ بھی سب لوگوں کی طرح مجبور تھی۔ دولت مند کے سامنے سبھی مجبور ہوتے ہیں۔ یہ تو بہت پرانی کہانی

ہے۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ مجھے ہر سوال کا جواب مل گیا تھا۔ سام کے زیر سایہ فائٹر بننے کے سوا میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔ کیونکہ میں ایک عام، معمولی انسان بن کر ناکام زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ ایسا عام آدمی جو سڑکوں پر گھومتا ہے، جس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا، جو مر جائے تو دنیا میں کسی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس کے لیے مجھے دولت کمانی تھی اور دولت کمانے کا یہ واحد راستہ تھا میرے لیے۔

میں آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اٹھ کر میرے پہلو میں آ بیٹھی۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے ہمدردی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔

''اب تم مجھ پر یقین کرو گے نا؟'' اس نے مجھ سے پوچھا ''ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں''

میں اُٹھا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ اسپٹ اب بھی وہیں موجود تھا۔ اس کی جلتی ہوئی سگریٹ گواہی دے رہی تھی۔

''کیا وہ اب بھی وہاں موجود ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''ہاں''

اُس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی ''بس پندرہ منٹ اور رُک جاؤ۔ پھر چلے جانا۔ جب تک یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔''

میں کرسی پر ڈھیر ہو گیا تھکن نے مجھے پھر نڈھال کر دیا تھا۔

''اب تم کیا کرو گے ڈینی؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں'' میں نے کہا ''میں کر ہی کیا سکتا ہوں''

وہ اُٹھی اور میری کرسی کے ہتھے پر آ بیٹھی۔ اس نے میری پیشانی کو نرمی سے سہلایا۔ اضمحلال سے میری آنکھیں مندنے لگیں ''ہاں ڈینی! میرے بے بس ڈینی۔ تم کیا، کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا'' اس کے لہجے میں تلخی تھی ''وہ تمہیں بھی ہتھیا لے گا جیسے اس نے مجھے ہتھیا لیا ہے۔ وہ جسے چاہے، غلام بنا لیتا ہے۔ وہ خون چوسنے والی جونک کی طرح ہے'' اور اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم رو رہی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تو اور کیا کروں؟" اس نے ہٹ دھرمی سے کہا "کیا ایسا کوئی قانون بھی ہے جو طوائف کو رونے سے روکتا ہو۔"

"آئی ایم سوری" میں نے جلدی سے کہا "میرا یہ مطلب نہیں تھا" میں جانتا تھا کہ وہ اور میں...... ہم دونوں فیلڈز کے جال میں پھنسے ہوئے پرندے ہیں، جن کے پر کاٹ دیے گئے ہیں، جو اڑ نہیں سکتے۔ خود فریبی لاحاصل تھی۔ ہم بے بس تھے۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا "ڈینی! تم نے بتایا کہ تم کسی سے محبت کرتے ہو"

"بے شک کرتا ہوں لیکن اس وقت وہ یہاں موجود نہیں ہے اور تم یہاں موجود ہو" میں نے کہا "ارے ہاں! اپنا نام تو بتاؤ"

"میرا نام رونی ہے" اس نے کہا "لیکن نہیں، یہ میرا اصل نام نہیں۔ میرا نام ڈیبورا ڈورف مین ہے"

"کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔" میں تلخی سے ہنسا "ہمارے پاس اپنا کچھ بھی تو نہیں ہے۔ غلاموں کے نام راس نہیں آئے۔ اہم بات یہ ہے کہ میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہوں۔ اور اگر یوں ہی ہے تو مجھے ہر وہ چیز قبول کر لینی چاہیے جو وہ مجھے پیش کرے"

اس کی نظریں جھک گئیں "جو میں تمہیں دینے والی ہوں ڈینی، وہ اس کی دولت کبھی نہیں خرید سکتی۔ اسے اپنی غلامی کی قیمت نہ سمجھنا" ماحول کی کشیدگی یک لخت دور ہو گئی۔

"تو تم اس کی پیشکش قبول کر لو گے؟" ڈیبورا کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے تلخ لہجے میں کہا "میں نہیں جانتا کہ میں کیا کروں گا"

☆☆

میں نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور فٹ پاتھ پر نکل آیا۔ رات کی سرد ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی، مجھے تازگی کا احساس ہونے لگا۔ سڑک کے پار جلتی ہوئی

سگریٹ کا سرا جیسے مجھے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ میں نے سڑک پار کی۔ میرے اندر غصہ اُمنڈ رہا تھا...... موج در موج!

اسپٹ مجھے دیکھ کر چونکا اور مجھے گھورنے لگا۔

"مجھے ایک سگریٹ تو دو اسپٹ"

"ضرور ڈینی" اسپٹ کے انداز میں اعصاب زدگی تھی۔ تاہم اس نے ایک سگریٹ میری طرف بڑھائی۔

میں نے سگریٹ ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا "جلوا بھی دو"

اس نے دیا سلائی رگڑ کر جلائی اور میری طرف بڑھائی۔ اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔

میں نے گہرا کش لے کر دھواں پھیپھڑوں میں بھرا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ بہت دنوں کے بعد میں نے سگریٹ کا کش لیا۔ مسٹر اسپرنزر نے میری اسموکنگ پر پابندی لگا دی تھی لیکن اب بہرحال کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"تم مسٹر فیلڈ سے مل لیے ڈینی؟" اسپٹ کے لہجے میں تشویش تھی۔

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے کا تاثر بتاتا تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا تھا کہ فیلڈز مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ میرے اندر پھر لہر لہر غصہ امنڈنے لگا۔ لگتا تھا کہ ساری دنیا کو یہ بات معلوم ہے اور میں بھی جانتا تھا کہ مجھے اس کی بات ماننا ہوگی۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ میں فیلڈ کو انکار کر سکوں گا۔ میں ایک کمزور پرندہ تھا، اُس کے جال سے بچ نہیں سکتا تھا۔

"نہیں، وہ نشے میں دھت تھا...... بے ہوش" میں نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

"تو تم وہاں اتنی دیر اس حسینہ کے ساتھ اکیلے رہے؟" اس کے لہجے میں لذت آمیز تجسس تھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ڈیبورا بھی فیلڈز سے نفرت کرتی تھی لیکن بے بس تھی۔ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ترپ کے تمام پتے فیلڈز کے پاس

تھے۔ ہم میں سے کسی کے پاس بچ نکلنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

''تو تم عیش کر کے آ رہے ہو؟'' اسپٹ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گویا چٹخارہ لینے والے انداز میں کہا۔

میں نے سر اُٹھا کر اسے غور سے دیکھا۔ رال اس کی باچھوں کو بھگو رہی تھی۔ بلکہ ایک طرف سے ٹپکنے لگی تھی۔ میں نے اس کا گریبان تھام کر اسے اپنی طرف کھینچا ''تمہیں اس سے کیا؟'' میں نے غصے سے کہا۔ وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ اس میں بے ہودہ تجسس کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی ''میں تو یونہی پوچھ رہا تھا ڈینی۔ ورنہ مجھے اس سے کیا۔ میں تو اس کے بارے میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔''

اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا ''پلیز! مجھے چھوڑ دو۔''

میں نے سرد نگاہوں سے اسے گھورا ''کیوں چھوڑ دوں'' اس کا گریبان اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔

''میں تمہارا دوست ہوں ڈینی'' اس نے ناہموار سانسوں کے درمیان کہا۔ میری گرفت کی وجہ سے اس کا گلا گھٹنے لگا تھا ''دیکھو، میں نے ہی تمہیں فیلڈز سے ملوایا ہے۔ میری ہی وجہ سے تمہیں تگڑا مال ملنے والا ہے۔''

میں ہنس دیا۔ کیا خوب دوستی کا دعوا تھا اُس کا۔ بہر حال میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اب وہ واضح طور پر نروس دکھائی دے رہا تھا ''ایک پل کو تو میں سمجھا تھا کہ تم مجھے مارنے والے ہو'' اس نے کہا۔

میں پھر ہنسا۔ اس نے غلط نہیں سمجھا تھا۔ میرا گھونسہ اُس کے پلپلے پیٹ پر لگا۔ وہ دہرا ہوتے ہوئے گھٹنوں کے بل جھکا۔ میں نے نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا ''تمہارے اندازے غلط نہیں ہوتے اسپٹ''

اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں اُلجھن تھی ''تمہیں کیا ہو گیا ہے ڈینی۔ میں نے

تو تم پر مہربانی کی تھی''

میں نے اس کے چہرے پر کھلے ہاتھوں سے بھرپور تھپڑ لگایا۔ وہ پہلو کے بل گر گیا ''مجھے تمہاری مہربانی کی ضرورت نہیں اور آئندہ کبھی مجھ سے دوستی کا دعوا بھی نہ کرنا'' میں نے تند لہجے میں کہا۔

وہ چند لمحے میرے قدموں میں بکھرا رہا۔ پھر دروازے کا ہینڈل تھام کر اُٹھنے لگا۔ اب اس کی نگاہوں میں نفرت تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ اپنی قمیص کے اندر رینگ گیا۔

میں نے دانستہ اسے موقع دیا۔ مگر جیسے ہی اس نے چاقو نکالا، میں نے اس کے چاقو والے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کی۔ چاقو نیچے فٹ پاتھ پر گرا اور وہ آگے کی طرف گرا۔ اب وہ تڑپ رہا تھا۔

میرے اندر سرد سی طمانیت تیر گئی۔ میکسی فیلڈز کا تو میں کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن اس کے گرگے سے تو حساب برابر کر سکتا تھا۔

اس نے سر اُٹھا کر مجھے نفرت سے دیکھا ''میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا ڈینی'' اس نے بھاری آواز میں کہا ''خدا کی قسم، میں اس پر تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا''

میں نے پھر قہقہہ لگایا ''تم ایسا سوچنا بھی نہیں اسپٹ'' میں نے جھک کر اُس کا چہرہ فٹ پاتھ سے رگڑ ڈالا ''تمہارے باس کو یہ بات پسند نہیں آئے گی۔'' یہ کہہ کر میں پلٹا اور گھر کی طرف چل دیا۔

............☆☆............

ہال وے میں رک کر میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ڈھائی بجنے والے تھے۔ میں تیز رفتاری سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دروازے کی نچلی درز سے مجھے روشنی جھانکتی نظر آئی۔ میں نے سوچا، کاش پاپا سو گئے ہوں۔ آج رات میں مزید کچھ نہیں جھیل سکتا۔

میں نے جیب سے اپنی چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ ماما کا چہرہ دیکھتے ہی میں مسکرایا ''آپ کو میرا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی ماما''

وہ کرسی سے اُٹھ کر میری طرف لپکیں۔ ان کی نگاہیں میرے چہرے کو ٹٹول رہی

تھیں ''تم ٹھیک تو ہو ڈینی؟'' انہوں نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''یہ بالکل ٹھیک ہے'' اندرونی دروازے کی طرف سے پاپا کی آواز سنائی دی ''یہ ڈائنا مائٹ ڈینی فشر ہے۔ اسے تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی۔ یہ دیکھو، یہ سب کچھ صبح کے اخبار کے پہلے ایڈیشن میں لکھا ہے۔'' انہوں نے ہاتھ میں موجود اخبار کو لہرایا'' انہوں نے اس کے لیے ایک اور لقب ڈھونڈا ہے'' وہ مضحکہ اُڑانے والے انداز میں بولے'' آج رات کی فائٹ میں ایک پنچ سے اپنے حریف کا جبڑا دو جگہ سے توڑنے کے صلے میں اسے ڈائنا مائٹ کا خطاب ملا ہے۔'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھا'' تو اس کی خبر چھپ بھی گئی''

پاپا نے پھر اخبار لہرایا'' تم کیا سمجھتے تھے؟ کہ یہ راز رہے گا؟ اور یہ تو بتاؤ کہ پوری رات تم کیا کرتے رہے؟ اس ادا فروش کے ساتھ تھے نا؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ ان سے بات کرنا لا حاصل تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ یہ محض اتفاق تھا۔ باکسنگ میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

ماما کا ہاتھ میرے کندھے پر تھا اور وہ فکر مندی سے مجھے دیکھ رہی تھیں'' اخبار میں لکھا ہے کہ پہلے دو راؤنڈز میں تم نے بہت مار کھائی''

میں نے ماما کا ہاتھ تھام کر محبت سے دبایا'' کچھ اتنا زیادہ بھی نہیں ماما۔ دیکھ لیں، میں ٹھیک ٹھاک ہوں نا''

''لیکن وہ لڑکا اسپتال میں ہے'' پاپا پھٹ پڑے'' اب تو شاید تم خود کو روک لو گے؟ یا کسی کو قتل کر کے ہی دم لو گے؟''

''احمقانہ باتیں نہ کریں پاپا'' میں نے سخت لہجے میں کہا'' یہ محض اتفاق تھا۔ اس کھیل میں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ وہ میرا ارادی اور اختیاری عمل نہیں تھا''

''اسے اتفاق کہتے ہو تم؟'' پاپا دہاڑے'' اور یہ کھیل ہے، جس کا مقصد ہی دوسرے کو مارنا اور اذیت پہنچانا ہے'' وہ ماما کی طرف مڑے'' ایک دن ایسا آئے گا کہ ہمارے گھر میں ایک قاتل موجود ہوگا اور ہم سے کہے گا کہ وہ ایک اتفاقی قتل تھا، جو اس سے سرزد ہوا۔''

اس بار میرے اعصاب جواب دے گئے'' میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ خدا کے لیے، میری جان چھوڑ دیں'' میں چلایا اور کرسی پر گر کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھ سے چھپا لیا۔

ماما کے ہاتھ مجھے اپنے کندھے پر محسوس ہوئے۔ پھر انہوں نے مستحکم لہجے میں پاپا سے کہا'' ہیری! تم جا کر سو جاؤ۔''

''تم غلط کر رہی ہو میری۔ تم اسے بگاڑ رہی ہو'' پاپا نے کہا'' کسی دن یہ کسی کو ختم کر دے گا اور اس کی ذمہ دار اس کے ساتھ تم بھی ہو گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں الزام قبول بھی کر لوں گی'' ماما نے بلا جھجک کہا'' یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اس کے ہر فعل کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔''

''ہم نہ کہو، میں کہو'' پاپا کا لہجہ زہریلا تھا'' میں کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب یا تو یہ فائٹنگ چھوڑے گا یا پھر میں اسے چھوڑ دوں گا۔ اب ایک فائٹ بھی اس نے کی تو اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ میرے گھر میں کوئی قاتل میرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

ان کے دور جاتے قدموں کی چاپ سنائی دی اور چند لمحے بعد خاموشی ہو گئی۔ پھر ماما نے نرم لہجے میں کہا'' کچھ دیر پہلے میں نے چکن سوپ بنایا تھا۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں تمہارے لیے۔''

میں نے سر اُٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے اُداسی میں لپٹی محبت چھلک رہی تھی۔'' مجھے بھوک نہیں ہے ماما''

''تھوڑا لے لو۔ تمہیں فائدہ ہوگا'' انہوں نے میرا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ پھر انہوں نے بڑھ کر چولہا جلا دیا۔ دیگچی پہلے ہی چولہے پر رکھی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ پاپا کی بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے۔ میں تو خود بھی فائٹر نہیں بننا چاہتا تھا لیکن مجبوری تھی۔ ہم تنگ دستی میں مبتلا تھے اور میرے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ پاپا نجانے یہ بات کیوں نہیں سمجھتے تھے۔

ماما نے میرے سامنے سوپ کی پلیٹ لا کر رکھ دی۔ پھر وہ میرے سامنے بیٹھ گئیں

''لو کھاؤ۔''

میں نے سوپ چکھا۔ وہ مزے کا تھا۔ میرے جسم میں توانائی سی دوڑ گئی۔ میں نے تشکر سے ماما کو دیکھا۔ وہ مسکرانے لگیں۔

سوپ لینے کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ تھکن جیسے تحلیل ہو گئی لیکن پیٹھ اور پہلوؤں کی دُکھن بدستور تھی۔ میں نے پاپا کا چھوڑا ہوا اخبار یونہی اُٹھالیا۔ وہ اخبار کا اسپورٹس سیکشن تھا۔ اخبار کے بیچ میں سے چند چھوٹے کاغذ گرے۔ میں نے تجسس سے انہیں دیکھا۔ ان پر کچھ حساب کتاب لکھا ہوا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے ایک کاغذ کا جائزہ لیتے ہوئے ماما سے پوچھا۔

انہوں نے وہ کاغذ مجھ سے جھپٹ لیے ''کچھ نہیں۔ تمہارے پاپا کا کچھ حساب کتاب ہے''

''کس سلسلے میں؟''

''وہ اپنے ایک دوست کا چلتا ہوا اسٹور خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ غور کر رہے تھے کہ اس کے لیے رقم کہاں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔'' ماما نے کہا۔ پھر ان کے لہجے میں بے بسی در آئی ''لیکن کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس رات اپنے اسٹور سے جو مال نکال کر انہوں نے تمہارے انکل ڈیوڈ کے پاس رکھوایا تھا، وہ موجود ہے اور کم نہیں ہے۔ لیکن کیش کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لیے اس معاملے کو بھول جانا ہی بہتر ہے۔''

میری غنودگی ایک دم معدوم ہو گئی۔ میں نے سوچا، اگر میں ان کے لیے رقم کا بندوبست کرسکوں تو شاید وہ مجھے اتنا برا نہیں سمجھیں گے ''کتنی رقم کی ضرورت ہے پاپا کو؟'' میں نے ماما سے پوچھا۔

ماما نے میرے سامنے سے خالی پلیٹ اُٹھائی اور سنک کی طرف چلی گئیں۔ پلیٹ دھوتے ہوئے انہوں نے میری طرف دیکھا ''پانچ سو ڈالر'' انہوں نے جواب دیا ''لیکن اس وقت تو یہ ہمارے لیے پانچ ملین کے برابر ہے۔ کہیں سے مل نہیں سکتی۔''

میں تاسف سے ماما کے جھکے ہوئے کندھوں کو دیکھتا رہا۔ ہر روز ایک نئی فکر انہیں

گھلاتی تھی۔ وہ بہت تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔

پانچ سو ڈالر! اتنی رقم تو فیلڈز سے بھی مل سکتی تھی۔ اس نے خود بتایا تھا کہ فائٹ پر اس کے چار ہزار ڈالر لگے ہیں۔

''لیکن اس کے بارے میں سوچنا بھی اچھا تھا لگا بلونڈی'' ماما کی آواز نے مجھے چونکا دیا ''اگر یہ اسٹور مل جاتا تو ہمارے پرانے دن لوٹ آتے۔ مگر اتنی بڑی رقم ہمیں کہیں سے نہیں مل سکتی'' ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا ''میں تھک گیا ہوں ماں، سونے جا رہا ہوں''

وہ میری طرف آئیں اور میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''بیٹے! تم فائٹنگ چھوڑ دو۔ تمہارے پاپا نے جو کچھ کہا وہ اس پر اٹل ہیں۔ رات بھر وہ اس کے لیے قسمیں کھاتے رہے ہیں۔''

میں ماما کو بتانا چاہتا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں سکتی تھیں۔ میں انہیں ایک ہی جواب دے سکتا تھا ''یہ ممکن نہیں ماما''

''میری خاطر بلونڈی'' ان کا لہجہ التجائیہ تھا ''پلیز...... دیکھو نا، جون میں تم اسکول سے فارغ ہو جاؤ گے۔ تمہیں کوئی جاب مل جائے گی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''ماما! اب میں چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے''

میں جانے لگا لیکن ماما نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھاما اور میری آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ ان کی نگاہوں میں خوف تھا ''لیکن ڈینی! جیسے وہ لڑکا آج تمہارے ہاتھوں زخمی ہوا ہے، ویسے ہی تم بھی زخمی ہو سکتے ہو'' ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''میں تو یہ برداشت نہیں کر سکوں گی''

میں نے مسکراتے ہوئے ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا ''آپ فکر نہ کریں ماما'' میں نے ان کے سر کو بوسہ دیتے ہوئے کہا ''میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا ماما''

............☆☆............

میں دروازہ کھول کر اسٹور میں داخل ہوا۔ وہاں کاؤنٹر کے پیچھے ایک آدمی تھا۔ اس کے سوا اسٹور خالی تھا۔ اس شخص نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا ''کیا بات ہے کڈ؟ کیا چاہیے تمہیں؟''

''مجھے مسٹر فیلڈز سے ملنا ہے'' میں نے کہا۔

''بھاگ جاؤ بچے۔ فیلڈز سے ملاقات کے لیے ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔''

میں نے سرد نظروں سے اسے گھورا ''وہ مجھ سے ضرور ملیں گے۔ میرا نام ڈینی فشر ہے''

اس کی آنکھیں کچھ پھیل سی گئیں ''فائٹر ڈینی فشر؟'' اب اس کے لہجے میں احترام تھا۔

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس نے فون اُٹھایا اور اس میں جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔ مجھے یہ بات اچھی لگی کہ لوگ اب مجھے پہچاننے لگے ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اب فٹ پاتھ پر چلنے والے گمنام لوگوں کی بھیڑ سے کچھ الگ ہوں۔ کچھ اہمیت ہے میری لیکن یہ اہمیت زیادہ دیر رہنے والی نہیں۔ اگلی فائٹ کے بعد میں پھر ایک گمنام لڑکا ہوں گا۔ ہارنے والوں کو کوئی یاد نہیں رکھتا۔

اس شخص نے فون رکھا اور اسٹور کے عقب میں دروازے کی طرف اشارہ کیا ''مسٹر فیلڈز نے تمہیں اُوپر بلایا ہے''

میں دروازے سے گزرا اور سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر گیا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا تو ڈیبورا کا چہرہ میرے سامنے تھے۔ مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی ''آ جاؤ'' اس نے کہا۔

میں اس کے پاس سے گزر کر کمرے کی طرف بڑھا لیکن کمرا خالی تھا ''وہ کہاں ہے رونی؟''

''شیو کر رہا ہے۔ ابھی ایک منٹ میں باہر آ جائے گا'' وہ میری طرف بڑھی ''رات جاتے وقت تم نے مجھے ڈیبورا کہہ کر پکارا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب تم یہاں نہیں آؤ گے۔''

''وہ رات کی بات تھی۔ صبح میں نے ارادہ بدل لیا''

''سنو! اسپٹ صبح یہاں آیا تھا'' اس نے سرگوشی میں کہا ''اس نے میکسی کو بتایا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ میکسی غصے سے کھول رہا تھا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ ابھی اس کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ میری آنکھوں میں دیکھنے لگی ''ڈینی! تم میری خاطر واپس آئے ہو؟''

''ہاں رونی'' میں نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا ''تمہاری خاطر اور دولت کی خاطر''

''تمہیں دونوں ہی ملیں گی'' دروازے کی طرف سے فیلڈز کی آواز آئی۔ میں نے سر گھما کر اسے دیکھا ''میں جانتا تھا ڈینی کہ تم واپس آؤ گے۔ تم بہت اسمارٹ ہو...... عقلمند۔''

''میں نے سنا ہے مسٹر فیلڈ کہ تم معاوضہ بہت اچھا دیتے ہو'' میں نے کہا ''میں اس قول کی صداقت کو جانچنے کے لیے آیا ہوں''

اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ مسکرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اس مسکراہٹ کی جھلک بھی نہیں تھی ''تم نے اسپٹ کی مرمت لگا دی'' اس نے کہا ''میں اپنے آدمیوں کا پٹنا پسند نہیں کرتا''

میں نے اپنا چہرہ بے تاثر رکھتے ہوئے کہا ''اسپٹ اور میں دوست رہے ہیں۔ ہم نے دو ایک کام بھی مل کر کیے لیکن اسپٹ نے اصولوں کی خلاف ورزی کی، اس نے میرے خلاف مخبری کی اور میں دوستوں سے ایسی اُمید نہیں رکھتا، نہ یہ پسند کرتا ہوں''

''وہ میرے احکامات پر عمل کر رہا تھا'' فیلڈز نے نرم لہجے میں کہا۔

''اب اس کی یہ حیثیت میرے لیے قابلِ قبول ہے لیکن اس سے پہلے وہ میرا دوست تھا''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فیلڈز سگار کو منہ میں اِدھر اُدھر گھماتا رہا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ وہ بے وقوف

نہیں تھا۔ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

بالآخر اس نے لائٹر نکال کر سگار سلگایا اور ڈیبورا سے بولا ''رونی! میرے لیے اورنج جلوس لاؤ''

وہ جانے لگی تو اس نے پکارا ''ڈینی کے لیے بھی لانا۔ اس سے اس کی ٹریننگ پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا''

دروازہ بند ہوا تو وہ میری طرف مڑا ''کہو، کیسی لگی یہ تمہیں؟'' اس نے چٹخارا لینے والے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے سکون کا سانس لیا ''اچھی لگی''

وہ ہنس دیا ''میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ تمہیں خوش نہ کر سکی تو میں اسے بہت سخت سزا دوں گا۔''

''چھوڑو ان باتوں کو'' میں نے کہا ''یہ بتاؤ، مجھے کیا دو گے؟''

اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا ''کس سلسلے میں؟''

''فائٹ ہارنے کے عوض''

وہ مسکرایا ''تم واقعی بہت تیز ہو۔ تیز اور سمجھدار''

''مسٹر فیلڈز! وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ بتاؤ، تم مجھے کیا دے سکتے ہو''

رونی اورنج جوس کے دو گلاس لے کر واپس آ گئی۔ خاموشی سے اس نے ہم دونوں کو ایک ایک گلاس تھما دیا۔ میں نے چکھ کر دیکھا۔ جوس بہت خوش ذائقہ تھا۔ وہ یقیناً تازہ نارنگیوں کا ابھی نکالا گیا جوس تھا۔ نارنگیاں خاصی مہنگی ہوتی ہیں۔ مدت سے مجھے ایسا جوس نہیں ملا تھا۔ میں نے ایک گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا۔ فیلڈز اپنے گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔

''پانچ سو ڈالر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' بالآخر اس نے کہا۔ وہ مجھے تولنے والی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ میں جانتا تھا کہ میری پوزیشن مضبوط ہے ''یہ تو بہت کم

ہے'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے اپنا جوس ختم کیا اور میری طرف جھکا ''اچھا تو تم ہی بتا دو''

''ایک ہزار'' میں نے کہا۔ اس کو تو اس کے باوجود تین ہزار کا فائدہ ہوتا۔

''ساڑھے سات سو...... اور ساتھ میں یہ گڑیا بونس میں'' اس نے رونی کی طرف اشارہ کیا۔

''صرف نقد رقم کی بات کرو'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ساڑھے سات سو ڈالر کم نہیں ہوتے'' وہ کراہا۔

''بہت کم ہوتے ہیں۔ دیکھو نا، فائٹ ہارنا آسان نہیں ہوتا۔ لوگوں کو یہ احساس بھی دلانا ہو گا کہ ان کے ساتھ دھوکا نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے مجھے بہت مار کھانی ہو گی تا کہ تمہارے لیے تین ہزار ڈالر کما سکوں۔''

وہ اُٹھ کر میری طرف آیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کا بھاری ہاتھ میرے کندھے پر آ ٹکا ''ٹھیک ہے ڈینی! ہزار ہی سہی'' اس نے کہا۔

''فائٹ کے فوراً بعد تمہیں ہزار ڈالر مل جائیں گے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں مسٹر فیلڈز! آدھے پہلے اور آدھے بعد میں''

اس نے زور کا قہقہہ لگایا اور رونی کی طرف مڑا ''میں نے کہا تھا نا کہ یہ بہت تیز ہے'' پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا ''منظور ہے ڈینی۔ شام کو فائٹ سے پہلے پانچ سو ڈالر مجھ سے لے لینا۔ باقی پانچ سو اگلے دن''

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے چہرہ بے تاثر رکھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری طمانیت اسے نظر آئے۔ ''ٹھیک ہے مسٹر فیلڈز۔ پھر ملاقات ہو گی۔''

رونی نے عقب سے مجھے پکارا ''ڈینی! تم واپس آؤ گے نا؟''

میں نے اسے اور اس کے عقب میں فیلڈز کو دیکھا ''کیوں نہیں، ضرور آؤں گا'' میں نے کہا ''مگر رقم لینے کے لیے''

فیلڈز کے قہقہے نے کمرے کو ہلا دیا ''واہ...... جواب تو اس کی نوکِ زباں پر تیار

رہتے ہیں‘‘

رونی کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھی۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کی کلائی تھام لی۔ چند لمحے ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ پھر میں نے سرگوشی میں کہا ’’جانے دو ڈیبورا۔ ہمیں خواب راس نہیں آئیں گے۔‘‘

میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک بالکل واضح تھی۔ اس نے پلٹ کر فیلڈز کو دیکھا ’’تم ٹھیک کہتے ہو میکس‘‘ اس نے کہا ’’یہ بہت تیز ہے۔ ضرورت سے زیادہ تیز‘‘

میں نے باہر نکل کر عقب میں دروازہ بند کیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ کوئی اُوپر آ رہا تھا۔ اسے راستہ دینے کے لیے میں ایک طرف ہو گیا۔

وہ اسپٹ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چونکا اور اس کا ہاتھ چاقو نکالنے کے لیے لپکا۔

’’میں تمہاری جگہ ہوتا تو یہ غلطی کبھی نہ کرتا اسپٹ‘‘ میں نے سرد لہجے میں کہا ’’باس اسے پسند نہیں کریں گے‘‘ یہ کہہ کر میں مسکرایا۔

اس نے گھبرا کر فیلڈز کے دروازے کی طرف اور پھر مجھے دیکھا۔ اس کے انداز میں دو دلی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اس پر سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ اچانک اُوپر سے فیلڈز کی دہاڑ سنائی دی ’’اسپٹ...... کہاں رہ گئے ہو تم؟‘‘

چاقو تیزی سے دوبارہ اسپٹ کی جیب میں چلا گیا۔ اس نے منہ اُوپر اُٹھاتے ہوئے ہانک لگائی ’’آ رہا ہوں باس‘‘ پھر وہ تیزی سے اُوپر لپکا۔

میں نے اسے فیلڈز کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔ پھر میں سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ ایک روشن اور خوبصورت دن تھا۔ میں نیلی کے گھر کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ کام پر جانے کے لیے نہیں نکلی ہوگی۔ اس کو صرف دیکھ لینا بھی میرے لیے ہمیشہ سکون بخش ثابت ہوتا تھا۔

..........☆☆..........

اس صبح میری آنکھ پاپا کی بک جھک سے کھلی تھی۔ میں بستر پر لیٹا یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں لیکن ابھی میں پوری طرح جاگا نہیں تھا۔

پھر اچانک مجھے یاد آیا اور میں پوری طرح بیدار ہو گیا۔ یہی تو وہ دن تھا کل سب کچھ ختم ہو چکا ہوگا۔ میں نارمل ہو جاؤں گا۔ ایسٹ اینڈ کا ایک اور باسی...... عام سا لڑکا، جس کی کوئی پہچان نہیں ہوگی۔

میں نے بستر پر بیٹھ کر پاؤں لٹکائے اور اپنے سلیپر ٹٹولنے لگا۔ انہیں پہن کر میں اُٹھا اور ایک انگڑائی لی۔ میں نے سوچا، یہ بہتر ہی ہوگا۔ تب شاید پاپا مجھ سے خوش ہوں گے۔ ان کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور میرا فائٹنگ کیریئر بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی گھر کی ہر وقت کی کشیدگی اور کھنچاؤ سے بھی نجات مل جائے گی۔ پچھلے ہفتے تو پاپا نے میری زندگی اجیرن کر دی تھی۔

میں باتھ روم میں آ گیا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ آج شیو کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے جلد نرم ہو جائے گی، اور چہرے پر آسانی سے کٹ لگ سکے گا۔ میں ہارنے کے لیے تیار تھا، لیکن لہولہان ہونے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے دانت صاف کیے، منہ دھویا، بالوں میں کنگھی کی۔ میں نے سوچا، شاور شام کو جمنازیم میں لے لوں گا۔ وہاں گرم پانی ہوتا ہے۔ باتھ روم سے نکل کر میں اپنے کمرے میں آیا۔ پاپا کی آواز اب بھی میرا تعاقب کر رہی تھی۔ میں نے کپڑے تبدیل کیے اور کچن میں چلا گیا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی پاپا خاموش ہو گئے۔ انہوں نے کافی کی پیالی سے سر اُٹھا کر سرد نگاہوں سے مجھے گھورا۔

ماما جلدی سے میری طرف بڑھیں ’’بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں کافی دیتی ہوں‘‘

میں خاموشی سے پاپا کے مقابل بیٹھ گیا۔ میمی کمرے میں آئی۔ میں نے اسے ہائی کہا۔ اس سے بات کرنا اس بات کا ثبوت تھا کہ میں خود کو کسی قدر تنہا محسوس کر رہا تھا۔

لیکن میمی کی مسکراہٹ بڑی سچی تھی اور اس میں محبت کی گرمی تھی۔ ’’ہائی چیمپ!

آج تم جیت رہے ہونا؟'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

پاپا نے پوری قوت سے میز پر گھونسا مارا ''لعنت ہو۔ کیا اس گھر میں سب پاگل ہو گئے ہیں'' انہوں نے گرج کر کہا ''میری بات غور سے سنو۔ میں اب اس فائٹنگ کے دھندے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔''

میمی کے چہرے پر ہٹ دھرمی کا تاثر اُبھرا۔ وہ ان کی طرف مڑی ''یہ میرا بھائی ہے۔ اور میں اس سے جو بات چاہوں کرسکتی ہوں'' اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

پاپا کا منہ لٹک گیا۔ میمی نے پہلے کبھی اس طرح ان سے بات نہیں کی تھی۔ وہ کچھ کہنے والے تھے کہ ماما نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''نہیں ہیری! آج صبح سویرے کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ پلیز، کوئی بحث مباحثہ نہیں''

''تم نے سنا نہیں، میمی نے کس انداز میں بات کی'' پاپا کی جیسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔

''ہیری پلیز! سکون سے ناشتہ کرو اور کرنے دو'' ماما کے لہجے میں تیزی تھی اور وہ نروس لگ رہی تھیں۔

کمرے میں سنگین سی خاموشی چھا گئی۔ برتنوں کی کھنک کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا ''اب مجھے جمنازیم جانا ہے'' میں نے کہا کوئی کچھ نہیں بولا میں زبردستی مسکرایا ''کوئی مجھے گڈ لک کہنے والا بھی ہے؟'' میں نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ہارنے کا فیصلہ تو میں کرہی چکا ہوں لیکن پھر بھی اپنوں کی محبت تو حوصلہ افزا ہوتی ہے۔

میمی میرا ہاتھ تھام کر اُٹھی اور میری پیشانی پر بوسہ دیا ''گڈ لک ڈینی''

میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ میری نگاہوں میں تشکر تھا۔ پھر میں پاپا کی طرف مڑا۔ وہ اپنی پلیٹ پر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ میں ماما کی طرف مڑا۔ ان کی نگاہوں میں تشویش تھی ''تم محتاط رہنا میرے بچے''

میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں دیکھتے ہوئے میرا گلا رندھنے لگا۔

پہلی بار میں نے غور سے دیکھا کہ پچھلے چند برسوں نے انہیں کتنا تھکا دیا ہے، کمزور کردیا ہے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام کر جھکایا اور مجھے پیار کیا۔ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے اپنی جیب ٹٹولی اور دو ٹکٹ نکال کر ان کی طرف بڑھائے ''یہ دو ٹکٹ میں آپ کے لیے لایا ہوں''

''ہمیں نہیں چاہئیں تمہارے ٹکٹ۔'' پاپا کی آواز کوڑے کی طرح لہرائی۔ وہ غصے سے مجھے گھور رہے تھے ''انہیں اپنے پاس ہی رکھو''

میں نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا ''یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں''

''تم نے سنا نہیں۔ اپنے پاس ہی رکھو انہیں''

میں نے ماما کی طرف دیکھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے ٹکٹ دوبارہ جیب میں رکھ لیے اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''ڈینی!'' پاپا نے مجھے پکارا۔

میں دل میں اُمید لیے ان کی طرف پلٹا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ نرم پڑ گئے ہوں گے اور اب ٹکٹ لے لیں گے۔ میں جیب سے ٹکٹ نکال رہا تھا۔ مگر اسی وقت میری نظر ان کے چہرے پر پڑی، اور میں نے جان لیا کہ کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ ان کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا اور وہ تند نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''تو تم نہیں مانو گے؟ آج فائٹ میں حصہ لو گے؟''

میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''حالانکہ میں نے تمہیں سختی سے منع کیا ہے؟''

''میں مجبور ہوں پاپا۔ اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا''

''اپنی چابی مجھے دے دو ڈینی'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور ہاتھ پھیلا دیا۔

میں چند لمحے انہیں دیکھتا رہا، پھر میں نے ماما کو دیکھا ''ہیری پلیز! اس وقت نہیں'' ماما نے پاپا سے التجا کی۔

''میں نے اس سے کہا تھا کہ اب فائٹ کرے گا تو میرے گھر میں نہیں آئے گا یہ۔

اور میں نے یونہی نہیں کہا تھا۔ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔''

''لیکن ہیری! سوچو تو۔ یہ ابھی بچہ ہی ہے۔''

اب پاپا کی آواز میں طوفانوں کی سی گھن گرج تھی۔ ''جو کسی کو قتل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ بچہ نہیں ہوسکتا۔ یہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اپنے فیصلے خود کرتا ہے، تو اسے ابھی یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا۔ میں نے بہت برداشت کرلیا، اب اور برداشت نہیں کروں گا'' وہ میری طرف مڑے ''ابھی تمہارے پاس ایک موقع ہے۔ سوچ لو''

میں دہکتی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ میرے باپ ہیں، میری رگوں میں ان کا خون دوڑ رہا ہے۔ میرا وجود ان کے وجود کی ایک شاخ ہے لیکن اب انہیں میری کوئی پروا نہیں۔ میرا جی چاہا کہ ان سے التجا کروں کہ بس ایک فائٹ اور پھر میں کبھی نہیں لڑوں گا۔ لیکن میرا دل نہیں مانا۔ انہیں میری عزت نفس کی بھی پروا نہیں تھی۔ وہ مجھے ذلیل کر رہے تھے۔ انہیں یہ بھی خیال نہیں تھا کہ میں یہ سب کچھ گھر کے لیے، ان کے لیے کر رہا ہوں۔ میں ان کی ذمہ داری پوری کر رہا ہوں۔ میں نے جیب سے چابی نکال کر ان کی طرف اُچھالی۔ وہ میز پر ان کے سامنے گری۔ میں نے ایک لمحہ چابی کو دیکھا، پھر پلٹ کر گھر سے نکل آیا۔

کچھ دیر بعد میں فیلڈز کے روبرو کھڑا تھا۔ اس نے رقم گن کر میرے سامنے میز پر ڈال دی۔ اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں عیاری کی چمک تھی ''یہ لو لڑکے، وعدے کے مطابق ۵۰۰ ڈالر۔ اُٹھا لو''

وہ ایک ڈالر کے نوٹوں کی پانچ نئی کراری گڈیاں تھیں۔ میں نے انہیں اُٹھایا۔ میرے ہاتھوں کو اچھا لگا۔ جب میں پاپا کو یہ رقم دوں گا تو ان کا لہجہ بدل جائے گا۔ میں نے انہیں جیب میں رکھتے ہوئے کہا ''شکریہ مسٹر فیلڈز''

وہ مسکرایا ''شکریے کی کوئی بات نہیں کڈ۔ بس مجھے ڈبل کراس نہیں کرنا''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا ''میں ایسا کیوں کروں گا؟''

''میرا تو خیال نہیں ہے کہ تم ایسا کرو گے لیکن اسپٹ کو یقین ہے کہ تم مجھے ڈبل

کراس کر سکتے ہو۔''

میں نے اسپٹ کی طرف دیکھا، جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا چاقو سے اپنے ناخن صاف کر رہا تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کی نگاہوں میں کینہ اور عناد تھا۔

''اسے یہ خیال کیسے آیا کہ یہ سوچنے سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے؟'' میں نے زہریلے لہجے میں فیلڈز سے کہا۔

فیلڈز نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کی کرسی لرزنے لگی۔ پھر وہ اُٹھا اور میز کے گرد گھوم کر میری طرف آیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ''تم بہت تیز ہو ڈینی لیکن یہ نہ بھولنا کہ جو تمہاری جیب میں ہے، وہ میرا مال ہے۔''

''یہ بھولنے والی بات ہے بھی نہیں مسٹر فیلڈز'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''ایک اور بات ہے، جو میں نہیں چاہتا کہ تم بھولو'' فیلڈز نے عقب سے کہا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا ''وہ بھی بتا دو'' میں نے کہا۔

اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں ''میں ہر لمحہ تمہیں دیکھ رہا ہوں گا'' اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

☆☆

میں ڈریسنگ روم میں تھا۔ لوگوں کے شور مچانے کی آواز وہاں تک آ رہی تھی۔ وہ موج در موج آواز تھی۔ ایک آواز، جس میں دیوانگی اور وحشت تھی۔ وہ وقت جتنی قدیم آواز تھی...... جنگل کی آواز، جہاں دو جانور بقا کی جنگ لڑتے تھے، اسی طرح وہ روم کے کلوزیم میں گونجتی تھی جہاں انسانوں کی تفریح کے لیے دو انسانوں کو یا ایک انسان کو کسی درندے کے ساتھ بقا کی جنگ لڑنی پڑتی تھی۔ پانچ ہزار برس کا فاصلہ بھی اس آواز میں معمولی سے تبدیلی نہیں لا سکا تھا۔

میں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے لیکن اسے روک نہیں سکا۔ ہاں وہ کچھ دھیمی ضرور

لگنے لگی۔

کمرے میں بزر کی آواز گونجی۔ اسپرنزر نے میرا ہاتھ تھپتھپایا'' چلو کڈ! وقت ہو گیا ہے'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

'' ذرا دیر میں تمہاری یہ کیفیت دور ہو جائے گی'' اسپرنزر کے لہجے میں تفہیم تھی '' پہلی بار گارڈن میں ہر فائٹر اس کیفیت سے گزرتا ہے۔ یہ اس ایریا کا اپنا سحر ہے۔''

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے پیٹ میں ایک گولا سا حرکت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نروس تھا۔ مگر مجھے حیرت تھی کہ اسپرنزر نے اسے کیسے سمجھ لیا۔ یہ الگ بات کہ اس نے میرے نروس ہونے کی غلط تعبیر کی تھی۔ گارڈن میرے نروس ہونے کا سبب نہیں تھا۔ مجھے تو یہ خیال ستا رہا تھا کہ مجھے یہ فائٹ ہارنی ہے۔

ہم ڈریسنگ روم سے نکلے اور رنگ کی طرف جانے والے راستے پر بڑھے۔ تب میں نے گارڈن کا جائزہ لیا۔ خدایا...... وہ تو چہروں کا سمندر تھا۔ سام بھی ان میں کہیں موجود ہوگا اور میکسی فیلڈز بھی۔ بلکہ شاید نیلی بھی آئی ہوگی۔ بس ماما اور پاپا موجود نہیں ہوں گے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ کچھ میرا نام بھی پکار رہے تھے۔ زیپ نے میرے کان میں کہا '' وہ دیکھو ڈینی، نیلی بھی آئی ہے۔''

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی لیکن اس میٹھی مسکراہٹ میں تشویش بھی تھی۔ پھر وہ چہروں کے سمندر میں کہیں کھو گئی۔

میں رنگ میں داخل ہوا۔ جگمگ روشنی سے میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اناؤنسر نے میرا نام پکارا تو میں رنگ کے وسط کی طرف بڑھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ مجھے پہلے ہی زبانی یاد تھا۔ وہ ریفری کی ہدایات تھیں، فائٹنگ کے ضابطے اور اصول تھے۔

''...... جیتے گا وہ جو جیت کا مستحق ہوگا......'' ریفری نے کہا۔

میرا جی چاہا کہ زور سے قہقہہ لگاؤں۔ یہاں مستحق باکسر کو ہار جانا تھا۔ میں نے اپنا

گاؤن اُتارا۔ ڈریسنگ روم میں رکھی میری پینٹ میں پانچ سو ڈالر موجود تھے، جو مستحق باکسر کو ہارنے کے لیے دیے گئے تھے۔

اسپرنزر نے میرے کان میں کہا'' فکر مت کرو کڈ۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے نا کہ تم ہار جاؤ۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ مجھے ہارنے کی فکر کب تھی۔ کون جیتے گا، یہ فیصلہ تو میں پہلے ہی کر چکا تھا۔

میں نے پہلی بار تجسس سے سر اُٹھا کر اپنے حریف کو دیکھا۔ وہ مجھی کو دیکھ رہا تھا، اس کی نگاہوں میں خوف تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اب میں وہاں اسے یہ تسلی تو نہیں دے سکتا تھا کہ اسے نروس ہونے کی، مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا نام ٹونی گارڈیلا تھا، اور وہ اطالوی تھا۔ ہم دونوں اپنے کارنر کی طرف چلے گئے۔

گھنٹی بجی اور میں تھرکتا ہوا رنگ کے وسط کی طرف بڑھا۔ میرے پیروں میں جیسے اسپرنگ لگے ہوئے تھے۔ اس احساس نے کہ مجھے ہارنا ہے، میری خود اعتمادی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ پہلے کبھی اتنے بھرپور اعتماد کے ساتھ میں رنگ میں نہیں اُترا تھا کہ میں اپنی فائٹ بہ آسانی جیت سکتا ہوں۔ شاید وجہ یہ تھی کہ مجھے اس وقت کی فکر نہیں تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس بار میں پہلے ہی سے جانتا تھا۔

میں نے اپنے حریف کو تولنے کے لیے اس کی طرف چند جیب اُچھالے لیکن وہ سست ثابت ہوا۔ میں نے بلا ارادہ اس کے پیٹ پر پنچ لگایا۔ وہ لڑکھڑایا اور جبلی طور پر میں فیصلہ کن وار کرنے کے لیے بڑھا۔ میرا حریف پوری طرح بے بس تھا اور مجمع دہاڑ رہا تھا۔

اچانک مجھے یاد آ گیا کہ مجھے تو ہارنا ہے۔ میں نے تساہل سے کام لیتے ہوئے اسے خود سے لپٹنے کا موقع فراہم کیا۔ اس دوران میں نے اس کے پیٹ اور پہلوؤں پر دکھاوے کے کئی پنچ رسید کیے۔ اس کی توانائی واپس آتی محسوس کی تو میں نے اسے پرے دھکیل دیا۔ اس کے بعد پورے راؤنڈ میں میں نے اسے قریب ہی نہیں آنے دیا۔ میں

اسے زخمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

راؤنڈ ختم ہوا، میں اپنے کارنر میں واپس آیا۔ اسپرنزر کا غصے سے برا حال تھا۔ وہ مجھ پر برس پڑا ''وہ پوری طرح تمہارے قابو میں تھا۔ تم اسے ناک آؤٹ کر سکتے تھے اسی وقت''

''دراصل میں ابھی سیٹ بھی نہیں ہوا تھا'' میں نے کہا، اور دل میں سوچا کہ مجھے محتاط رہنا ہوگا۔ ورنہ اسپرنزر میرا کھیل سمجھ جائے گا۔

''شٹ اپ'' اسپرنزر پھنکارا ''اپنی سانسیں بچا کر رکھو''

دوسرا راؤنڈ شروع ہوا تو گارڈیلا اپنے کارنر سے بڑے محتاط انداز میں باہر آیا۔ میں نے چہرے کو کور کرنے والے اپنے ہاتھ کو تھوڑا سا نیچے کر کے اسے حملے کی دعوت دی۔ مگر وہ اور محتاط ہو گیا۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ میری سمجھ سے باہر تھا کہ اس طرح وہ یہ فائٹ کیسے جیت سکے گا۔ اب میں خود کو آپ ہی تو ناک آؤٹ نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہ سوچ کر اس کی طرف بڑھا کہ مجھے اس کی رہنمائی کرنی ہوگی۔ مگر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ عام طور پر آدمی کے لیے فائٹ جیتنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر میرے لیے یہ فائٹ ہارنا مشکل ہی نہیں، تقریباً ناممکن ہوا جا رہا تھا۔

دوسرا راؤنڈ ختم ہونے سے پہلے ہی تماشائیوں کی ہوٹنگ شروع ہو گئی۔ راؤنڈ ختم ہوا تو میں نے اپنے اسٹول پر بیٹھ کر کینوس پر نظریں جما دیں۔ اسپرنزر پھر مجھ پر چلا رہا تھا۔ ''تم اس پر جھپٹتے کیوں نہیں۔ اسے نکلنے کا موقع ہی نہیں دو''

تیسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی میں اس تیزی سے نکلا کہ تقریباً اس کے کارنر تک پہنچ گیا۔ اس سے وہ اور گھبرا گیا اور اُلٹے سیدھے ہاتھ چلانے لگا۔ شاید اسے بھی فائٹ کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ میں نے محض دکھاوے کے لیے اس کے چند پنچ بلاک کیے۔ باقی میرے بازوؤں پر لگے لیکن وہ بالکل بے جان تھے۔ میری سمجھ میں اب بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فائنل تک پہنچ کیسے گیا۔ میرے لیے تو وہ حلوہ تھا۔ مجھے دکھ ہو رہا تھا کہ ایسے کمزور حریف سے مجھے ہارنا ہے لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں معاملات طے کر چکا تھا۔

میں نے اپنے چہرے کو کھلا چھوڑ دیا۔ اس کے باوجود اس کے پنچ میرے بازوؤں سے آگے نہیں بڑھے۔ اب مجھے جواب میں کچھ کرنا تھا...... یہ دکھانے کے لیے کہ یہ ایک حقیقی فائٹ ہے۔ میں نے نشانے سے ذرا دور ایک رائٹ چلایا، جو اس نے آسانی سے بلاک کر لیا۔ جواب میں اس کا زوردار پنچ میرے پیٹ پر لگا۔ پہلی بار وہ پر اعتماد انداز میں مسکرایا۔ اس مسکراہٹ نے مجھے سلگا کر رکھ دیا۔ اسے اس طرح مسکرانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ میں نے اس کی طرف ایک لیفٹ اُچھالا اس کے ساتھ ہی رائٹ اپر کٹ لیکن وہ بڑی آسانی سے اس سے بچ نکلا۔

اب مجھے غصہ آ رہا تھا۔ میں تھرکتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ وہ پنچ مارتا رہا...... شہد کی مکھیوں کے ڈنک جیسے پنچ، مگر مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔ میں اسے اس کی حیثیت سمجھا دینا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ بے شک جیت جائے۔

لیکن اچانک میرے چہرے پر جیسے بم سا پھٹ گیا۔ میں نے خود کو گرتا محسوس کیا، اور گھٹنوں کے بل ٹک گیا۔ میں نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن میری ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ میں نے وحشت میں سر جھٹکا اور ریفری کی گنتی سننے کی کوشش کی۔ سات! میری ٹانگوں میں توانائی واپس آ رہی تھی۔ آٹھ! اب میں اُٹھ سکتا تھا۔ میرا دماغ بھی صاف ہو رہا تھا۔ نو! مگر اُٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے ویسے بھی ہارنا ہی ہے، تو یوں ہی سہی۔

لیکن ریفری کا ہاتھ دس کا اعلان کرنے کے لیے اُوپر اُٹھ ہی رہا تھا کہ میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ بہتر تو یہی تھا کہ میں گرا ہی رہتا۔ بہر حال ریفری نے میری کلائیاں تھامیں، دستانے صاف کیے، پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

گارڈیلا جھپٹتا ہوا میری طرف آیا۔ اسی وقت راؤنڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی۔ میں اپنے کارنر کی طرف چلا آیا۔

میں اسٹول پر بیٹھا اسپرنزر کی باتیں سن رہا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو اسے چپ کرا دیتا۔ میں سن نہیں رہا تھا لیکن پھر اس کے الفاظ میری سماعت کی سب رکاوٹیں گرا کر اندر گھس گئے ''تم کیا چاہتے ہو ڈینی؟ کیا ساری زندگی لفنگے بنے رہو گے؟ کیا یہی حیثیت

ہے تمہاری؟ کیا زمین پر رینگنے والے حقیر کیڑے ہی رہو گے تم؟ اس لڑکے کو ناک آؤٹ کرواور کچھ بن کر دکھاؤ۔"

میں نے سر اُٹھا کر رنگ کے پار گارڈیلا کو دیکھا۔ اس کے دانت نکلے ہوئے تھے۔ وہ کھل کر مسکرا رہا تھا اور میں...... لفنگا...... زمین پر رینگنے والا حقیر کیڑا۔ ایسٹ سائیڈ کا ایک گمنام لڑکا، جس کے جینے مرنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

گھنٹی بجی تو میں رنگ میں لپکا۔ گارڈیلا میری طرف جھپٹ رہا تھا۔ اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔ چہرے کے گرد ہاتھوں کا حفاظتی حصار بھی نہیں تھا۔ میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اب فتح اس سے صرف ایک پنچ کے فاصلے پر ہے۔

گارڈیلا تم بھی جاؤ جہنم میں اور فیلڈز بھی۔ میں نے دل میں کہا اُس کے ۵۰۰ ڈالر میں اس کے منہ پر دے ماروں گا۔ میرا وہ اپر کٹ اتنا پاورفل تھا کہ میرا اپنا ہاتھ کہنی تک جھنجھنا گیا۔ وہ میری طرف گرا، مجھ پر لٹکا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔

اب وہ گر رہا تھا۔ میں اسے گرتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ میرے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ ایک لمحہ میں اسے گھورتا رہا۔ پھر میں نے اپنے دونوں ہاتھ نیچے کر لیے اور جھومتا ہوا اپنے کارنر کی طرف چل دیا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ اب گارڈیلا کم از کم آج رات تو نہیں اُٹھ سکے گا۔

ریفری نے اشارے سے مجھے بلایا۔ گنتی کی رسم پوری ہو چکی تھی۔ میں رقص کرتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا۔ وہ میری فتح کا اعلان تھا۔ تماشائیوں نے میرے نام کا نعرہ بنا دیا تھا۔ میں مسکرا رہا تھا۔ اب میں چیمپئن تھا۔

میں جیسے کوئی پتنگ تھا، ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ ڈریسنگ روم تک یہ کیفیت میرے ساتھ رہی۔ پھر اچانک سب کچھ ختم ہو گیا۔ جیسے غبارے میں سے ہوا نکل گئی۔ ڈریسنگ روم کی دیوار سے وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میں اسے گھورتا رہا۔

وہ اسپٹ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے چاقو سے اپنی

انگلیوں کے ناخن صاف کر رہا تھا۔ پھر اس نے چاقو اُٹھا کر مجھے دکھایا اس کا گلا کاٹنے والا اشارہ بالکل واضح تھا۔ میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ پھر اسپٹ پلٹا اور مجمع میں گم ہو گیا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کسی نے یہ منظر دیکھا تو نہیں۔ میں اس طرف سے مطمئن ہو گیا۔ سب اپنی باتوں میں لگے تھے۔

سام ڈریسنگ روم میں موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرایا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا "میں جانتا تھا کڈ کہ تم میں یہ جوہر موجود ہے" اس نے کہا "یہ بات میں نے اسکول میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ لی تھی۔"

میں اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ مجھ سے کچھ بولا نہیں گیا۔ میں بس جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

☆☆

تبدیلی لانے والا دن

۷ مئی ۱۹۳۴ء

"گڈ نائٹ چیمپ" زیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ہمیں ہال وے میں چھوڑ کر زینہ چڑھنے لگا۔ ہم اسے دیکھتے رہے۔ بالآخر لینڈنگ سے مڑ کر وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ہم دونوں نے سر گھما کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ مسکرائی اور میری گردن میں باہیں ڈال دیں "آج رات یہ ہمیں تنہائی کا پہلا موقع ملا ہے" اس نے شکایتی سرگوشی میں کہا "مجھے پیار کرو نا"

میں اس پر جھکنے لگا۔ اسی لمحے مجھے آہٹ سی سنائی دی۔ میں ایک جھٹکے سے اُس سے دور ہوا اور چوکنے انداز میں تن کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے ڈینی؟ کوئی گڑبڑ ہے" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں جبراً مسکرایا ''نہیں نیلی، ایسی تو کوئی بات نہیں''

''تو تم اتنے اعصاب زدہ کیوں ہو رہے ہو؟''

''اعصاب زدہ نہیں، میں ابھی تک ہیجانی کیفیت میں ہوں'' میں نے اسے ٹالا۔ اب میں اسے حقیقت تو نہیں بتا سکتا تھا، اس کو کیا، کسی کو بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ میرا معاملہ تھا اور مجھے ہی نتائج کا سامنا کرنا تھا۔

اس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ چند لمحے میں سانس لینا بھی بھول گیا ''اب کچھ بہتر محسوس کر رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

لیکن میں درحقیقت خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس کی قربت مجھ پر جادو کر دیتی تھی۔

''اب شاید تم پرسکون ہو کر گھر جا سکو گے۔ تمہیں ایک اچھی اور طویل نیند کی ضرورت ہے'' وہ بولی ''تم پوری رات نروس رہے ہو''

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ میں فائٹ کے بعد سے نروس تھا۔ سام ہم سب کو ڈنر کے لیے لے گیا تھا۔ مگر میرا وہ حال رہا تھا کہ پتا کھڑکا اور بندہ بھڑکا۔ مجھ سے ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ مگر میرا خیال تھا کہ کسی کو پتا نہیں چلا ہے۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا ''حالات کیسے ہی ہوں نیلی'' میں نے کہا ''یہ کبھی نہ بھولنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں''

''اور میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''گڈ نائٹ ہنی'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

میں صرف چند قدم چلا ہوں گا کہ مجھے نگرانی کا احساس ہونے لگا۔ میں رُکا اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سڑک سنسان تھی۔ مگر میرا یہ احساس دور نہیں ہوا کہ کوئی چھپ کر مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں دوبارہ چلنے لگا۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں میں نے گھڑی میں وقت

دیکھا۔ دو بجے تھے۔ اچانک مجھے اپنے عقب میں تحرک سا محسوس ہوا۔ میں نے بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ میں لڑنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ لیکن اندھیرے میں سے ایک بلی نمودار ہوئی۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ بلی مستانہ چال کے ساتھ ایک طرف چلی گئی۔

اب میں روشن ڈیلانسی اسٹریٹ پر تھا۔ وہاں میں راہگیروں میں گھل مل گیا۔ بھیڑ میں میں محفوظ تھا۔ میں آہستہ آہستہ لوگوں کے ساتھ چلتا رہا۔ میری اعصابی کشیدگی دور ہو گئی۔

کارنر پر ایک اخبار والا چلا رہا تھا ''تازہ اخبار آ گیا۔ ڈینی فنشر نے چیمپین شپ جیت لی''

میں نے اخبار خریدا اور اسپورٹس کے صفحے کا جائزہ لیا۔ وہاں میری جیت کی خبر موجود تھی۔ تصویر اس لمحے کی تھی جب گارڈیلا میرے قدموں میں بکھرا ہوا تھا۔ میرا وجود فخر کے احساس سے معمور ہو گیا۔ میں چیمپین ہوں۔ اس حقیقت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ خوشی مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہ لوگ، میں اس وقت جن کے درمیان ہوں، انہیں پتا چل جائے کہ اس وقت ڈینی فنشر ان کے درمیان موجود ہے تو کتنے خوش ہوں گے۔

لیکن میری وہ مسکراہٹ اگلے ہی لمحے ہوا ہو گئی۔ میری آنکھیں اس شخص سے ملیں جو مجھے پہچانتا تھا، وہ اسپٹ تھا جو پیراماؤنٹ کیفے ٹیریا کی ونڈو سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ سے اخبار چھوٹ کر فٹ پاتھ پر گر گیا۔ میرا احساس غلط نہیں تھا۔ میری نگرانی کی جا رہی تھی۔

اسپٹ نے قریب کھڑے ایک شخص کو سر سے اشارہ کیا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ اسے سب لوگ کلکٹر کہتے تھے۔ جو لوگ فیلڈز کے قرض ادا نہیں کرتے تھے، ان سے وصولی کے لیے کلکٹر کو بھیجا جاتا تھا۔ مشہور تھا کہ کلکٹر سے 'ملاقات' کے بعد بھی کوئی قرض ادا نہ کرے تو سمجھ لو کہ وہ سچ مچ مجبور ہے۔

میں جلدی سے لوگوں میں گھس گیا۔ میرے اندر بھاگنے کی خواہش سر اُٹھا رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ جب تک میں لوگوں کے درمیان ہوں، محفوظ ہوں۔ میں نے پلٹ

کر دیکھا اسپٹ اور کلکٹر اب میرے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کے انداز میں عجلت نہیں تھی لیکن وہ مجھ پر چوکنے پن سے نظر رکھے ہوئے تھے۔

میں کلنٹن اسٹریٹ پر مڑ گیا۔ وہاں بھیڑ کم تھی لیکن بہر حال میں وہاں بھی محفوظ تھا۔ اگلا بلاک البتہ میرے لیے خطرناک تھا۔ وہاں اتنی رات کو عام طور پر سناٹا ہوتا تھا۔ مگر وہاں سے میرا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔

میں نے راہ گیروں سے آگے دیکھا تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ اگلا بلاک بالکل سنسان تھا۔ میری رفتار کم ہوگئی۔ میرے ذہن میں یہ خیال سر اُٹھا رہا تھا کہ مجھے پلٹ کر ڈیلانسی اسٹریٹ کی طرف جانا چاہیے لیکن وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ وہ یقیناً مجھے روکنے کی کوشش کرتے۔ آگے ہی جانے میں عافیت تھی۔ میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔ میں اب کارنر کے قریب پہنچ چکا تھا۔

میں نے اگلے بلاک کا نقشہ ذہن میں تازہ کیا۔ تقریباً تین چوتھائی بلاک کے بعد دو مکانوں کے درمیان ایک چھوٹی گلی تھی۔ وہ اتنی تنگ تھی کہ ایک وقت میں ایک ہی آدمی اس سے گزر سکتا تھا۔ میں ان سے پہلے وہاں پہنچ سکتا تھا۔ یہی میری بچت کا امکان تھا۔

میں کارنر پر پہنچا تو ٹریفک کی لائٹ بدل رہی تھی۔ میرے عین سامنے ایک بڑا ٹرالر ٹرن لے رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے سے گزر کر سڑک پار کی۔ بریک لگائے جانے کی آواز اُبھری۔ مگر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ میں دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ اسپٹ ٹرک والے پر چلا رہا تھا، جس نے اس کا اور کلکٹر کا راستہ روک دیا تھا۔ میں گلی کی طرف دوڑ رہا تھا۔

آدھا بلاک طے کرنے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اسپٹ اور کلکٹر میرے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اندھیرے میں پہلے تو وہ گلی مجھے نظر ہی نہیں آئی۔ پھر میں اس میں گھسنے لگا تو میرا کندھا دیوار سے ٹکرایا۔ بہر حال میں گلی میں گھس گیا۔ وہاں اندھیرا ایسا تھا کہ مجھے اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس اندھیرے میں مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ وہ چالیس فٹ

لمبی اندھی گلی تھی۔ میں ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میرے سامنے دیوار آ گئی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں وہ گلی بند ہو جاتی تھی۔

میں پیچھے ہٹ کر دیوار کو ٹٹولنے لگا۔ یہاں چند فٹ اُوپر دیوار میں ایک چھجا ہونا چاہیے تھا۔ پھر وہ چھجا مجھے مل گیا۔ میں اس پر چڑھا اور پلٹا۔ اب میرا رخ سڑک کی طرف تھا۔ میں نے آگے کی طرف ہاتھ پھیلایا۔ وہاں دونوں عمارتوں کی دیوار سے پیوست اسٹیل کی ایک سلاخ تھی۔

اب میری نگاہ تاریکی سے ہم آہنگ ہوگئی تھی۔ سلاخ مجھے نظر آ گئی۔ میں نے ہاتھوں سے اسے تھام لیا۔ اب مجھے بس ان کا انتظار کرنا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے ہی مجھ تک آ سکتے تھے۔ میں سانسوں کو ہموار رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ گلی کے دہانے کی طرف سے آوازیں سنائی دیں۔ میں نے سننے کی کوشش کی۔ مگر لفظ تو کجا، میرے لیے ان کی آواز شناخت کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ ایک لمحے کے بعد مجھے اپنی طرف بڑھتے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

سڑک کی طرف سے آتی مدھم روشنی میں وہ ایک ہیولا سا تھا، جو محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ بھی میری طرح ہاتھ سے پہلو کی دیوار ٹٹول رہا تھا۔ دوسرا ہیولا گلی کے دہانے پر کھڑا نظر آیا۔ یہ میرے لیے بہتر تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ گلی میں آنے والا کون ہے؟ اسپٹ یا کلکٹر؟

چند لمحے بعد یہ بات بھی کھل گئی۔ ہیولے نے بھاری آواز میں مجھے پکارا ’’ہمیں معلوم ہے ڈینی کہ تم یہاں چھپے ہو۔ سامنے آ جاؤ اور ہمارے ساتھ باس کے پاس چلو۔ اس میں تمہاری بچت ہے۔‘‘

میں نے گہری سانس لی۔ وہ کلکٹر کی آواز تھی۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ میں جانتا تھا کہ ہتھے چڑھ گیا تو وہ میرا کیا حشر کریں گے۔ وہ اب گلی میں آدھا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ وہ مجھ سے دس فٹ دور رہ گیا تو اس نے پھر مجھے پکارا ’’میری بات مان جاؤ ڈینی۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے‘‘

اب وہ مجھ سے صرف چھ فٹ دور تھا۔ پانچ...... پھر چار......اس اندھیرے میں وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن میں اسے دیکھ رہا تھا۔

تین فٹ......دو فٹ......ہاں،اب!

میں نے سلاخ کو مضبوطی سے تھاما اور میری ٹانگیں پیچھے سے نیم قوسی شکل میں نیچے آئیں۔ اسے اچانک خطرے کا احساس ہوا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ میرے بھاری جوتے اس کے چہرے اور ٹھوڑی سے ٹکرائے۔ ضرب کی آواز بتاتی تھی کہ مضروب کا کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ شاید جبڑا!

کلکٹر چیخ مارے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اب میں سلاخ تھام کر لٹکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ تحرک کا احساس ہوتے ہی میں نے ایک بھرپور ٹھوکر رسید کی۔ وہ اس کا سر تھا جو ٹھوکر لگنے کے بعد دیوار سے ٹکرایا۔ اس کا فیوز یقیناً اُڑ گیا ہوگا۔ کیونکہ وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔ میں نے اُس کے چہرے کو ٹٹولا۔ وہ ساکت تھا۔ اسے ہوش میں آنے میں کافی دیر لگتی۔

میں نے گلی کے دہانے کی طرف دیکھا۔ اسپٹ وہاں پھیل کر کھڑا تھا۔ اس نے پکارا ''تم نے اسے پکڑ لیا ہے نا؟''

میں نے ہنکارا ابھرا۔ یہ گویا اثبات میں جواب تھا۔ پھر میں نیچے جھک گیا۔

''اسے پکڑے رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔ مجھے اس حرام زادے پر اپنا ٹریڈ مارک لگانا ہے۔''

دیوار کے قریب، اس کے ہاتھ کے پاس مجھے چمک دکھائی دی۔ وہ اس کا چاقو تھا۔ میں رینگتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اپنی سانس روک لی تھی۔ چند قدم اس کے، اور چند قدم میرے۔ پھر وہ میری زد پر آ جاتا۔ مجھے اس لمحے کا انتظار تھا۔ وہ میری بچت کی واحد صورت تھی۔ پھر وہ لمحہ آ گیا!

میں تیزی سے اُٹھا۔ میرے گھونسے کا ہدف اس کی ٹھوڑی تھی لیکن ایک ثانیے پہلے اسے خطرے کا احساس ہو گیا۔ اس کا سر جبلی طور پر پیچھے ہٹا۔ میرا گھونسا اس کے چہرے پر

چھپلتا ہوا لگا۔ چاقو ایک چمکدار لکیر کی طرح مجھ پر لپکا۔ میں نے اضطراری طور پر اسے پکڑ لیا۔ حریف کے پاس چاقو ہو اور آپ کا وار اوچھا پڑ جائے تو مشکل ہو جاتی ہے۔ وہ میری گرفت میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس کا دوسرا ہاتھ میری آنکھیں نوچنے کے درپے تھا۔

پھر میرے بازو میں درد کی لہر دوڑ گئی۔ اسپٹ کا چاقو والا ہاتھ آگے کی طرف لپکا، اور میرے پہلو میں آگ سی بھر گئی۔

میں نے پھر چاقو والے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ اپنی تکلیف کی طرف دھیان دینے کا موقع نہیں تھا۔ وہ بل کھا رہا تھا، اور چاقو کو اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔ میرے بازو میں بہت تکلیف تھی لیکن میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کا آزاد ہاتھ بار بار میرے گلے کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ اندھیرے میں میں نے اس کے چہرے پر پنچ مارا۔ میرا ہاتھ اس کے دانتوں سے ٹکرایا اور جھنجھنا اُٹھا لیکن وہ درد میرے لیے خوش آئند تھا۔ میں نے گھٹنا اُوپر اُٹھاتے ہوئے دوسری ضرب لگائی۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ دہرا ہونے لگا۔

میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ اس کی پشت کی طرف موڑا اور اسے دیوار کے ساتھ دبا دیا۔ پھر اپنے آزاد ہاتھ سے میں اس کے چہرے پر ایک کے بعد ایک پنچ مارتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بے جان ہو کر مجھ پر لد گیا۔

میں اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں اس پر جھک کر چاقو تلاش کرنے لگا۔ آخر چاقو مجھے مل گیا لیکن اس کا پھل دو انچ کے قریب اُس کے پہلو میں اُترا ہوا تھا۔ یہ شاید اس کا ہاتھ پیچھے موڑ کر اسے دیوار سے لگانے کے دوران ہوا ہوگا۔ مگر اس وقت میں جذبات سے عاری تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی نہ افسوس تھا۔ وہ نہ ہوتا تو اس وقت میں اس کی جگہ ہوتا۔ وہ تو زندگی اور موت کی لڑائی تھی۔

میں اُٹھ کر کھڑا ہوا اور گلی کے دہانے کی طرف چل دیا۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ مر تو نہیں گیا لیکن اس وقت مجھے اس بات کی کچھ پروا نہیں تھی۔ اب تو میں بس گھر جا کر بستر پر ڈھیر ہو جانا چاہتا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ صبح میں سو کر اُٹھوں گا تو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔

تب پتا چلے گا کہ یہ محض ایک ڈراؤنا خواب تھا!

☆☆

اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر میں نے اپنی چابی نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں چابی موجود نہیں تھی۔ جیب میں پانچ سو ڈالر اور چھوٹی سی ایک پنسل کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے تھکے تھکے انداز میں چابی کے بارے میں یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں گئی۔

بالکل ہی اچانک مجھے یاد آیا کہ صبح پاپا کے مطالبے پر میں نے چابی ان کے سامنے پھینک دی تھی۔ کسی بات پر میری ان سے تلخی ہوئی تھی۔ کس بات پر، یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔

دروازے کی نچلی درز سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی جاگ رہا ہے۔ وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ سوچ کر میں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کرسی سرکائے جانے کی آواز سنائی دی۔ پھر قدموں کی چاپ دروازے تک آئی۔

''کون ہے؟'' پاپا نے پوچھا۔

''میں ہوں پاپا۔ دروازہ کھولیں'' میں نے تڑپ کر کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر پاپا نے کہا'' چلے جاؤ یہاں سے''

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ میرے پاپا یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں'' یہ میں ہوں پاپا..... ڈینی۔ دروازہ کھولیں نا''

اب کے پاپا کا لہجہ اور سخت تھا۔'' میں نے کہا نا، چلے جاؤ یہاں سے۔''

اب مجھ پر خوف طاری ہونے لگا۔ میں نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ دروازے پر میرے خون آلودہ ہاتھوں کے نشان ثبت ہو گئے'' مجھے اندر آنے دیں پاپا'' میں نے ہسٹریائی لہجے میں کہا'' میں کہاں جا سکتا ہوں۔ میرا کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔''

پھر مجھے ماما کی آواز سنائی دی۔ وہ پاپا سے التجا کر رہی تھیں لیکن پاپا کا لہجہ بہت خراب تھا'' نہیں میری! میں نے صبح جو کچھ کہا تھا سوچ سمجھ کر کہا تھا اور میں اس پر قائم

ہوں۔ اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں''

ماما اب سسک رہی تھیں۔ پھر سوئچ کی کلک سنائی دی۔ روشنی بجھ گئی۔ سسکیوں کی آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔

میں وہاں خوفزدہ..... شاک میں کھڑا تھا۔ پھر بات میری سمجھ میں آ گئی۔ پاپا نے جو کچھ کہا تھا، حتمی تھا۔ مجھے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ اب اس گھر میں میرے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

میں آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُترنے لگا۔ میں خود کو بہت اکیلا اور اُجڑا اُجڑا محسوس کر رہا تھا۔ چبوترے پر پہنچا تو سرد ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی۔ میں نے اپنا سر لوہے کی ریلنگ پر ٹکایا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بازو میں جلن ہو رہی تھی۔ میں نے ہاتھ سے اسے سہلایا۔ میری اُنگلیاں چپ چپا گئیں۔ وہ خون تھا اور چاقو نے میری آستین بھی چیر ڈالی تھی۔ میں نے مدھم روشنی میں بازو کی خراش کو دیکھا۔ اس میں خون بھر رہا تھا۔ مگر مجھے تھکن سے زیادہ کسی چیز کا احساس نہیں تھا۔ ریلنگ سے سر ٹکائے ٹکائے میں نے آنکھیں موند لیں۔

چند لمحے ہی ہوئے ہوں گے کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ مجھے پھر وہی احساس ستانے لگا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ میری آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ میں نے سر اُٹھا کر سڑک کا جائزہ لیا۔ سامنے کچھ فاصلے پر ایک کار کھڑی تھی۔ اس کی روشنیاں گل تھیں، لیکن انجن بیدار تھا۔ وہ پھر میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔ شاید اسپٹ اور کلکٹر نے میرے بچ نکلنے کی خبر فیلڈز تک پہنچا دی تھی۔

میں پیٹ کے بل لیٹ کر رینگتا ہوا ہال وے میں داخل ہوا۔ وہاں چند لمحے رک کر میں سوچتا رہا کہ اب کیا کروں۔ مجھ پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ میں کہاں تک بھاگوں گا ان سے۔ میری بساط ہی کیا ہے۔ ان کے تو ہر جگہ رابطے ہیں، اور میرے پاس چھپنے کی کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔

میرا ہاتھ جیب سے ٹکرایا تو مجھے یاد آیا کہ رقم تو میرے پاس موجود ہے۔ میں انہیں

رقم واپس کردوں تو کیا وہ میری جان چھوڑ دیں گے لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ڈبل کراس کرنے کی سزا مجھے ضرور دیں گے۔ ورنہ لوگ ان سے ڈرنا ہی چھوڑ دیں گے۔

لیکن رقم ہے تو کام بھی آ سکتی ہے...... میرے نہ سہی، پاپا کے...... وہ اس سے اسٹور خرید سکتے ہیں۔ اس طرح کم از کم ماما اور میمی کے لیے تو کچھ بہتری ضرور ہوگی۔ رقم میرے پاس ہوئی تو وہ بھی ہاتھ سے جائے گی۔ مجھے جان دینی ہے تو یوں ہی سہی، لیکن رقم انہیں کیوں دوں۔

نیچے فرش پر مجھے ایک ڈرگ اسٹور کا اشتہاری سرکلر پڑا نظر آیا۔ وہ دوسری طرف سے سادہ تھا۔ میں نے جیب سے پنسل نکالی اور سادہ حصے پر لکھنے لگا۔ پنسل کے ساتھ ان لفظوں میں میرا خون بھی شامل ہو گیا۔

''ڈیئر ماما! یہ رقم اسٹور خریدنے کے لیے ہے۔ پاپا کو پھینکنے نہ دیجیے گا۔ محبتوں کے ساتھ، آپ کا ڈینی''

میں نے اس کاغذ میں رقم کو تہہ کر کے اپنے میل باکس میں ڈال دیا۔ میں مطمئن تھا۔ اس میل باکس کو کوئی اور نہیں کھول سکتا تھا۔ صبح ماما میل باکس کھولیں گی تو یہ رقعہ اور رقم انہیں مل جائے گی۔

باہر وہ کار اب بھی اسی طرح کھڑی تھی۔ میرے پیٹ میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ میں باہر نکلا اور بے جگری سے، دانستہ کار کی مخالف سمت میں چلنے لگا۔ میں نے آدھے بلاک کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ گیئر بدلنے کی آواز سنائی دی، پھر گاڑی میری طرف آنے لگی۔ میرا بے اختیار جی چاہا کہ بھاگ کھڑا ہوں لیکن پیدل آدمی کار سے کہاں بھاگ سکتا ہے۔ میں رُکا اور میں نے پلٹ کر آتی ہوئی کار کو دیکھا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور خوف سے میرا جسم سرد ہو رہا تھا۔ کار سڑک پار کر کے میری طرف آ رہی تھی۔

میرے اندر پھر بھاگنے کی خواہش مچلی لیکن میں نے اسے جھٹک دیا۔ سب کچھ جہنم میں جائے۔ ڈرنے کا کیا حاصل۔ میں اب مرنے کے لیے تیار تھا لیکن میرے پیٹ میں

اب بھی مروڑ اُٹھ رہے تھے۔

☆☆

میں چند قدم پیچھے ہٹا۔ پیچھے لیمپ پوسٹ کا سرد لوہا تھا۔ میں اس سے ٹک گیا۔ میرے منہ میں عجیب سی کڑواہٹ سی گھل رہی تھی۔ دماغ میں ہزاروں لاکھوں خیالات پرندوں کی طرح پھڑ پھڑا رہے تھے۔

تم اتنے بڑے ہو گئے ڈینی فشر؟ ہر شخص کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے، جب اسے اس سوال کا جواب دینا ہوتا ہے۔ صبح کی طرف بڑھتی ہوئی اس سرد، اندھیری رات میں مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔

میں موت سے خوفزدہ تھا۔ میرے وجود میں ایک بے شکل، بے خدوخال خوف اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑ رہا تھا۔ یہ احساس کہ میں فانی ہوں، گوشت پوست سے بنا انسان، جسے بالآخر مٹی میں رُل کر گل سڑ جانا ہے۔ یہ احساس کہ جب میں مر جاؤں گا تو میری رگوں میں دوڑنے والا خون جم کر سیاہ ہو جائے گا اور پھر یہ خوف کہ قیامت کے دن میں اُٹھایا جاؤں گا اور مجھ سے جواب طلبی ہوگی۔ یہ کہ میرے ماں باپ تو محض میری پیدائش کا ایک وسیلہ تھے۔ مجھے تو درحقیقت اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا، جس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

وہ میری اپنی دنیا تھی، جو میں نے خود اپنے لیے بنائی تھی اور اب میں وہاں تنہا کھڑا تھا۔ اب میں اس دنیا میں مر جاؤں گا اور کسی کو میرا نام بھی یاد نہیں رہے گا۔ موت مجھ پر جھپٹے گی، زمین مجھے ڈھانپ لے گی اور میں میں نہیں رہوں گا، میں جو کبھی ڈینی فشر تھا۔

میری ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ لیمپ پوسٹ پر میرے ہاتھوں کی گرفت ہذیانی تھی۔ ٹانگیں میرا بوجھ نہ سہار پائیں اور میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا چلا گیا۔ میں اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ آنسو پلکوں کا بند توڑ کر نکلے اور چہرے پر بہنے لگے۔

کار میرے قریب...... بہت قریب آ کر رُک گئی۔ کار کا دروازہ کھلا۔ کوئی میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اپنا چہرہ لیمپ پوسٹ کی طرف کر لیا اور دعا کرنے لگا۔

کسی نے نرمی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دھیمی سرگوشی میں پکارا ''ڈینی!''
میں نے اپنا چہرہ اپنے بازوؤں میں اور دھنسا لیا۔ خوف میں لپٹی چیخ میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ موت کی آواز کسی عورت کی سی مہربان آواز تھی۔ شاید میری اذیت اور بڑھانے کے لیے......

''ڈینی!'' اس آواز نے دوبارہ مجھے پکارا ''مجھے کب سے تمہارا انتظار تھا۔ تمہیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

مجھے احساس ہوا کہ یہ موت کی آواز نہیں، سچ مچ کوئی نسوانی آواز ہے۔ اس میں ہمدردی اور گرمی تھی۔ وہ تو زندگی کی آواز تھی۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی لیکن میں نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔

اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں اس کا چہرہ اور خوبصورت نظر آ رہا تھا ''میں تمہیں خبردار کرنے آئی ہوں'' اس نے سرگوشی میں کہا ''میکس نے اسپٹ اور کلکٹر کو تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔''

میں چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ اس کے لفظوں کا مفہوم سمجھنے میں مجھے کچھ دیر لگی، جیسے وہ کسی اجنبی اور نامانوس زبان کے الفاظ ہوں اور جب وہ میری سمجھ میں آئے تو میں بے اختیار ہنسنے لگا...... ہذیانی انداز میں۔

وہ ڈیبورا تھی، جسے اس ماحول میں رونی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں پاگل ہو گیا ہوں۔ پھر اس نے مجھے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا ''تمہیں کہیں چھپنا ہوگا'' وہ اب بھی سرگوشی میں بات کر رہی تھی ''وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ جائیں گے۔''

میں اسے دیکھ رہا تھا۔ میرا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میری ہذیانی ہنسی رُکی تو میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ''مجھے سہارا دو'' میری آواز بھاری ہو رہی تھی ''اور ان کی فکر نہ کرو۔ وہ ابھی نہیں آ سکتے۔''

اس نے سہارا دے کر مجھے اُٹھایا ''اس بات کا کیا مطلب ہوا کہ وہ ابھی نہیں آ سکتے۔''

میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سہارا دینے والا ہاتھ ہٹایا تو میں ڈگمگاتا ہوا لیمپ پوسٹ سے جا ٹکا۔

''ارے...... خون! تم زخمی ہو'' وہ چلائی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، اُن دونوں سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔''

وہ خوفزدہ ہو گئی ''تو ہوا کیا؟''

''کیا ہوا؟'' میرے لہجے میں دیوانگی تھی۔ میں پھر ہنسنے لگا ''مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ میں تو انہیں ایک اندھی گلی میں بے ہوش چھوڑ آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسپٹ مر چکا ہے اور ممکن ہے، کلکٹر بھی مر چکا ہو۔ یہ سب کچھ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ وہ مجھے مارنے آئے تھے، لیکن ہوا یہ کہ میں نے انہیں ختم کر دیا'' میں نے پھر قہقہہ لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ یہ معاملہ میکس فیلڈ کے لیے ایک بدنما مذاق بن گیا ہے اور یہ اور خطرناک بات ہے۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا ''تمہیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ فیلڈ کو اس بات کا پتا چلے گا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''مگر میں کہاں جا سکتا ہوں'' میں نے کہا ''کوئی ایسی جگہ نہیں میرے پاس۔ مجھے تو میرے باپ نے بھی گھر میں نہیں گھسنے دیا۔ اب میں بے گھر ہوں''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی ''تمہارے پاس چھپنے کی کوئی جگہ نہیں؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''جب اپنے گھر میں میرے لیے کوئی پناہ نہیں تو کہیں اور کہاں ملے گی''

اچانک اس نے مجھے اپنی باہوں کے حلقے میں لے لیا اور مجھے گاڑی کی طرف لے چلی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور مجھے عقبی نشست پر دھکیل دیا۔ دروازہ بند کر کے وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف گئی۔ چند لمحے بعد گاڑی حرکت میں آ گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میری آنکھیں کھلیں تو ہم برج پر تھے۔ مجھے تو وہ مین ہٹن برج لگا لیکن میں اتنا

تھکا ہوا تھا۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُٹھ کر دیکھتا۔ میں دوبارہ سیٹ پر دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں اور کروٹ بدل لی۔ اب مجھے گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اگلی بار میری آنکھ کھلی تو ڈیبورا میرا ہاتھ پکڑ کر ہلا رہی تھی۔ مجھے اپنے نتھنوں میں سمندری ہوا کا نمکین ذائقہ محسوس ہوا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور کار سے نکلا۔ میری آنکھیں پوری طرح دیکھنے کے قابل نہیں تھیں۔

گاڑی ایک تاریک سڑک پر کھڑی تھی۔ پہلو کی جانب ایک چوبی پلیا تھی، جس کے نیچے سفید سمندری ریت چمک رہی تھی۔ ساحل کی طرف سے لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

ڈیبورا مجھے لے کر ایک چھوٹی سی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں ایک سائن بورڈ پر لکھا تھا...... بینز پیلس، سوڈا۔ ہاٹ ڈاگ، برگر، کینڈی۔

''یہ ہم کہاں آ گئے؟'' میں نے ڈیبورا سے پوچھا۔

''کونی آئی لینڈ'' اس نے مختصراً کہا۔

وہ عمارت کے عقب میں ایک بنگلے کی طرف چل دی۔ میں ڈگمگاتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور دروازے پر دستک دی۔

''بین...... اُٹھ جاؤ بین'' اس نے دھیمی آواز میں پکارا۔

بنگلے میں روشنی ہو گئی۔ کچھ کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی، پھر دروازے کے عقب سے کسی نے پوچھا ''کون ہے؟'' اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی۔

''میں ہوا ڈیبورا۔ جلدی کرو بین۔ دروازہ کھولو''

دروازہ کھلا اور ہم روشنی میں نہا گئے۔

وہ شخص مسکرا رہا تھا ''ڈیبورا!'' اس نے حیرت آمیز مسرت سے کہا ''تمہارے اتنی جلدی واپس آنے کی مجھے اُمید نہیں تھی'' مگر جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی ''ڈیبورا! یہ سب کیا ہے؟''

''ہمیں اندر تو آنے دو'' ڈیبورا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ اندر دیوار سے لگا ہوا ایک چھوٹا بیڈ تھا۔ ڈیبورا نے سہارا دے کر مجھے اس پر لٹا دیا۔ پھر وہ بین کی طرف مڑی ''مجھے گرم پانی لا کر دو''

میں نے پہلے ڈیبورا کو، پھر بین کو دیکھا۔ وہ جانے لگا تو کھٹ کھٹ کی ویسی ہی آواز سنائی دی، جیسی چند لمحے پہلے میں نے بند دروازے کے عقب سے سنی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ بین کی ایک ٹانگ لکڑی کی ہے۔ اگلے ہی لمحے مجھے شاک لگا۔ ٹانگ ہی سے نہیں، وہ ایک ہاتھ سے بھی محروم تھا۔

''مسئلہ کیا ہے؟'' بین نے پلٹ کر ڈیبورا سے پوچھا۔

''یہ زخمی ہے۔ تم گرم پانی لاؤ تو میں اس کا زخم دھو دوں۔''

میں بستر سے اُٹھ گیا۔ کمرا میری آنکھوں میں دھندلا رہا تھا لیکن کمرا گرم تھا، اور میرا سردی کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں'' میں نے کہا ''زحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اسی لمحے کمرا گھومتا محسوس ہوا۔ وہ دونوں مجھے سر کے بل کھڑے دکھائی دیے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ میں اس اندھی گلی سے نکلا ہی نہیں تھا، جہاں اسپٹ اور کلکٹر سے میری مڈ بھیڑ ہوئی تھی۔ ''پاپا! دروازہ کھول دیں۔ مجھے اندر آنے دیں پاپا'' میں چلایا اور پھر گرنے لگا۔

..........☆☆..........
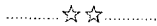
دن زندگی کے

کتابِ سوم

جولائی کا سورج پانی کے اندر سے سرا بھار رہا تھا۔ اس کی سرخی مائل سنہری کرنیں پانی پر اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ میں پلیا کے نیچے سے گزرا۔ ریت اس وقت صاف ستھری اور سفید تھی لیکن شام ہوتے ہوتے اسے گندا ہو جانا تھا۔ صبح اس لیے بھی مجھے اچھی لگتی تھی۔ ابھی وہاں ویرانی تھی لیکن دو گھنٹے بعد لوگ جوق در جوق آئیں گے۔ میں نے گہری سانس لی اور پانی کی طرف بڑھتا رہا۔ دن بھر میں یہی وقت تھا، جو مجھے بیرا کی کے لیے پسند تھا۔ اس وقت ایسا لگتا تھا کہ پورا بحرِ اوقیانوس آپ کی ملکیت ہے۔

میں نے کندھوں سے تولیا اُتار کر ایک طرف ڈالا اور نظر جھکا کر اپنے جسم کو دیکھا۔ اسپٹ کے چاقو کے زخم کا وہ نشان اب محض ایک سفید سی لکیر کی طرح تھا۔ باقی میرا جسم اس علاقے کی دھوپ نے سنولا دیا تھا۔

میں نے تیرنا شروع کیا۔ میرے منہ اور ناک میں نمک کا ذائقہ بھر گیا۔ ذرا دیر بعد ساحل سمٹا ہوا اور دور دور لگنے لگا۔ میں تیرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ پوری دنیا میری اپنی ہے۔

تقریباً دو ماہ پہلے کی وہ رات اب مجھے خواب سی لگتی تھی، جب ڈیبورا مجھے یہاں لائی تھی۔ اب مجھے لگتا تھا کہ وہ رات مجھ پر نہیں، کسی اور پر گزری تھی، جیسے وہ میرا ہمنام کوئی اور لڑکا تھا، جو میرے جسم میں رہ رہا تھا لیکن اب وہ سب کچھ کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ڈیبورا نے میرا نام بدل دیا تھا۔ اب میں ڈینی وائٹ تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے

مجھے اسی نام سے متعارف کرایا تھا۔

اس رات تو میں اتنا نقاہت زدہ تھا کہ اس زبردستی کی تبدیلی پر احتجاج بھی نہیں کر سکا لیکن جب میں نے اگلے روز کے اخبارات میں اپنا نام پڑھا اور گلوز چیمپین شپ فائٹ کے دوران لی گئی اپنی تصویریں دیکھیں تو بات میری سمجھ میں آ گئی۔ بین سمیت تمام لوگ مجھے میری اس حیثیت میں نہ جانیں، اسی میں میری بہتری تھی۔

میں نے پورا اخبار پلٹ ڈالا لیکن اسپٹ اور کلکٹر کے بارے میں کوئی چھوٹی سی خبر بھی نہ تھی۔ میں اور ڈیبورا تجسس سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، لیکن بین کے سامنے بات کرنے کی ہمیں ہمت نہیں ہوئی۔ شام کو بین کھانے پینے کا سامان لانے کے لیے نکلا تو ہمیں موقع ملا۔

''تمہارے خیال میں ابھی تک وہ انہیں ملے ہی نہیں ہوں گے؟'' میں نے ڈیبورا سے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ فکر مند نظر آ رہی تھی ''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آج واپس جاؤں گی تو کچھ پتا چل سکے گا''

''تم واپس جا رہی ہو؟'' میرے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''جانا تو ہے۔ نہیں گئی تو میکس سمجھ لے گا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ پھر وہ میری تلاش میں اپنے گرگے یہاں بھیجے گا۔ محفوظ رہنے کی یہی ایک صورت ہے کہ میں نارمل انداز میں کام کرتی رہوں۔''

میں نے بستر پر اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن بیٹھا نہیں گیا۔ میں بہت کمزور ہو گیا تھا۔ دوبارہ بستر پر ڈھے گیا ''میں یہاں سے چلا جاؤں گا'' میں بڑبڑایا ''میری وجہ سے تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔''

''تم کہاں جاؤ گے؟'' اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم'' میں نے کہا ''لیکن دنیا بہت بڑی ہے۔ میں یہاں نہیں رُک سکتا۔ کبھی نہ کبھی انہیں یہ خیال آ ہی جائے گا اور پھر تم بھی عتاب میں آ جاؤ گی۔''

اس نے میری طرف جھکتے ہوئے میرے رُخسار کو تھپتھپایا ''نہیں ڈینی! تم یہیں رہو اور بین کا ہاتھ بٹاؤ۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ وہ یہاں کا کام پوری طرح نہیں سنبھال سکتا۔''

''لیکن اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو؟''

''کوئی نہیں پہچانے گا۔ کونی آئی لینڈ کوئی چھوٹی جگہ نہیں ہے۔ موسم گرما میں پندرہ لاکھ سے زائد افراد یہاں آتے ہیں۔ تمہارے چھپنے کے لیے مناسب ترین جگہ وہی ہوگی جو بہت پر ہجوم ہو۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ تم یہاں ہوگے۔''

میں اسے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کی بات میں وزن تھا ''اور تمہارا کیا ہوگا؟'' میں نے کہا ''وہ تم سے پوچھے گا کہ رات تم کہاں غائب ہوگئی تھیں۔ تم اسے کیا بتاؤ گی؟''

''کچھ بھی نہیں'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا ''بھاڑ کے ٹٹو کو بھی کبھی آرام کا حق ہوتا ہے۔ وہ پوچھے گا تو میں بتادوں گی کہ میں یہاں آگئی تھی۔ ویسے بھی وہ جانتا ہے کہ میں ہر ہفتے یہاں آتی ہوں۔''

اب تجسس کی باری میری تھی ''تمہارے بھائی کو میکسی کے بارے میں معلوم ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور مجھ سے نظریں چرانے لگی ''بین سمجھتا ہے کہ میں میکسی کی پرسنل سیکرٹری ہوں۔ اس سے پہلے وہ سمجھتا تھا کہ میں ماڈلنگ کرتی ہوں'' اس نے چہرہ میری طرف گھمایا اور ملتجیانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی ''پانچ سال پہلے جب بین حادثے کا شکار ہوا، اور اسے پتا چلا کہ وہ ایک ہاتھ اور ٹانگ سے محروم ہو چکا ہے اور اب وہ کبھی کوئی کام نہیں کر سکے گا اور مجھ پر بوجھ بنا رہے گا تو وہ مر جانا چاہتا تھا اور ہمارا ایک دوسرے کے سوا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اسی سال ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تھا۔ میں نے بین سے کہا کہ وہ فکر نہ کرے، میں کام کر کے اسے اس وقت تک سپورٹ کروں گی، جب تک وہ کام کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ یہ اس کا حق تھا اور میرا فرض۔ والدین کی موت کے بعد اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا میرے لیے۔ مجھے کوئی کمی نہیں ہونے دی تھی اس نے'' اس کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ مچلی ''میں اس وقت

بہت چھوٹی تھی۔ زندگی کے سفاک زہریلے حقائق سے بے خبر۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ڈاکٹروں کی فیس اور دوائیں کتنی مہنگی ہیں اور میری ضرورت کتنی بڑی ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ٹائپسٹ اور اسٹینوگرافر کو کتنا معمولی معاوضہ ملتا ہے۔ پندرہ ڈالر فی ہفتہ میں تو عام حالات میں بھی آسانی سے گزارا نہیں ہوتا۔ جبکہ مجھے تو بین کا علاج کرا کے اسے بحالی کی طرف بھی لے جانا تھا۔ میں نے پہلی ملازمت ایک بکنگ ایجنٹ کے ہاں کی تھی۔ کام میں بہت تیزی سے سیکھ گئی۔ چند ہفتے بعد میں نے اپنے باس سے تنخواہ میں اضافے کی بات کی تو وہ ہنسنے لگا۔ میں تو اس کی وجہ بھی نہیں سمجھ سکی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیوں ہنس رہا ہے۔

''تم بلاشبہ ذہین لڑکی ہو'' اس نے کہا ''لیکن میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں دے سکتا''

میں تقریباً رو دی ''لیکن مجھے زیادہ رقم کی ضرورت ہے۔''

''وہ چند لمحے کھڑا مجھے دیکھتا، نگاہوں میں تولتا رہا۔ پھر میز کے گرد گھوم کر میری طرف آیا۔ ''اگر تم اتنی ہی ضرورت مند ہو تو میں تمہارے لیے ایک اور کام کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ اس میں تمہیں کافی زیادہ مل سکے گا۔''

''کیسے؟'' میں نے کہا ''میں رقم کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔''

''آج رات ایک پارٹی ہو رہی ہے'' اس نے کہا ''بیرونِ شہر سے میرے کچھ دوست آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ان کی شب بھر کی رفاقت کے لیے لڑکیوں کا بندوبست کر دوں۔ وہ بیس ڈالر دیں گے''

''میں اسے دیکھتی رہی۔ اس وقت اس رفاقت کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن میں یہ جانتی تھی کہ بیس ڈالر معمولی رقم نہیں ہے۔ چنانچہ میں پارٹی میں شرکت کے لیے چلی گئی'' اتنا کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور مجھے دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ پھر وہ بولی تو اس کا لہجہ سپاٹ اور جذبات سے عاری تھا ''یوں یہ کہانی شروع ہوئی۔ میں ڈاکٹروں کے بل ادا کرنے اور بھائی کے لیے مہنگی دوائیں خریدنے کے قابل ہوگئی۔

یہاں تک کہ ایک پارٹی میں میکسی فیلڈز نے مجھے دیکھا اور مجھ پر مرمٹا۔ بیس ڈالر فی گھنٹہ تو بہت ہی بڑی رقم تھی۔ اسی کی مدد سے تو میں نے بین کے لیے اس ریسٹورنٹ کا اہتمام کیا۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں۔ میرا حلق خشک ہو گیا تھا اور مجھے سگریٹ کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ ہم نے ایک ساتھ بیڈ پر رکھے سگریٹ کے پیکٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ہمارے ہاتھ آپس میں ملے۔ میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''پھر وہ رات آئی، جب تم میری خاطر، میرے کہنے پر وہاں رُکے۔ صرف اس لیے کہ میکس یہ نہ سمجھے کہ میں تمہیں روکنے میں ناکام رہی۔ صرف اس لیے کہ تم نہیں چاہتے تھے کہ وہ مجھے ایذا پہنچائے۔ اس سے پہلے میرے ساتھ جو کچھ ہوا اور میں نے جو کچھ کیا، وہ صرف رقم کے حصول کے لیے تھا۔ محبت کے بارے میں تو میں کچھ جانتی ہی نہیں تھی لیکن اس رات سب کچھ بدل گیا۔ اس رات پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میں نے کتنی قیمتی چیز بیچ دی ہے، میں کیسی قیمتی چیز سے محروم ہو گئی ہوں لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے خود ہی قیمت لگائی تھی۔ اب پیچھے کیسے ہٹ سکتی تھی'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔ ''اس رات جو لمحے میں نے تمہارے ساتھ گزارے، وہ خالص میرے اپنے تھے۔ وہ رقم کے لیے نہیں تھے، زندگی میں پہلی بار! ان لمحوں نے ہی تو مجھے عمر بھر کے لیے احساسِ زیاں سے دوچار کر دیا۔''

''ڈیبورا! کیا ضروری ہے کہ تم واپس جاؤ'' میں نے کہا۔

''جانا ہے، جانا ہوگا'' اس کا لہجہ پھر بے تاثر ہو گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی ''تم مجھے ڈیبورا کہہ کر پکارتے ہو تو بہت اچھا لگتا ہے۔ مدت ہو گئی، بین کے سوا کسی نے مجھے میرے نام سے نہیں پکارا تھا۔''

''میں تو تمہیں کسی اور نام سے جانتا ہی نہیں''

اس کے چہرے کی گمبھیرتا یک لخت معدوم ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی اُمنڈ

آئی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ ہمارا یہ تعلق زندگی بھر قائم رہے۔ ہم ہمیشہ دوست رہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا ''ہم دوست ہیں اور رہیں گے ڈیبورا''

پھر بین کھانا لے کر آ گیا۔ میں نے کھانا کھایا۔ پھر مجھ پر اونگھ طاری ہو گئی۔ میں جاگا تو وہ جا چکی تھی۔ بین قریب بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔

''وہ چلی گئی؟'' میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، اسے سہ پہر تک اپنے باس مسٹر فیلڈز کے پاس پہنچنا تھا۔ وہ اسے بہت مصروف رکھتا ہے۔''

''ہاں، وہ بہت اہم آدمی ہے''

وہ ایک لمحہ ہچکچایا، پھر کھنکھارتے ہوئے بولا ''ڈیبی نے مجھے بتایا کہ تم موسم گرما میں میرے ساتھ کام کرنا چاہتے ہو۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر میں تمہیں کچھ زیادہ نہیں دے سکتا'' اس کے لہجے میں معذرت تھی ''ہم خود مشکل سے گزارا کر رہے ہیں''

''اس کی فکر نہ کرو۔ تم دونوں نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے، اس کے بدلے میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

وہ مسکرایا اور میری طرف ہاتھ بڑھا دیا ''ہماری خوب نبھے گی ڈینی''

اور ہماری خوب نبھ رہی تھی۔ مجھے وہاں تقریباً دو مہینے ہو گئے تھے۔ بزنس کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ بس خرچا نکل آتا تھا اور بین اس میں بھی خوش تھا۔ میں بھی خوش تھا کہ وہاں فیلڈز کی دستبرد سے محفوظ تھا۔

ڈیبورا اگلے ہفتے وہاں آئی تو میں نارمل ہو چکا تھا۔ بس میرے بازو میں ہلکی سی دُکھن تھی۔ تنہائی میں ملنے کا موقع ملا تو میں نے اس سے اسپٹ اور کلکٹر کے بارے میں پوچھا۔ کیونکہ اخبار میں اب تک ان کے متعلق کچھ بھی شائع نہیں ہوا تھا۔

وہ فیلڈز کے کسی شناسا کے پرائیوٹ اسپتال میں تھے۔ کلکٹر کا جبڑا ٹوٹ گیا تھا اور

اسپٹ کے پہلو میں جہاں چاقو گھسا تھا ۹ ٹانکے آئے تھے۔ اگر چاقو ڈیڑھ انچ اور اندر چلا جاتا تو اس کے دل تک پہنچ جاتا اور وہ مر گیا ہوتا۔ مجھے اس کے بچ جانے پر خوشی ہوئی۔ ورنہ میں قاتل کہلاتا۔

فیلڈز غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ مجھے تلاش کر کے رہے گا اور جب میں اسے ملوں گا تو وہ میرا ایسا حشر کرے گا کہ میں اپنی پیدائش پر عمر بھر پچھتاتا رہوں گا۔ اس نے میری تلاش میں ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے تھے، جنہوں نے اردگرد کا تمام علاقہ چھان مارا تھا۔ اب اس تلاش کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور فیلڈز اس ناکامی پر بری طرح کھول رہا تھا۔

پھر کئی ہفتے گزر گئے۔ ڈیبورا نے مجھے بتایا کہ اب فیلڈز کسی کے سامنے میرا نام لیتے ہوئے بھی کتراتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا ہے کہ میں رقم لے کر کہیں دور چلا گیا ہوں اور اب اس کے ہاتھ نہیں آ سکوں گا۔ اس کا یہ یقین میرے لیے طمانیت بخش تھا۔

میں نے کئی بار سوچا کہ ڈیبورا سے نیلی اور اپنی فیملی کے بارے میں پوچھوں لیکن مجھے ہمت نہیں ہوئی۔ مجھے خط لکھنے کا بھی حوصلہ نہیں ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ فیلڈز ان پر نظر رکھے ہوئے ہو گا لیکن میں ان سب کے بارے میں سوچتا تھا۔ کیا پاپا نے وہ اسٹور خرید لیا ہو گا؟ کیا میمی اب بھی جاب کر رہی ہو گی؟ ماما نجانے کیسی ہوں گی؟ مجھے یاد کر کے روتی ہوں گی؟ کیا پاپا کو میرے چلے جانے پر افسوس ہوتا ہو گا؟ رات کو میں سونے کے لیے لیٹتا تو یہ سوال میرے دماغ میں چکرانے لگتے۔ کبھی میں آنکھیں بند کرتا تو اپنے گھر میں پہنچ جاتا۔ ماما وہاں کھانا بنا رہی ہوتیں اور سوپ کی خوشبو سے گھر مہک رہا ہوتا۔ پھر پاپا گھر آ جاتے اور میرا وجود تلخی سے بھر جاتا۔ میں آنکھیں کھول دیتا۔

میں نیلی کے بارے میں سوچتا تو اس کا مسکراتا ہوا چہرہ میرے سامنے آ جاتا۔ آنکھوں سے چھلکتی وہ محبت اور نرمی! میں سوچتا، شاید وہ سمجھ گئی ہو گی کہ میں مجبور تھا۔ شاید اسے میری وہ بات یاد ہو گی جو میں نے آخری ملاقات میں اس سے کہی تھی..... حالات کیسے ہی ہوں نیلی، یہ کبھی نہ بھولنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تصور میں وہ سر کو تفہیمی

جنبش دیتے ہوئے مجھ سے کہتی..... مجھے یاد ہے ڈینی۔

پھر میں آنکھیں سختی سے بند کر لیتا۔ بین کے خراٹے مجھے سلا دیتے کہ میں ان کا عادی ہو چکا تھا۔ میں نے پانی سے سر ابھارا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ اس وقت میں پیراکی کر رہا ہوں۔

''ڈینی!'' اچانک ساحل کی طرف سے جانی پہچانی آواز نے مجھے پکارا۔

میں مڑا اور تیرتا ہوا ساحل کی طرف گیا، جہاں ڈیبورا کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ ''تم یہاں کیسے؟ تمہیں تو پرسوں آنا تھا''

''میکسی کسی کام سے بیرونِ شہر گیا ہے۔ اب میں ویک اینڈ تک آزاد ہوں''

''کوئی خاص بات؟'' میں متجسس ہو گیا۔

''مجھے کیا معلوم، اور نہ ہی مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ گزارنے کے لیے اضافی وقت مل گیا۔'' اس کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

مجھے حیرت ہوئی۔ اس نے بین کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ صرف میرے ساتھ وقت گزارنے کی بات کر رہی تھی۔ پھر وہ بھی پانی میں اُتر آئی۔ ذرا دیر بعد اس نے کہا ''میری سانس پھول رہی ہے''

میں نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا ''ذرا دیر آرام کر لو۔ سانس ابھی بحال ہو جائے گی۔''

پانی میں وہ ہلکی پھلکی سی ہو رہی تھی۔ اس کا لمس میرے اندر فتنے جگانے لگا تو میں نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔

اُس نے حیرت سے مجھے دیکھا ''کیا ہو گیا ڈینی؟''

''موجیں زیادہ طاقتور ہو گئی تھیں۔ مجھ سے سہارا نہیں گیا'' میں نے بہانہ بنایا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا ''مجھے بہلاؤ مت۔ اصل وجہ بتاؤ ڈینی''

میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ کسی خوبصورت خواب سے بھی زیادہ حسین تھی۔ میں اسے

دکھ نہیں دینا چاہتا تھا'' میں نے خود کو آزمائش سے بچایا ہے'' میں نے کہا۔

''کیسے؟''

''میں کوئی مشین نہیں ہوں اور تم بہت خوبصورت ہو''

وہ خوش نظر آنے لگی ''اور کوئی بات تو نہیں؟''

''اور کیا بات ہو سکتی ہے'' میرے لہجے میں اُلجھن تھی۔

وہ ایک لمحے کو ہچکچائی۔ پھر دھیمی آواز میں بولی ''میں تمہارے لیے کیا ہوں ڈینی؟''

''تم میری دوست ہو'' میں نے بے جھجک کہا ''اور اس کے بعد کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں تعلق میں اُلجھن پیدا کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

وہ مجھے غور سے دیکھتی رہی ''تم مجھے پیار کرو گے تو تمہارے خیال میں ہمارا تعلق مجروح ہو جائے گا۔''

''ہاں'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

وہ اب بھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی ''یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ تم کسی اور سے محبت کرتے ہو؟''

میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کی آنکھوں سے کرب جھانکنے لگا ''لیکن محبت کے تو کئی روپ ہیں ڈینی۔ تمہاری کسی سے محبت مجھے تم سے محبت کرنے کے حق سے محروم تو نہیں کر سکتی''

''نہیں'' میں نے کہا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔

اس نے سمندر کی طرف رُخ کیا اور زیرِ لب کچھ کہنے لگی۔ میں نے سننے کی کوشش کی۔ وہ کہہ رہی تھی ''میں جانتی ہوں کہ تم کبھی مجھ سے ویسی محبت نہیں کر سکتے، جیسی اس سے کرتے ہو۔ اس کے باوجود میں اور تم ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ دے سکتے ہیں۔ طویل عرصے کے لیے نہ سہی، چند لمحے ہی سہی۔ میں وہ لمحے بہت سنبھال کر رکھوں گی، وہ عمر بھر مجھے خوشی دیتے رہیں گے۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ میرے پاس کہنے کو کچھ تھا بھی نہیں۔

اس نے اپنا چہرہ میری طرف کیا ''میں نے تمہیں بتایا تھا ڈینی کہ میں نے سب کچھ پیسے کے لیے کیا۔ اپنے لیے، محبت کے لیے، خوشی کے لیے کبھی کچھ نہیں کیا۔ اس رات تک، جب میں نے تمہیں فیلڈز کے اپارٹمنٹ میں روکا اور تم رک گئے تھے۔ اس رات پہلی بار مجھے پتا چلا کہ محبت میں کیسی خوشی ہوتی ہے، اور وہ خوشی کتنی خوبصورت ہوتی ہے۔ اب میں اپنے لیے، محبت کی خاطر اور اس سچی خوشی کے لیے بھی اپنی فروخت کی ہوئی زندگی سے کچھ لمحے ادھار لینا چاہتی ہوں۔ کیا یہ غلط ہے؟''

''نہیں ڈیبورا، ان لمحوں پر تمہارا حق ہے'' میں نے کہا۔ میں اب تک ایک بات اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ دوستوں سے یہ کہنا کہ جو وہ آپ سے چاہتے ہیں، وہ آپ کے پاس ان کے لیے نہیں، انہیں دکھی کر دیتا ہے اور دوستوں کو دُکھی کرنا اچھی بات نہیں۔ اگر آپ انہیں سچی خوشی کے نام پر جھوٹی خوشی دے دیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ درحقیقت وہ خود کو بے وقوف بنا رہے ہوتے ہیں اور اس میں انہیں سچی خوشی ملتی ہے۔

ہم پانی سے نکلے۔ وہ تولیے سے میرا جسم خشک کرنے لگی ''ارے ہاں، تم اتنے سنولا گئے ہو کہ اب پہچان میں بھی نہیں آتے''

میں مسکرایا ''لیکن تم نے مجھے پہچان لیا''

''صرف اس لیے کہ میں جانتی تھی کہ تم یہاں ملو گے'' اس نے کہا۔ پھر اس کے چہرے پر اُلجھن سی نظر آئی ''مجھے یاد آیا۔ کیا تم سام واٹکن سے واقف ہو۔ ٹھیکے دار سام واٹکن؟''

''ہاں۔ کیا ہوا اُسے؟''

اس نے غور سے مجھے دیکھا ''پرسوں وہ میکسی فیلڈز سے ملنے آیا تھا..... تمہارے سلسلے میں''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟''

''پوچھ رہا تھا کہ تم کہاں ہو۔ اس کے ساتھ ایک اطالوی لڑکا بھی تھا۔ شاید اس کا

نام زیپ ہے۔اسے بھی جانتے ہو تم؟''

''ہاں...... وہ میری محبوبہ کا بھائی ہے۔وہ فیلڈز تک پہنچے کیسے؟''

''انہیں پتا چلا تھا کہ فائٹ والی رات کے بعد سے میکسی تمہیں شدت سے تلاش کر رہا ہے۔وہ اس کی وجہ جاننا چاہتے تھے۔سام اور میکسی پرانے دوست ہیں۔سام نے بتایا کہ تمہاری بہن اس سے ملنے آئی تو اسے پتا چلا کہ تم غائب ہو۔یہ بتاؤ، تمہاری بہن سام کے پاس کیوں گئی؟''

''میں سام کے لیے کام کرتا رہا ہوں'' میں نے جلدی سے وضاحت کی''اور اب بھی پروفیشنل باکسر بننے کے بعد سام ہی میرا منیجر ہوتا۔خیر، یہ بتاؤ، ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟''

''میکسی انہیں کیا بتا سکتا تھا تمہارے بارے میں؟ وہ تو خود بے خبر ہے۔''

''اور سام اور زیپ نے بتایا کہ وہ کیوں میری تلاش میں ہیں''

ڈیبورا نے اثبات میں سر ہلایا''تم سے میکسی کی ڈیل کا سنا تو سام غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔اس نے کہا کہ میکسی کو تم سے دور رہنا چاہتا تھا۔جبکہ وہ جانتا تھا کہ تم سام کے ہو۔اس نے میکسی کو اتنی گالیاں دیں کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا''اور میکسی نے سن بھی لیں؟''

''سنیں..... مگر وہ یہ کہتا رہا کہ سام کو تمہارے معاملے میں اسے بھی حصہ دار بنانا چاہیے تھا۔اس بات پر بڑی بحث ہوئی۔پھر میکسی نے کہا کہ اگر تم ہتھے چڑھ گئے تو وہ تمہیں کسی کام کا نہیں چھوڑے گا۔سام نے کہا کہ اسے کچھ بھی کرنے سے پہلے اسے اطلاع دینی ہوگی۔کیونکہ تمہاری طرف اُس کا بھی حساب نکلتا ہے، جو اسے چکانا ہے۔''

میں پریشان ہو گیا۔اب ایک نہیں، مجھے دو دشمنیاں درپیش تھیں اور میرا معاون اور مددگار کوئی نہیں تھا''پھر میکسی نے مان لی اُس کی یہ بات؟''میں نے پوچھا۔

''اُس وقت تو وہ مان گیا۔وہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھے اور کاروباری گفتگو کرنے لگے۔پھر سام نے تمہاری بہن کو فون کر کے رات کو اس سے ملاقات کا وقت طے کیا لیکن

سام اور زیپ کے جانے کے بعد میکسی کسی زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہلتا اور پاؤں پٹختا رہا۔اس نے قسم کھائی کہ اپنا حساب صاف کرنے سے پہلے وہ سام کو تمہاری ہوا بھی نہیں لگنے دے گا۔''

مجھے بھی یہی توقع تھی۔میکسی فیلڈز کا ردِعمل یہی ہو سکتا تھا۔

ڈیبورا کے اگلے سوال نے مجھے حیران کر دیا''کیا تمہاری بہن کی سام واٹکن سے منگنی ہوگئی ہے؟''

میرا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا''یہ کیوں پوچھ رہی ہو تم؟''

''کیونکہ جب میکسی نے سام سے پوچھا کہ وہ تمہیں کیوں بچانا چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ تم اس کی منگیتر کے بھائی ہو۔تمہیں کچھ ہو گیا تو اس کے سارے معاملات اُلٹ جائیں گے۔''ڈیبورا نے کہا۔پھر مجھ سے پوچھا''تمہیں یہ بات معلوم نہیں تھی؟''

میں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا''مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کبھی ملے بھی ہیں'' میں نے کہا۔میں حیران تھا۔ڈیبورا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، اس میں سب سے تعجب خیز بات مجھے یہی لگی تھی۔سام اور میمی...... میمی اور سام! مجھے کسی طرح یقین نہیں آ سکتا تھا کہ یہ سچ ہے۔

..........☆☆..........

میں کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا تھا کہ بین نے اچانک بڑبڑانا شروع کر دیا''لعنت ہو ان منحوس لڑکوں پر۔خدا انہیں غارت کرے۔''

''کیا ہوا؟''ڈیبورا نے پوچھا۔

بین اس کی طرف مڑا اور اپنے صحت مند ہاتھ سے ساحل کی طرف اشارہ کرنے لگا''ایک کسٹمر یہاں آ رہا تھا۔مگر اس منحوس لڑکے نے اسے اُچک لیا۔ان لڑکوں کے ہوتے ہوئے تو یہی بہت ہے کہ ہم فاقوں سے بچے ہوئے ہیں۔کاش میں کسی طرح انہیں روک سکتا۔''

''پولیس والے تو جب بھی انہیں دیکھتے ہیں، بھگا دیتے ہیں'' ڈیبورا بولی۔

''پولیس والے تو زیادہ تر ساحل پر موجود حسیناؤں کو تاڑتے رہتے ہیں'' بین نے کہا اور کھٹ کھٹ کرتا عقبی کمرے کی طرف چلا گیا۔

میں اُٹھا اور میں نے انگڑائی لی ''بہت غصہ آ رہا ہے بین کو'' میں نے تبصرہ کیا۔

''یہ اس کا حق ہے'' ڈیبورا نے کہا ''یہ ریسٹورنٹ اس کا خواب ہے۔ وہ اسے کامیاب دیکھنا چاہتا ہے لیکن کاروبار کا جو حال ہے، اس میں سیزن لگا کر بھی بس ہم خسارے سے بہ مشکل بچ پاتے ہیں اور موسم سرما میں تو اس کا اپنا گزارا بھی مشکل سے ہی ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اسے مجھ سے مدد طلب کرنی پڑتی ہے اور یہ بات اسے بالکل پسند نہیں۔''

اچانک میرے اندر جوش سا بھر گیا۔ حیرت ہے کہ مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔ سام کے ٹھیکے پر لیے ہوئے ریسٹورنٹ اتنے کامیاب کیوں ہوتے تھے؟ صرف اس لیے کہ وہ کم عمر لڑکوں کی خدمات سے بھرپور استفادہ کرتا تھا۔ تو یہ طریقہ تو یہاں بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔

میں ڈیبورا کی طرف مڑا۔ وہ اور بین رجسٹر سامنے رکھے ساحل کو تک رہے تھے۔

میں نے بین کے کندھے پر تھپکی دی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا ''یہ لڑکے تمہارے لیے بھی کام کر سکتے ہیں'' میں نے کہا۔

اس نے اُلجھن بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے انگوٹھے سے ساحل کی طرف اشارہ کیا ''میں ان لڑکوں کی بات کر رہا ہوں۔ انہیں اپنے ساتھ کر لو۔''

''پاگل ہوئے ہو'' بین نے بدمزگی سے کہا ''اس طرح تو میں پورا دن پیسوں کی وصولی کے لیے ان کے پیچھے بھاگتا رہوں گا۔ اپنی اس ایک ٹانگ پر!''

''تمہیں بھاگنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی'' میں نے کہا ''وہ رقم پیشگی ادا کریں گے۔''

''نہیں۔ وہ آدھی رقم پیشگی دیتے ہیں۔ باقی آدھی تو ان سے نکلوانی پڑتی ہے اور وہ مجھ سے تعاون کیوں کریں گے، جبکہ یہاں ریسٹورانوں کی کمی نہیں''

''اس کی بھی ترکیب ہے۔ فرض کرو، ہم ان سے ایڈوانس نہیں لیتے۔ بلکہ ان سے ڈیپازٹ لے لیتے ہیں۔ جیسے گھڑی، یا بائیک۔ اب اس صورت میں تو وہ ادائیگی کریں گے ہی کریں گے۔''

''بھول جاؤ اسے'' بین نے کہا اور جھاڑن اُٹھا کر کاؤنٹر کی صفائی کرنے لگا ''اور انہیں ہینڈل کرنے کے لیے ہمارے پاس جگہ بھی تو نہیں ہے۔''

اسی لمحے ڈیبورا بول پڑی ''عقبی کمرا ہے نا۔ اسے تو ہم استعمال ہی نہیں کرتے۔ وہاں ہم کولڈ لوکر رکھ سکتے ہیں''

''لیکن ڈیبی، اتنا وقت کون دے گا انہیں'' بین نے احتجاج کیا ''اور انہیں یہاں لائے گا کون؟ اور وہ آئیں گے بھی کیوں؟''

''میں لاؤں گا انہیں'' میں نے جلدی سے کہا ''اور اتنے لاؤں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔''

ڈیبورا نے پہلے مجھے اور پھر اپنے بھائی کو دیکھا ''اب بولو بین''

بین ہچکچا رہا تھا۔

ڈیبورا مسکرائی ''کیا ہو گیا بین۔ تم تو ہمیشہ کہتے تھے کہ تم تگڑا مال کمانا چاہتے ہو۔ اب پہلی بار موقع ملا ہے تو سانس روک کر بیٹھ گئے۔''

بالآخر بین مسکرایا۔ اس نے شکر گزاری سے مجھے دیکھا ''ٹھیک ہے ڈینی۔ کوشش کر دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی میں بھول جاتا ہوں کہ اب مجھے اکیلے ہی سب کچھ نہیں کرنا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ ہو'' اس نے کہا۔

............☆☆............

بین نے میز پر سے سر اُٹھا کر شلیف پر رکھے کلاک کو دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے سامنے رکھی ہوئی باقی ریزگاری کا ڈھیر ڈیبورا کی طرف بڑھا دیا۔

''اب تم گنو ڈیبی۔ میں تو تھک گیا''

ڈیبورا رقم گننے لگی۔ بین میری طرف مڑا ''کیا زبردست ہفتہ گزر رہا ہے۔'' اس کے

لہجے میں ہیجان کے ساتھ تھکن بھی تھی۔ ''لڑکوں نے تو تھکا ڈالا''

''میں نے کہا تھا نا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرا اندازہ تھا کہ جمعرات کی صبح سے اس وقت اتوار کی رات تک ہم کم از کم ۸۰۰ ڈالر کی سیل کر چکے ہیں۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا کڈ اور یہ تمہارا ہی کارنامہ ہے۔'' وہ مسکرایا۔

ڈیبورا نے گننے کے بعد سکوں کی ڈھیریوں کو کاغذوں میں لپیٹ کر رکھنا شروع کیا ''اتنی ریزگاری میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی'' وہ بولی۔

بین کی نگاہیں ڈیبورا سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ ڈیبورا نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بین میری طرف مڑا ''میں اور ڈیبی، ہم بتا نہیں سکتے کہ ہم تمہارے کس قدر شکر گزار ہیں۔ تم نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے ڈینی۔ آج سے تم میرے ۲۵ فیصد کے پارٹنر ہو۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میرے گلے میں کوئی گولا سا اُٹکنے لگا۔ میں بے بسی سے باری باری انہیں دیکھتا رہا۔ بولنا میرے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

''کیا ہو گیا ڈینی؟ کیا یہ کم ہے؟'' بین کے لہجے میں تشویش تھی۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ بات نہیں'' میں بہ مشکل بولا ''میں نے تو ایسا سوچا ہی نہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں''

''میرا نہیں، ڈیبی کا شکریہ ادا کرو'' اس نے کہا ''اور سچ تو یہ ہے کہ تم نہ ہوتے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا''

''یہ تمہارا حق ہے ڈینی'' ڈیبورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہماری نظریں ملیں۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ احساسات ایسے ہوتے ہیں، جنہیں لفظوں کا قالب نہیں دیا جا سکتا۔ مجھ پر اس کا بہت قرض تھا۔ وہ نہ ہوتی تو شاید اس وقت میں زندہ ہی نہ ہوتا۔ میری تو زندگی ہی اس کی مرہونِ منت تھی۔

''کاش یہاں باتھ ٹب ہوتا...... اور گرم پانی بھی'' بین کی آواز نے مجھے چونکا دیا

''اور ایک نرم گرم بستر۔ اس وقت مجھے ان سب چیزوں کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ جھلنگا بیڈ تو تھکن دور نہیں کر سکتا۔''

ڈیبورا نے غور سے اسے دیکھا ''تو تم دونوں میرے ساتھ ہوٹل چلو نا۔ اب تو ہم اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ وہاں کمرے میں گرم باتھ بھی ہوگا اور آرام دہ بستر بھی۔''

''زبردست آئیڈیا ہے۔'' بین جیسے اُچھل پڑا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا ''تمہارا کیا خیال ہے کڈ؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ہاف مون ہوٹل میں بہت ہجوم ہوتا تھا۔ کسی جان پہچان والے سے سامنا ہو سکتا تھا۔ میرے لیے تو یہ گوشہ عافیت ہی بہتر تھا۔ ''نہیں بین، تم اور ڈیبی چلے جاؤ'' میں نے کہا ''یہاں بھی کسی کا رہنا ضروری ہے۔''

ڈیبی میری بات سمجھ گئی تھی۔ اس نے کہا ''ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے بین''

وہ دونوں چلے گئے۔ میں بیڈ پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور سگریٹ جلا لی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کیا۔ اب کمرے میں جلتے ہوئے سگریٹ کے سوا اندھیرا تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ اس کا اب مجھے احساس ہو رہا تھا۔ میری ٹانگیں خاص طور پر دکھ رہی تھیں۔ مجھے خود اس وقت گرم پانی سے نہانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کاش میں بھی ان دونوں کے ساتھ جا سکتا لیکن میں خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہاں میں بہرحال محفوظ تھا۔

میں نے جھک کر سگریٹ کو فرش پر رگڑ کر بجھا دیا۔ پھر دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر لیٹا میں اندھیرے میں چھت کو گھورتا رہا۔ یہ سب کچھ کتنا عجیب تھا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا تھا۔ گھر چھوڑے ہوئے مجھے دو ماہ ہو چکے تھے۔ کیا میرے گھر والے مجھے یاد کرتے ہوں گے؟ ماما کے بارے میں تو مجھے یقین تھا لیکن میمی اور پاپا کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ طے تھا کہ چاہے پاپا مجھے یاد کرتے ہوں، ان کی انا کبھی انہیں اس کا اظہار نہیں کرنے دے گی۔ میں نے کروٹ لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔

دستک کی آواز سے میری آنکھ کھلی۔ میں ایک دم سے اُٹھ کر بیٹھا اور لائٹ آن کر کے کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کا ایک بجا تھا۔ دستک دوبارہ ہوئی تو میں اُٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا ''کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ڈیبورا''

میں نے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ ''تم......اس وقت یہاں؟''

''نیند نہیں آ رہی تھی۔ چہل قدمی کے لیے نکلی۔ یہاں سے گزری تو تمہارا خیال آ گیا'' وہ اندر آ گئی اور دروازہ بند کر لیا ''بین نہایا اور بے سدھ ہو کر سو گیا۔ حادثے کے بعد میں نے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا۔ لاؤ، ایک سگریٹ دو مجھے۔''

میں نے سگریٹ اس کی طرف بڑھائی اور دیا سلائی جلا کر سگریٹ سلگانے میں اس کی مدد کی۔

وہ سگریٹ کے کش لیتی رہی۔ پھر اچانک اس نے مجھ سے پوچھا ''تمہاری عمر کتنی ہے ڈینی؟''

''۱۸ سال''

وہ مجھے پر خیال نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سگریٹ بجھا دی ''کل مجھے واپس جانا ہے'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے''

''کاش! میں جانے پر مجبور نہ ہوتی۔ لیکن کل وہ واپس آ چکا ہوگا'' اس نے کہا۔

پھر اچانک ہی وہ پھٹ پڑی ''مجھے اس سے نفرت ہے......شدید نفرت۔ کاش! میں اسے ملی ہی نہ ہوتی۔''

''میں بھی یہی سوچتا ہوں'' میں نے شگفتگی سے کہا۔

اس نے زخمی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ان نگاہوں میں خوف بھی تھا ''تم اس کے بارے میں جانتے ہی کیا ہو'' وہ سخت لہجے میں بولی ''جو کچھ وہ میرے ساتھ کرتا رہا ہے، وہ اس نے تمہارے ساتھ تو کبھی نہیں کیا۔ تم مرد ہو نا''

اس کے نظر نہ آنے والے آنسوؤں سے کمرے کی فضا بھیگ گئی۔ میں اٹھ کر اس کی طرف بڑھا، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کا سر اپنے سینے پر ٹکا لیا۔ میرا لمس پا کر وہ رونے لگی ''میں بتا نہیں سکتی کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا کیا ہے۔ کیسے کیسے کام کروائے ہیں اس نے مجھ سے۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ میں بتاؤں تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا میری بات پر۔ اس کے اندر جانوروں کی سی دیوانگی اور درندگی بھری ہے۔ میں اس کے پاس جانے سے خوف زدہ رہتی ہوں۔ میں بہت ڈرتی ہوں اس سے کہ وہ میرے ساتھ اور نجانے کیا کیا کرے گا۔''

میں نے اس کے لرزتے ہوئے کندھوں کو تھام لیا ''تو واپس مت جاؤ ڈیبورا۔ اب تو بین کا کاروبار بھی چمک گیا ہے۔ تمہیں واپس جانے کی ضرورت نہیں۔''

اس نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں بے بسی تھی ''مجھے جانا ہی ہوگا ڈینی'' اس نے سرگوشی میں کہا ''میں نہیں گئی تو وہ میرے پیچھے آئے گا اور یہ میں نہیں چاہتی۔ کیونکہ اس طرح بین کو سب معلوم ہو جائے گا۔''

اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ روتی رہی اور میں اس کے بالوں کو سہلاتا رہا ''کوئی بات نہیں ڈیبورا۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تم جانے پر مجبور نہیں ہوگی۔''

وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ اس رات مجھے اندازہ ہوا کہ میرے لیے وہ رونی نہیں، ڈیبورا ہی ہے۔ معصوم، محبت کرنے والی ڈیبورا!

............☆☆............

اگلے ہفتے بین نے مجھے بتایا کہ ڈیبی نے میکسی فیلڈز کی ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان دونوں نے پروگرام بنایا تھا کہ وہ اب مغربی علاقے میں جا کر کوئی نیا کاروبار شروع کریں گے۔ بین نے کہا کہ وہ دونوں ہی چاہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ چلوں۔

............☆☆............

ڈیبورا اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ اس نے بین سے

کہا تھا کہ وہ اسے پک کرنے کے لیے سہ پہر کے وقت کار لے کر آئے گی، اور وہ نئی زندگی کی طرف چل پڑیں گے۔ میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ اس نے جاب چھوڑنے کے متعلق میکسی فیلڈز کو بتایا ہے یا نہیں۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ اس نے میکسی فیلڈز کو بے خبر رکھا ہے۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو، لیکن گزشتہ چند ہفتوں کے دوران وہ جب بھی یہاں آئی تو اس نے مجھ سے گفتگو کم ہی کی۔ وہ مجھ سے دور دور رہی، اور میں نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے سیزن ختم ہو گیا۔

اچانک ایک جمعرات کو بین نے اپنا سامان پیک کیا اور روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ ننھے بچوں کی طرح ہیجان میں مبتلا تھا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ بے چینی سے تین بجنے کا منتظر تھا۔ کیونکہ ڈیبی نے اسے تین بجے پک کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

''تم بھی ہمارے ساتھ چلتے تو اچھا ہوتا ڈینی'' اس نے بنگلے کی فرنٹ روم سے مجھے پکارا۔ وہاں وہ اپنے پیک کیے ہوئے سامان کے درمیان بیٹھا تھا ''ڈیبی تو شروع میں سمجھ رہی تھی کہ تم ہمارے ساتھ چلو گے۔ تم نے جب اسے بتایا کہ تم یہیں رہو گے تو وہ بڑی مایوسی ہوئی۔''

یہ سن کر میری سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ میری سمجھ میں یہ بھی آ گیا کہ میں بہت بے وقوف ہوں۔ ڈیبورا چاہتی تھی کہ میں ان لوگوں کے ساتھ چلوں لیکن جب میں نے پہلی بار بین سے ان کے پروگرام کے بارے میں سنا اور اس سے کہا کہ میں نیویارک نہیں چھوڑنا چاہتا تو ڈیبی نے اپنے طور پر سمجھ لیا کہ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ اس لیے وہ مجھ سے بات کرنے سے بھی گریز کرنے لگی۔ کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ میں ان کے ساتھ چلوں۔

میں اس سلسلے میں وضاحت کرنا چاہتا تھا، کیونکہ ان کے ساتھ جانے میں تو میرا فائدہ ہی تھا۔ مگر میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ بین نے

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پکارا ''لو...... شاید ڈیبی وقت سے پہلے ہی آ گئی''

میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور میرے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی ''رونی موجود ہے یہاں؟'' وہ اسپٹ کی آواز تھی۔

اضطراری طور پر مجھے وہاں سے بھاگنے کا خیال آیا لیکن وہاں فرنٹ ڈور کے سوا بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور فرنٹ ڈور پر اسپٹ موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بیچ کی دیوار سے کان لگا دیے اور نظریں عقبی کمرے کے دروازے پر جما دیں۔

''رونی؟ کون رونی؟'' بین کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

''ہمیں ٹالنے کی کوشش نہ کرو'' دوسری نسبتاً بھاری آواز نے کہا ''تم جانتے ہو کہ ہم فیلڈز کی داشتہ کی بات کر رہے ہیں''

''مگر میں کسی رونی کو نہیں جانتا۔ ہاں میری بہن ڈیبورا مسٹر فیلڈز کی سیکرٹری ہے۔ تم ایسا کرو، یہاں بیٹھ کر انتظار کر لو۔ وہ آنے ہی والی ہوگی'' بین نے لفظ داشتہ پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ بہت خوش جو تھا۔

بھاری قدموں کے اندر آنے کی آواز سنی تو میں نے دروازے کی جھری سے آنکھ لگا دی۔ اسپٹ اور کلکٹر اب فرنٹ روم کے وسط میں کھڑے تھے۔ پھر کلکٹر مضحکہ اُڑانے والے انداز میں ہنسنے لگا ''فیلڈز کی سیکرٹری...... ہاہاہا...... اس عہدے کا نام پہلی بار سن رہا ہوں میں''

بین کے چہرے پر اُلجھن کا تاثر اُبھرا ''اگر مسٹر فیلڈز کے کچھ کام ادھورے رہ گئے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ ڈیبی ان کی مدد کے لیے چند دن رُک بھی سکتی ہے۔''

کلکٹر نے غور سے اسے دیکھا ''کیوں؟ کیا وہ کام چھوڑ رہی ہے؟''

بین نے اثبات میں سر ہلایا ''کیا مسٹر فیلڈز نے تمہیں نہیں بتایا؟''

کلکٹر پھر ہنسنے لگا ''مسٹر فیلڈز یہ بات سنتے تو پاگل ہو جاتے کہ ان کی داشتہ انہیں چھوڑ رہی ہے۔''

اس بار اس مکروہ لفظ کی آگہی نے بین کے شعور کو چھو لیا ''کیا کہا تم نے؟'' اس

نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

"تم نے سن تو لیا، کوئی طوائف کتنے ہی اونچے درجے کی ہو، اس کی یہ اوقات نہیں ہوسکتی کہ وہ فیلڈز کو چھوڑ دے۔ ہاں فیلڈز اسے چھوڑ دے تو اور بات ہے۔"

بین کے حلق سے زخمی درندے کی سی آواز نکلی "تم میری بہن کے بارے میں ایسی بات نہیں کر سکتے۔" اس نے کہا اور کلکٹر پر جھپٹا۔

وہ میرے حیطہ نگاہ سے باہر ہو گیا تھا۔ میں نے ایک گھونسے کی، اور پھر بین کے گرنے کی آواز سنی۔ پھر بین زور زور سے چیخنے لگا "ڈیبی...... ڈیبی...... ڈیبی......تم یہاں نہ آنا" اس کے بعد متعدد طمانچوں کی آوازیں اور گالیاں سنائی دیں۔ مگر بین چلاتا رہا۔ میں نے زاویہ بدل کر جھری سے جھانکنے کی کوشش کی بالآخر وہ مجھے نظر آ گیا۔ کلکٹر نے بین کے سینے پر گھٹنا رکھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر تھپڑ برسا رہا تھا۔ "شٹ اپ کتے کے بچے......" وہ اسے گالیاں دے رہا تھا۔

لیکن بین چلائے جا رہا تھا۔ کلکٹر نے بڑی بے رحمی سے اس کا ہاتھ پیچھے کی طرف لے جا کر مروڑا "چپ ہو جا ننھے، ورنہ میں تیرا دوسرا ہاتھ بھی توڑ دوں گا۔" تکلیف سے بین کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ اس کی آواز بند ہو گئی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے کلکٹر کو دیکھتا رہا۔ میں نے پہلے کسی کو اتنا خوفزدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تم ایسا کرو کہ اسے عقبی کمرے میں لے جاؤ" میں نے اسپٹ کی آواز سنی "رونی نے اسے اس حال میں دیکھا تو چیخنا چلانا شروع کر دے گی۔"

کلکٹر نے سر ہلایا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اُٹھ جاؤ" اس نے پھنکار کر بین سے کہا۔

بین نے کوشش کی لیکن اس سے اُٹھا نہیں گیا۔ کلکٹر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ "میں خود سے نہیں اُٹھ سکتا" اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا "میری ایک ٹانگ بھی لکڑی کی ہے۔"

کلکٹر ہنسنے لگا۔ اس نے بین کا ہاتھ چھوڑا، جھکا اور اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے کھڑا کیا "تم تو دھرتی کا بوجھ ہو" اس نے کہا اور اسے سہارا دے کر اس دروازے کی

طرف لانے لگا، جس کے پیچھے میں کھڑا تھا۔

میں نے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دروازے کے قریب ہی لوہے کی ایک سلاخ پڑی تھی، جس کی مدد سے میں گرم راتوں میں اوپر والی چھوٹی کھڑکی کھولا کرتا تھا۔ میں نے وہ اُٹھائی اور دروازے کے پیچھے دبک گیا۔

دروازہ کھلا اور بین لڑکھڑاتا ہوا اندر آیا۔ کلکٹر اس کے پیچھے تھا۔ اس نے لات مار کر دروازہ بند کیا۔ پھر وہ پلٹ کر دیکھے بغیر بین کے پیچھے چل دیا۔ میں آگے بڑھا اور سلاخ سے اُس کے سر پر وار کیا۔ وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم کہاں ہو آخر؟" بین نے سرگوشی میں کہا۔

"میں یہاں تھا لیکن موقع کا انتظار کر رہا تھا" اب میں اسے کیسے بتاتا کہ میں ان لفنگوں کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔

اس نے اس پر غور بھی نہیں کیا۔ اسے تو اس وقت اپنی بہن کی فکر تھی "تم نے سنا، یہ ڈیبی کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

میں نے اُسے دیکھا۔ وہ اس وقت قلبی اذیت سے دوچار تھا۔ ڈیبورا اس کی چھوٹی بہن تھی۔ والدین کی موت کے بعد اس نے اسے باپ بن کر پالا تھا اور جب وہ معذور ہوا تو ڈیبورا نے اسے سہارا دیا۔ اب میں سمجھ سکتا تھا کہ وہ میری ہر وضاحت قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہے۔ البتہ اس وقت میرا سچ اس کے لیے ضرر رساں ہوگا۔ چاہے بعد میں کبھی حقیقت اس پر کھل جائے۔

میں نے نفی میں سر ہلایا "نہیں، یہ سچ نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میکسی فیلڈز ایک بدمعاش ہے۔ ڈیبورا کو اس بات کا پتا اس کی سیکرٹری بننے کے بعد چلا۔ مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی۔ تم تو جانتے ہو کہ پھر اس چکر سے نکلنا آسان نہیں ہوتا۔"

اس کی اذیت دور تو نہیں ہوئی، البتہ کم ہو گئی'' بے چاری ڈیبی'' وہ بڑبڑایا ''میری وجہ سے کتنی اذیتیں اُٹھائی ہیں اس نے'' پھر اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''تمہاری ڈیبی سے ملاقات کیسے ہوئی؟''

''میری اس لفنگے سے لڑائی ہوئی تھی۔ میں زخمی ہو گیا تھا۔ ڈیبی نے میری مدد کی اور مجھے بچا کر یہاں لے آئی۔'' میں نے کہا۔

وہ مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن پھر اسے جیسے یقین آ گیا۔ وہ پرسکون نظر آنے لگا ''اور وہ جو دوسرے کمرے میں موجود ہے......''

''ہم اسے سنبھال لیں گے۔'' میں نے کلکٹر پر جھکتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی جیکٹ کھولی اور کندھے کے ہولسٹر سے اس کی گن نکال لی لیکن میں بہت محتاط تھا۔ گن میرے لیے بالکل نئی چیز تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہو۔

بین گن کو گھور رہا تھا۔ ''اب میری سمجھ میں آیا۔ اسی لیے تو ڈیبی جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مجھے یہ معلوم ہو۔''

''ہاں بین، یہی بات ہے۔''

باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے بین کو بیڈ پر بیٹھنے کو کہا اور خود پھر دروازے کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔

مرکزی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر اسپٹ نے پرسکون لہجے میں کہا ''ہائی بیب! جیسے ہی میکسی نے الماری سے تمہارے کپڑے غائب دیکھے، ہمیں یہاں بھیج دیا...... تمہیں لانے کے لیے۔''

''بین! بین کہاں ہے'' ڈیبورا چلائی ''تم نے کیا کیا ہے اُس کے ساتھ؟''

''وہ خیریت سے ہے رونی۔ کلکٹر اسے پریشانی سے بچانے کے لیے عقبی کمرے میں لے گیا ہے۔''

میں نے آتے ہوئے قدموں کی چاپ سنی، پھر دروازہ کھلا اور ڈیبورا کمرے میں داخل ہوئی۔ ''بین...... بین! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس کا لہجہ ہذیانی تھا۔

بین مسکراتا ہوا اُٹھا۔ اسی لمحے اسپٹ بھی کمرے میں آ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر گن اس کی کمر سے لگا دی ''ہلنا مت اسپٹ۔ میں بہت نروس ہو رہا ہوں۔ گنوں کا مجھے بالکل تجربہ نہیں ہے۔''

''اسپٹ نے سر گھمانے کی بھی جرات نہیں کی ''ڈینی...... تم!!'' اور یہ سوال نہیں تھا۔

میں نے گن سے اسے ٹہوکا دیا ''دیوار سے ٹک کر کھڑے ہو جاؤ۔ ایسے کہ تمہاری ناک دیوار سے ٹکی ہو۔''

اس نے بڑے محتاط انداز میں بے ہوش کلکٹر کو پھلانگا ''تم نہیں سدھرے ڈینی۔ پہلے تم نے میکسی کی دولت پر ہاتھ صاف کیا، پھر اس کی لونڈیا پر۔''

میں نے گن کو پلٹایا اور اس کے سر پر دستہ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ میں نے اسے دھکا دیا اور وہ دیوار سے ٹکرایا۔ میں نے ریوالور اُس کے پشت سے لگاتے ہوئے اس کی جیب میں رکھی میان سے اس کا چاقو نکال لیا۔

''میکسی کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی ڈینی'' اسپٹ نے مجھے دھمکی دی ''ایک بار بچنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہر بار بچ جاؤ گے۔''

میں نے قہقہہ لگایا ''تم زندہ ہی نہ رہے تو تمہیں کیا پتا چلے گا''

ڈیبورا بین کے سینے سے لگ کر رو رہی تھی۔ بین اسے تسلی دے رہا تھا ''مت روؤ میری بہن! تمہیں اب اس کے لیے کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ڈیبورا کا رونا اچانک موقوف ہو گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا ''کیا اسے پتا چل گیا ڈینی؟ کیا ان لوگوں نے......''

''میں نے بین کو بتا دیا ہے کہ تم لاعلمی میں کیسے خراب آدمی کی سیکرٹری بن گئی تھیں'' میں نے جلدی سے کہا ''میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس کے کاروبار کے متعلق جاننے کے بعد تمہارے لیے جان چھڑانا ممکن نہیں رہا تھا۔''

''میں سب کچھ جان گیا ہوں ڈیبی'' بین نے کہا ''تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا

مجھے؟ ہم مل کر کوئی راستہ نکال لیتے ۔''

ڈیبورا اب مجھے تشکر آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی ۔ میں مسکرایا۔ وہ اپنے بھائی کی طرف پلٹی ۔''میں اس سے خوفزدہ تھی بین ۔ مجھ میں اتنی جرات نہیں تھی''

''اب تم فکر نہ کرو۔ ہم ان بدمعاشوں کو پولیس کے حوالے کر کے یہاں سے نکل چلیں گے۔''

وہ پھر خوف زدہ ہوگئی''ہم ایسا نہیں کر سکتے بین''

''ہاں۔ ورنہ پولیس والے تمہیں روک لیں گے۔ پھر تم نئے سرے سے زندگی شروع نہیں کر سکو گے۔'' میں نے کہا''تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارے جانے کے بعد میں انہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

''تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوگی؟''

''بالکل نہیں ۔بس تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ یہاں سے ۔''

دیوار کی طرف اسپٹ کی منمناتی ہوئی آواز اُبھری''میں بہت تکلیف میں ہوں ڈینی ۔ مجھے پلٹنے کی اجازت دے دو''

میں نے شیلف پر پڑا تار اُٹھاتے ہوئے کہا''ابھی ایک منٹ میں تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔'' پھر میں نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لا کر سختی سے باندھ دیے۔ پھر اسے پلٹایا''اب آرام سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔''

وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بین اپنا تمام سامان لے جا چکا تھا۔ بس ایک چھوٹا بیگ رہ گیا تھا۔ پھر بین آیا۔ اس بیگ کو اُٹھاتے ہوئے اس نے ہچکچاہٹ سے مجھے دیکھا''تم سب سنبھال سکو گے ڈینی''

''ہاں، تم اس کی فکر نہ کرو۔تم بس نکل لو یہاں سے ۔''

بین نے نرمی اور محبت سے میرے کندھے کو چھوا''خدا تمہیں خوش رکھے۔تم نے ہم پر بہت مہربانیاں کی ہیں ڈینی'' پھر وہ پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ اسی لمحے ڈیبورا کمرے میں داخل ہوئی اور میری طرف آئی ۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری آنکھوں میں

دیکھ رہی تھی''تم واقعی ہمارے ساتھ نہیں چلنا چاہتے ؟''

میں زبردستی مسکرایا''اب تو یہ ناممکن ہی ہے'' میں نے کہا''دیکھو نا، یہ مصروفیت بھی تو ہے نا میرے لیے۔''

وہ کوشش کے باوجود مسکرا نہیں سکی۔ وہ جانے کے لیے مڑی، مگر پھر فوراً ہی پلٹ کر میری باہوں میں آ گئی ۔ وہ رو رہی تھی ۔

''جاؤ ڈیبی! چلی جاؤ۔ تاکہ یہ سب پیچھے رہ جائے۔ تاکہ تمہیں پچھلی زندگی یاد دلانے کے لیے تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہے'' میں نے کہا۔

وہ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی، پھر میرے رُخسار پر پیار کر کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی''بائی ڈینی، اینڈ گڈ لک'' اور میرے جواب دینے سے پہلے ہی وہ جا چکی تھی ۔

میں اسپٹ کی طرف مڑا۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔''ہم نے تمہاری تلاش میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ بس یہیں کا خیال نہیں آیا۔ اب مجھے یاد آیا ہے کہ اس رات رونی بھی ایسٹ سائیڈ میں موجود نہیں تھی۔ ہمیں یہ اندازہ لگا لینا چاہیے تھا۔''

مجھے وہ کچھ بدلا بدلا سا لگا۔ اس تبدیلی کو سمجھنے میں مجھے کچھ دیر لگی اور وہ بڑی تبدیلی تھی۔ اب اس کے ساتھ رال اُڑانے والا مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں یہ تبدیلی سمجھ گیا ہوں۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں''میں تمہارا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا ڈینی۔ تم نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس رات تمہاری ٹھوکر نے میرا ہونٹ پھاڑ ڈالا تھا۔ ڈاکٹر کو پلاسٹک سرجری کرنی پڑی۔ اس میں میرا وہ پرانا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔''

میں مسکرایا''مجھے خوشی ہے کہ میری محنت تمہارے کسی کام آئی۔ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اچھا، اب ذرا پیٹ کے بل لیٹ جاؤ۔''

اُس نے ہچکچاتے ہوئے میرے حکم کی تعمیل کی ۔ میں نے تار سے اس کے دونوں ٹخنوں کو جوڑ کر باندھا۔ پھر اسی تار سے دونوں ہاتھوں کو کھینچ کر باندھا۔ اب وہ ایسی خمیدہ حالت میں تھا کہ چند گھنٹے اس حال میں رہنے کے بعد کئی دن تک وہ سیدھا نہیں

ہوسکتا تھا۔

پھر میں نے کلکٹر کے پپوٹوں کو چیک کیا۔ وہ بھی آسانی سے ہوش میں آنے والا نہیں تھا۔ میں نے اپنی گنی چنی چیزیں اپنے چھوٹے بیگ میں ڈالیں۔ اسپٹ اس تکلیف دہ پوزیشن میں بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''اس بار تم بچ نہیں سکو گے ڈینی'' اُس نے کہا۔

میں نے ریوالور نکالا اور اس کی طرف بڑھا۔ میرے تیور دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا
''یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ریوالور کو دیکھتا رہا۔ میں نے مسکرا کر ریوالور کو جیب میں رکھ لیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ میں نے اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا ''اگر تم اتنے عقلمند ہو اسپٹ، جتنا کہ میں تمہیں سمجھتا ہوں تو آئندہ کبھی میرے راستے میں نہیں آؤ گے۔ اب تم ہر بار تو خوش قسمت ثابت نہیں ہو سکتے اور یاد رکھو، ہونٹوں کا سوراخ تو ڈاکٹر بھر دیتے ہیں لیکن دماغ کا سوراخ دنیا کا کوئی ڈاکٹر نہیں بھر سکتا۔'' یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

.........☆☆.........

میں باہر نکلا تو بارش شروع ہو گئی۔ مجھے اچھا لگا۔ جو کچھ میں پیچھے چھوڑ آیا تھا، کاش بارش اسے دھو دے اور ممکن ہے، کبھی میں یہاں واپس آؤں، اور اس وقت حالات مختلف ہوں۔

میں عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اخبار کھول لیا۔ میں اس وقت جنوب کی طرف جانے والی بس میں تھا۔ بس نیو جرسی کے مضافات سے گزر رہی تھی کہ براڈوے سے متعلق کالم میں اس نیوز آئٹم پر میری نظر پڑی۔

مجھے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بار بار آنکھیں مل کر دیکھا، مگر وہ حقیقت تھی:

''تفریحی مقامات اور تفریح گاہوں کے سب سے بڑے ٹھیکیدار، معروف ہیٹ چیک کنگ اور سامی گورڈن کے نام سے لائٹ

ہیوی ویٹ کے سابق چیمپین سام واٹکن نے کل مریم (میمی) فشر سے شادی کر لی۔ واضح رہے کہ مریم فشر گلووز چیمپین ڈینی فشر کی بہن ہے۔ برمودا میں ہنی مون منانے کے بعد دولہا دلہن سینٹرل پارک ساؤتھ کے علاقے میں اپنے نئے پینٹ ہاؤس میں نئی زندگی کا آغاز کریں گے، جسے سام واٹکن نے خاص طور پر اپنی دلہن کے لیے بڑی محبت سے آراستہ کرایا ہے۔''

غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ بس رکوانے والی گھنٹی کے بٹن کی طرف لپکا۔ ایک لمحے کو میری اُنگلی بٹن پر جمی رہی..... لیکن بغیر دباؤ ڈالے۔ پھر میں نے اپنے ہاتھ کو واپس کھینچ لیا۔ واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

میں نے اس خبر کو دوبارہ پڑھا۔ تنہائی کے احساس نے مجھے نڈھال کر ڈالا۔ میمی اور سام! یہ کیسے ہو گیا؟ وہ کیسے ملے؟ اور میمی جو اپنے دفتر میں کام کرنے والے اس لڑکے کے لیے پاگل ہو رہی تھی، اس لڑکے کا کیا بنا؟

میں نے آنکھیں موند لیں۔ کیا فرق پڑتا تھا؟ اب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کم از کم مجھ پر نہیں۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق تھا تو میں ان کی زندگی سے نکل چکا تھا۔ ان کے لیے میرا وجود اور عدم برابر تھا۔

بارش بس کی کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا ٹکرا کر میرے ذہن کی طرح دھندلاتی رہی۔ میں اُونگھنے لگا۔ میمی اور سام کی تصویریں میری آنکھوں میں چمکتی رہیں لیکن وہ الگ الگ تصویریں تھیں، ایک ساتھ نہیں۔ جب ایک پوری طرح فوکس میں آتی تو دوسری معدوم ہو جاتی۔

میں انہیں باہمی خوشیوں کی دعا بھی نہیں دے سکا!

.........☆☆.........

"میری غیر موجودگی میں......"

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اپنے آنسوؤں پر اس کا بس نہیں تھا۔ ہاتھ میں موجود رومال اس کے منہ پر رکھا تھا تاکہ سسکیوں کا گلا گھونٹ سکے۔

پاپا نروس ہونے لگے۔ "یہ آخر کس بات پر رو رہی ہے؟" انہوں نے ماما سے کہا۔
"آج اس کی شادی ہے۔ یہ کوئی رونے کا موقع ہے بھلا؟"

ماما نے سخت بدمزگی سے انہیں دیکھا اور ان کا ہاتھ تھام کر کمرے کے باہر دھکیلا "جاؤ، تم مہمانوں کی فکر کرو" ان کے لہجے میں قطعیت تھی "یہاں کے معاملات تمہارے سمجھنے کے نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ذرا دیر میں۔"

پاپا احتجاج کرتے رہے لیکن ماما نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ اس کے پاس چلی آئیں۔ ان کے چہرے پر تفہیم تھی۔ وہ خاموشی سے طوفان کے گزرنے کا انتظار کرتی رہیں اور انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بالآخر میمی کے آنسو تھم گئے۔ اب وہ نروس انداز میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے رومال کو مسل رہی تھی۔

"تم اس سے محبت نہیں کرتیں" ماما نے پرسکون لہجے میں کہا۔

میمی نے جھٹکے سے سر اُٹھایا اور ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ مگر اگلے ہی لمحے دوبارہ نظر جھکا لی "میں اس سے محبت کرتی ہوں" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"اگر تم اُس سے محبت نہیں کرتیں تو یہ شادی نہ کرو" ماما نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اس بار میمی نے پلکیں جھپکائے بغیر ان کی آنکھوں میں دیکھا "اب میں ٹھیک ہوں ماما" اس نے غیر جذباتی لہجے میں کہا "میں خواہ مخواہ بچپنا کر رہی تھی۔"

ماما کے چہرے پر اب بھی سنگینی تھی "شاید تم سمجھ رہی ہو کہ شادی کر کے تم بڑی ہو جاؤ گی۔ مت بھولو کہ تمہارے شادی کے لائسنس پر دستخط مجھے کرنے ہیں۔ اجازت دینے

والی میں ہی ہوں۔"

میمی نے پلٹ کر آئینے میں خود کو دیکھا۔ پھر وہ اُٹھی اور کونے میں لگے واش بیسن کی طرف چل دی۔

ماما نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکا "یہ پوری زندگی کا معاملہ ہے مریم" انہوں نے کہا "تمہیں اس کے ساتھ عمر گزارنی ہے۔ اگر......"

"ماما! ایسی باتیں نہ کریں" میمی نے ہذیانی لہجے میں کہا "اب بہت دیر ہو چکی"

"ہرگز نہیں۔ ابھی وقت ہے۔ تم ارادہ بدل سکتی ہو۔"

میمی نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے سے استقلال جھلکنے لگا "نہیں ماما بہت دیر ہو گئی۔ دیر تو اسی وقت ہو گئی تھی، جب میں پہلی بار اس کے پاس یہ پوچھنے گئی تھی کہ ڈینی کہاں گیا۔ اب میں کیا کر سکتی ہوں ماما؟ ڈینی کی تلاش میں جو کچھ اس نے خرچ کیا، وہ اسے لوٹا سکتی ہوں میں؟ اسٹور خریدنے اور جمانے کے لیے جو اس نے پاپا کو پانچ ہزار ڈالر قرض دیے، وہ چکا سکتی ہوں میں؟ اس نے جو میرے لیے انگوٹھی خریدی، ملبوسات خریدے، وہ لوٹا دوں اسے؟ اور اس سے کہوں کہ سوری، میں خود کو سمجھ نہیں پائی۔ یہ شادی مناسب نہیں ہے؟"

ماما کی آنکھوں کا دکھ اور گہرا ہو گیا "ہاں، عمر بھر ناخوش رہنے سے یہ بہتر ہے۔ تم مجھے اور اپنے پاپا کو اپنے ساتھ وہ کچھ نہ کرنے دو، جو ہم ڈینی کے ساتھ کر چکے ہیں۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اُن کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ خود کو بلاوجہ الزام نہ دیں" میمی نے چمک کر کہا "یہ سب پاپا کا کیا دھرا ہے"

"نہیں میمی! میں انہیں روک سکتی تھی۔ مجھے روکنا چاہیے تھا" ماما نے کہا "اسی لیے میں اس وقت تم سے بات کر رہی ہوں۔ میں غلطی دہرانا نہیں چاہتی۔"

میمی کے چہرے پر استقلال تھا "نہیں ماما! یہ الگ بات ہے۔ سام مجھ سے محبت کرتا ہے۔ بے شک میں اس سے اتنی محبت نہیں کرتی، جتنی وہ مجھ سے کرتا ہے لیکن وقت

کے ساتھ ساتھ میں بھی اس سے اتنی ہی محبت کرنے لگوں گی۔ وہ بہت اچھا، کشادہ دل اور مہربان ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ماما'' ماما سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کو تکتی رہیں۔

میمی نے اچانک جھک کر ماما کی پیشانی چوم لی۔ ''آپ پریشان نہ ہوں ماما'' وہ بولی ''میں جانتی ہوں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور میں یہی چاہتی ہوں''

.... ☆☆ ....

وہ خوف زدہ سی بیڈ پر بیٹھی تھی۔ آنے والے لمحوں کے تصور سے اس کے اعصاب کھنچ رہے تھے۔ باتھ روم کی طرف سے سام کے دانت برش کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر بہتے ہوئے پانی کی آواز رُک گئی۔ لائٹ کے سوئچ کی کلک سنائی دی تو وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ پھر بستر سام کے بوجھ سے دبا۔ اس کے جسم کا تناؤ بڑھ گیا اور اسے سردی کا احساس ہونے لگا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر سام نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔ اس نے سختی سے دانت پر دانت جما دیے۔ اسی لمحے اس نے سام کی سرگوشی سنی ''میں تم سے محبت کرتا ہوں بے بی۔''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں ''کیا سچ مچ سام؟ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا، اُس کے بعد بھی......؟''

''ہاں بی بی اور تم نے کیا ہی کیا ہے'' وہ سرگوشی میں بولا۔

اس کے جسم کا تناؤ دور ہو گیا ''شکریہ سام'' اس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن قربت کے لمحوں میں اسے جارج کا خیال آتا رہا۔ وہ اس سے لڑتی رہی۔ اسے اپنی سوچوں سے دور دھکیلنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ خود کو یاد دلاتی رہی کہ یہ تو سام کے ساتھ زیادتی ہے۔ جو کچھ ہوا، اس میں سام کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ سب کچھ سام کی وجہ سے تو نہیں ہوا تھا۔ غلطی تو اس کی اپنی تھی۔ اس نے خود یہی چاہا تھا۔ جب وہ پہلی بار نیلی کے ساتھ سام کے پاس گئی تھی، تبھی سے اس نے یہی چاہا تھا۔

طوفان گزر گیا!

اس کے پہلو میں لیٹے ہوئے سام نے نرمی سے اُس کے رخسار کو چھوا ''تم ٹھیک تو ہو نا بی؟''

میمی نے اس کے سینے میں چہرہ چھپا لیا ''ہاں، ٹھیک بھی اور خوش بھی'' اس نے کہا لیکن اپنے دل میں وہ جانتی تھی کہ یہ جھوٹ ہے اور اب وہ ساری زندگی اس سے یہ جھوٹ بولتی رہے گی۔ وہ ہمیشہ خوف زدہ رہے گی۔ قربت کے نازک لمحوں میں اس کی نگاہوں میں سام کا نہیں، جارج کا چہرہ تھا ''اے خدا'' اس نے خاموشی سے دل میں دعا کی ''کیا ساری عمر میرے ساتھ یہی ہوتا رہے گا؟ کیا میں ہمیشہ یونہی خوفزدہ رہوں گی؟''

جوابی آواز اس کے ذہن میں اُبھری...... بھاری مردانہ آواز! میرے ساتھ دہراؤ میری بچی۔ میں مریم، اپنے وجود کی سچائی کے ساتھ، سیموئیل کو اپنے شوہر کی حیثیت میں قبول کرتی ہوں۔ میں عہد کرتی ہوں کہ غربت میں، پریشانی میں، بیماری میں ہر طرح اس کی شریک ہوں گی۔ میری محبت، میری آبرو اس کی امانت ہے۔ میں مرتے دم تک یہ ساتھ نبھاؤں گی۔

وہ سو چکا تھا۔ میمی نے تاریکی میں اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہاں خوشی تھی۔ اس نے سوچا، یہ بھی غنیمت ہے۔ پھر وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چپکے چپکے رو رہی تھی۔

وہ...... وہ تو مجھے ڈھونڈنے نکلی تھی اور اب وہ پوری زندگی ہر دن اور ہر رات اس کے ساتھ گزارے گی لیکن وہ کبھی نہیں جان سکے گا کہ میمی اس کے پاس ہے، اس کی دسترس میں ہے لیکن اس کی نہیں ہے۔

.... ☆☆ ....

دن زندگی کے

بارش یوں برس رہی تھی جیسے کبھی نہیں رُکے گی۔ خیمے کی بھیگی ہوئی کینوس کی دیواریں تیز ہوا سے اندر کی طرف پچک رہی تھیں۔ میں نے سگریٹ کو ایک طرف پھینکتے ہوئے سوچا کہ بھیگی ہوئی سگریٹ کو دیکھنا بھی کتنی کوفت کا باعث ہوتا ہے۔

مجھے یہاں رہتے ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔ یہاں موسم بہت سخت تھے اور کینوس کے خیمے ان کی سختی کو اور بڑھا دیتے تھے۔ گرمی ہوتی تو خیمے کے اندر یہ احساس ہوتا کہ یہ جہنم کا کوئی خاص الخاص گوشہ ہے، جہاں تپش نہ جینے دیتی ہے اور نہ مرنے دیتی ہے اور سردراتوں میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہڈیوں کے اندر موجود گودا جما جارہا ہے۔

گھر سے دور، گھر سے بے خبری کے وہ دو سال! میں نہیں جانتا تھا کہ نیلی کا کیا حال ہے۔ ماما اور پاپا کیسے ہیں، اور میمی اور سام۔ یہ نام بہت اذیت جگاتے تھے۔ تنہائی کا احساس ستانے لگتا تھا۔

خیمے کے ساتھ سفر کرتے کرتے اب میں تقریباً گھر پہنچ چکا تھا۔ ہاں، گھر نہیں، تقریباً گھر۔ میں فلاڈلفیا میں تھا۔ گھر سے ۷۰ منٹ کی مسافت پر۔ سوچتا تو بہت آسان لگتا۔

لیکن سوچنے اور عمل کرنے میں بہت فرق ہے۔ سوچنا آسان ہوتا ہے اور عمل کرنا مشکل۔ جو کچھ پیچھے ہو چکا تھا، وہ سب یاد آتا تھا اور میں پھر مشتعل ہو جاتا تھا۔ اپنی جلاوطنی پر مجھے غصہ آتا تھا اور میں ڈرتا بھی تھا کہ واپس جاؤں گا تو نجانے کیا کچھ ہوگا۔

اس کے باوجود میں گھر واپس جانا چاہتا تھا۔ آج سے نہیں، ہمیشہ سے۔ میں کچھ رشتوں کی ڈور سے بندھا تھا، چاہے وہ مجھے قبول نہ کریں۔ وہ رشتے، جنہیں میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ بس میرے جذبات ان کی تشریح کر سکتے تھے۔ آج میں ان سے ستر منٹ کے فاصلے پر تھا لیکن کل جب یہ خیمے جنوب کی طرف سفر شروع کریں گے تو پرسوں میں گھر سے ۶ گھنٹے دور ہوں گا، اور ایک ہفتہ بعد وہ مسافت ۲۴ گھنٹے کی ہوگی اور

ایک ماہ بعد وہ کئی دن پر محیط سفر ہوگا، جو میں کبھی نہ کرسکوں گا۔

میں نے سر اُٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ بارش چہرے کو تھپڑا رہی تھی۔ یہ بارش نہیں تھمے گی۔ دوسری سگریٹ بھی بھیگ کر مکروہ ہوگئی تھی۔ میں نے اسے پیروں کے پاس پانی کے چھوٹے سے تال میں پھینک دیا۔ پانی سے اپنی آگ کو بچانے کی کوشش میں وہ غصے سے پھنکاری۔ شاید میں بھی اس سگریٹ جیسا ہی ہوں...... اپنی زندگی کے لیے لڑتا ہوا۔

میرے اندر ایک پکاری اُبھری۔ ایک مسلسل پکار۔ مجھے گھر جانا ہے، ہر حال میں، ہر صورت میں، چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے نیلی سے ملنا ہے اور ماما اور میمی سے بھی اور پاپا سے بھی، چاہے وہ نہ ملنا چاہیں مجھ سے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے قبول نہیں کیا جائے گا۔ میں وہاں نہیں رہ سکوں گا۔ چاہے مجھے واپس یہیں آنا پڑے۔ چاہے مجھے کل ہی واپس آنا پڑے۔ میں تنہائی سے عاجز آچکا ہوں۔

☆☆

میں پہنچا تو وہاں بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ڈیلانسی سٹریٹ ہمیشہ کی طرح پرہجوم تھی۔ وہاں بارش کی پروا کسی کو نہیں تھی۔ وہ اور جاتے بھی کہاں۔ ڈیلانسی اسٹریٹ پر چہل قدمی کے سوا وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ ڈیلانسی اسٹریٹ پر گھومنا پھرنا، ونڈو شاپنگ کرنا، یہ سوچنا کہ میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو کیا خریدتا اور اتنی رقم ہوتی تو کیا خریدتا، یہی ایک تفریح تھی۔

میں نے سگریٹ جلایا اور سڑک پار کرنے کے لیے سگنل کی روشنی تبدیل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ دکان کی ونڈوز اب بھی ویسی ہی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ کبھی تبدیل نہیں ہوں گی۔ سب کچھ وہی تھا۔ میں بدل گیا تھا۔ مگر اور کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔

سڑک پار کر کے میں 'فائیو اینڈ ٹین' کی طرف چلنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ نیلی اب بھی وہیں کام کرتی ہوگی۔ اس یقین کی وجہ میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔ پیراماؤنٹ کی ونڈو کے کلاک میں، میں نے وقت دیکھا۔ نو بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ میں نے سوچا، پانچ منٹ بعد اسٹور بند ہوگا اور وہ باہر آئے گی۔ اس خیال نے کچھ اور سوچوں کے دریچے کھول

دیے۔ کیا وہ بھی بدل گئی ہوگی میری طرح؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مجھے بھول گئی ہو۔ ممکن ہے، کسی اور سے اس کی دوستی ہوگئی ہو لیکن مجھ سے اس کی دوستی تو نہیں تھی۔ مجھ سے تو وہ محبت کرتی تھی۔ کون جانے...... ایک نوجوان لڑکی کی زندگی میں دو سال کا عرصہ بہت بڑا ہوتا ہے۔

اسٹور کے دروازے پر میں رکا اور اندر جھانکنے لگا۔ اسٹور میں زیادہ لوگ نہیں تھے لیکن نروس ہونے کی وجہ سے مجھ میں وہ چوکھٹ پار کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ کیا پتا، وہ مجھ سے ملنا ہی نہ چاہے۔ میں ایک لمحہ وہاں کھڑا ہچکچاتا رہا۔ پھر کارنر کی طرف چلا گیا۔

میں وہاں اسٹریٹ لائٹ کے نیچے کھڑا تھا۔ اسی اسٹریٹ لائٹ کے نیچے، جہاں کھڑے ہو کر میں ہمیشہ اُس کا انتظار کرتا تھا۔ میں نے لیمپ پوسٹ سے ٹیک لگا لی اور سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک فائیو اینڈ ٹین کی ونڈو کی روشنی گل ہوئی اور میں سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ سگریٹ کو میں نے نیچے پانی میں پھینک دیا۔ اب بس چند منٹ کی بات ہے...... بس چند منٹ۔ میری کنپٹی میں کوئی نس پھڑکنے لگی۔ حلق خشک ہونے لگا۔

کام کرنے والی لڑکیوں کی ایک ٹولی اسٹور سے نکلی اور میرے سامنے سے گزری۔ مگر وہ ان میں نہیں تھی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ کچھ اور لڑکیاں باہر آ رہی تھیں لیکن وہ ان میں بھی نہیں تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا، نو بج کر پانچ منٹ۔ اب وہ آتی ہی ہوگی۔

میں نے اپنے چہرے کو رومال سے پونچھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ اس کے باوجود مجھے پسینہ آ رہا تھا۔ رومال جیب میں ٹھونس کر میں پھر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لڑکیاں اب بھی باہر آ رہی تھیں۔ میری نگاہیں ایک ایک کو ٹٹول رہی تھیں۔ ہر ناکامی پر اُمید کے جام میں سے ایک قطرہ ٹپک جاتا تھا۔ اب باہر آنے والی لڑکیاں بھی کم ہی تھیں...... اِکا دُکا۔ وہ باہر آتیں، سر اُٹھا کر آسمان کو دیکھتیں اور پھر اپنی راہ لیتیں۔

میں نے پھر گھڑی میں وقت دیکھا۔ اب نو بیس ہو چکے تھے۔ مایوسی میرے وجود

میں سرایت کر رہی تھی۔ میں واپس جانے کے لیے پلٹا۔ میں پاگل تھا کہ سوچا، دو سال سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میرے قدم رُک گئے۔ میں نے سوچا، آنے کے بعد اس طرح لوٹ جانا بھی پاگل پن ہے۔ جب تک اسٹور خالی نہیں ہو جاتا، بند نہیں ہو جاتا، مجھے اس کا انتظار کرنا ہوگا۔

اندر اسٹور میں کچھ اور روشنیاں گل ہوگئیں۔ اب چند منٹ بعد منیجر باہر آئے گا اور اسٹور بند ہو جائے گا۔ میں نے پھر سگریٹ جلا لی۔ دیا سلائی کو ہوا سے بچانے کے لیے میں نے رُخ بدلا۔ اسی لمحے نسوانی آوازیں سنائی دیں۔ ان میں سے ایک آواز سن کر میں بت بن گیا۔ میری سانسیں رُکنے لگیں۔ وہ تو اسی کی آواز تھی۔

''شب بخیر لولی'' اس نے کسی سے کہا تھا۔

میں نے پلٹ کر اُسے دیکھا...... اور دیکھتا رہا۔ اس نے جس لڑکی کو شب بخیر کہا تھا، وہ مخالف سمت میں جا رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ بالکل نہیں بدلی تھی۔ وہی ہونٹ، وہی رخسار، وہی آنکھیں، وہی گلابی جلد۔

میں ایک قدم اس کی طرف بڑھا، مگر فوراً ہی رُک گیا۔ آگے بڑھنا، کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

نیلی اب اپنے لیے چھتری کھول رہی تھی۔ چھتری کو اپنے سر کی طرف لے جاتے ہوئے اُس کی نگاہ اُوپر اُٹھی...... اور مجھ پر پڑی۔ وہ ساکت ہو گئی۔ اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ وہ ایک قدم میری طرف بڑھی، پھر رُک گئی۔ ''ڈینی......؟'' اس کے لہجے میں بھی بے یقینی تھی۔

میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ میرے ہونٹ بے آواز ہل رہے ہیں۔ سگریٹ میرے ہونٹوں سے گری۔ اس کی چنگاریاں میرے کپڑوں کو چھوتی ہوئی جل بجھیں۔

''ڈینی...... ڈینی'' اس بار وہ چلائی اور میری طرف لپکی۔ چھتری نیچے گر گئی لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ میری باہوں میں تھی اور بے تابانہ میرے چہرے

کو چوم رہی تھی۔ اس کے آنسو میرے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اس کا جسم سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

میری آنکھوں میں دھندسی چھانے لگی، اور وہ بارش کی وجہ سے نہیں تھی۔ میں نے ایک پل اسے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں ''نیلی!'' میں نے زیرلب کہا۔

جدائی کے دو برس آنسوؤں نے دھو ڈالے۔ جیسے بیچ میں کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اہمیت بس اس بات کی تھی کہ اب ہم یکجا تھے۔

''ڈینی...... ڈینی......'' اس کی نگاہیں میرے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں ''تم نے ایسا کیوں کیا ڈینی؟ ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ خبر نہیں لی؟''

میں احمقوں کی طرح اسے دیکھتا رہا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ تو میری سمجھ میں اب آیا کہ میں نے کیا کیا تھا۔ ذرا سنبھلا تو میں نے کہا'' میں بے بس تھا بے بی۔ میں مجبور تھا''

وہ رو رہی تھی۔ اس کی سسکیاں مجھے ہلا رہی تھیں'' ہم نے تمہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی ڈینی۔ بہت کوشش کی لیکن لگتا تھا کہ ظالم دنیا نے تمہیں نگل لیا ہے۔ میرا تو جی چاہتا تھا کہ مر جاؤں۔ حیران ہوں کہ میں مر کیوں نہیں گئی۔''

اس کی خوشبو کے سوا مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے اسے لپٹا لیا۔ برسوں کے بعد مجھے ایسا سکون ملا تھا۔

''میں دوبارہ یہ سب کچھ نہیں سہہ سکوں گی ڈینی'' اس نے میرے سینے میں منہ چھپائے چھپائے کہا۔

تب میرے لیے سب کچھ آسان ہو گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ کیا ہونا چاہیے'' اب اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ اب ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے''

اس نے بچوں کی سی معصومیت سے مجھے دیکھا'' سچ کہہ رہے ہو ڈینی؟''

اس روز وہ پہلا موقع تھا کہ میں مسکرایا'' بالکل سچ نیلی'' میں نے کہا'' تم سمجھتی ہو کہ میں واپس جانے کے لیے آیا ہوں۔ نہیں نیلی، اب کچھ بھی ہو، ہم ساتھ رہیں گے۔ جو

کچھ بھی کریں، مل کر کریں گے۔''

☆☆

وہ وہی چائنیز ریسٹورنٹ تھا، جہاں ہم پہلی بار گئے تھے۔ وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ نیلی نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا'' تمہیں اب بھی یاد ہے؟''

میں مسکرایا'' بھولا ہی کب تھا۔''

اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا'' میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟ پتا ہے میں اکثر سو کر اُٹھتی تھی تو میری آنکھیں سرخ ہوتی تھیں اور میری بہن کہتی تھی کہ میں خواب میں روتی رہی ہوں۔''

میں نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا'' دیکھو۔ یہ خواب نہیں ہے۔''

''اگر میں خواب دیکھ رہی ہوں تو میں جاگنا نہیں چاہتی'' اس نے خواب ناک لہجے میں کہا'' میں چاہتی ہوں کہ میں سوتی رہوں اور یہ خواب دیکھتی رہوں۔''

''تم جاگ رہی ہو نیلی؟''

اس نے اور مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام لیا'' میں تم سے محبت کرتی ہوں ڈینی۔ اُس لمحے سے جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ تمہارے بعد کوئی بھایا نہیں۔ میں کسی کے ساتھ بھی نہیں گئی۔ تم کیا گئے، دل ہی اُجڑ گیا۔''

مجھے احساسِ جرم ستانے لگا۔ میں اس سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔

''سچ کہہ رہی ہوں ڈینی۔ ماما نے بہت کہا کہ کیا یونہی بیٹھی رہوں گی۔ مگر مجھے یقین تھا کہ تم واپس آؤ گے۔ میں ابتدا ہی سے یہ بات جانتی تھی۔ پھر میکسی فیلڈز کے ہاں کام کرنے والی اُس لڑکی نے آ کر تمہارے بارے میں بتایا تو میرے یقین کی تصدیق ہو گئی۔''

میں بری طرح چونکا'' کس لڑکی کی بات کر رہی ہو تم؟''

''مس ڈورف مین۔ تمہیں وہ یاد نہیں؟ بہر حال وہ اپنے بھائی کے ساتھ لیبرڈے کے چند روز بعد اسٹور میں آئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ تم ان سے ملے تھے اور تم خیریت

سے ہو اور تم نے میرے لیے پیار بھجوایا ہے۔ اس نے بتایا کہ تمہیں فیلڈز کی طرف سے پریشانی ہے۔ معاملات ٹھیک ہوتے ہی تم واپس آ جاؤ گے۔''

مجھے ڈیبورا پر پیار آ گیا۔ وہ بہت اچھی تھی۔ دنیا میں ایسے فیئر لوگ بھی ہوتے ہیں، جو اپنی محبت کو محبوب کے پاؤں کی زنجیر نہیں بناتے۔ بلکہ اُس کی خوشی کی فکر کرتے ہیں۔ اگر ڈیبورا نے مجھ پر یہ احسان نہ کیا ہوتا تو شاید نیلی اس وقت یہاں نہ ہوتی۔

وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی ''وہ کہتے ہیں کہ تم نے اس رات کی فائٹ ہارنے کے بدلے فیلڈز سے رقم لی تھی۔ کیا یہ سچ ہے ڈینی؟''

میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ایک بات اس سے بھی زیادہ اہم تھی ''وہ کون؟''

''میمی تمہیں ڈھونڈتے ہوئے میرے پاس آئی تھی۔ یہ تمہارے غائب ہونے کے ایک ہفتہ بعد کی بات ہے۔ تو میں اور زیپ اسے مسٹر واٹکن کے پاس لے گئے۔ مسٹر واٹکن کو فیلڈز نے یہ بات بتائی'' وہ اب بھی مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی ''کیا یہ سچ ہے ڈینی؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے زخمی نگاہوں سے مجھے دیکھا ''تم نے ایسا کیوں کیا ڈینی؟ اور مجھے بتایا کیوں نہیں؟''

''میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا'' میں نے دھیمی آواز میں کہا ''مجھے رقم کی ضرورت بھی تھی تاکہ پاپا وہ اسٹور خرید سکیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ فیلڈز کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے نقصان پہنچا کر مجھے فائٹ کے قابل ہی نہ چھوڑتا اور میں نے فائٹ ہارنے کی کوشش بھی کی لیکن میرا حریف نہایت نااہل تھا۔ اسے جیتنا آتا ہی نہیں تھا''

''لیکن میمی نے بتایا کہ اس رات تمہارے والد نے تمہیں گھر میں گھسنے ہی نہیں دیا'' وہ بولی ''تو تم میرے گھر کیوں نہیں آ گئے۔ تم نے مجھے یہ سب کیوں نہیں بتایا؟''

''مجھے تو یہاں سے بھاگنا تھا۔ فیلڈز میری جان کے درپے تھا۔''

اس نے آنکھیں بند کر لیں ''یہ سب کتنا خوفناک ہے۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا اس پر۔ دو سال گزر گئے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تم پر کیا گزری۔ کیسے کیسے وسوسے ہمیں ستاتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کی بات پر یقین کریں......''

اس کے دکھ اور لہجے کی شکستگی نے مجھے دہلا دیا ''بہتر ہوتا کہ میں واپس ہی نہ آتا'' میں نے دل گرفتگی سے کہا ''میں نہ آتا تو تم بالآخر مجھے بھول جاتیں اور سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔''

''ایسا مت کہو ڈینی'' اس نے سخت لہجے میں کہا ''آئندہ بھی کبھی ایسی بات نہ کہنا۔ مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ جو ہوا، اس کی بھی اور جو ہونا ہے، اس کی بھی۔ بشرطے کہ تم میرے پاس ہو۔ اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' میرے ہاتھ پر اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔

ویٹر نے ہمارا آرڈر سرو کیا۔ ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔

''تم بہت دبلے ہو گئے ہو'' اچانک اس نے کہا۔

''نہیں۔ ان دو برسوں میں میرا وزن دس پونڈ بڑھا ہے۔''

وہ مجھے پرخیال نظروں سے دیکھ رہی تھی ''ممکن ہے لیکن بہرحال تم دبلے لگ رہے ہو۔ پہلے تمہارا چہرہ گول تھا...... اس پر لڑکپن تھا۔''

''شاید یوں ہے کہ اب میں لڑکا نہیں رہا''

''ہاں، یہی بات ہے۔'' اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ہاں ہاں...... جب تم گئے تھے تو لڑکے تھے۔ اب تم بڑے ہو گئے ہو۔''

''تو یہ تو ہونا ہی تھا۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ تم بھی بڑی ہو گئی ہو۔''

اس نے اُنگلی سے میرے چہرے کو نرمی سے چھوا ''ہاں، تم بدل گئے ہو۔ یہ بتاؤ، تمہارے گھر والوں نے تمہیں دیکھا تو کیا کہا؟''

''میں ان سے ملا ہی نہیں''

''نہیں ملے؟'' اس نے حیرت سے کہا ''کیوں ڈینی؟''

''پتا نہیں۔شاید میں ان سے ملنا نہیں چاہتا'' میں نے بے تاثر لہجے میں کہا ''اور شاید وہ بھی مجھ سے ملنا نہ چاہیں...... اتنا کچھ ہونے کے بعد...... مجھ پر ضرورت کے وقت گھر کے دروازے بند کرنے کے بعد۔''

اُس نے پھر میرا ہاتھ تھام لیا ''کچھ معاملات میں تم اب بھی چھوٹے سے بچے ہو'' اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا ''میرا خیال ہے، وہ تم سے ملنا چاہیں گے۔''

''سچ مچ تم ایسا سمجھتی ہو'' میں نے تلخی سے کہا۔لیکن مجھے خوشی تھی کہ اس نے یہ بات کہی۔

''میں میمی اور تمہاری ماں کے بارے میں یقین سے یہ بات کہہ رہی ہوں'' اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں اور میمی تمہارے سلسلے میں مسٹر واٹکن سے ملے تھے۔ پھر ان کی شادی ہوگئی۔میمی کا ایک بیٹا ہے۔''

مزید حیرتیں ''شادی کا تو مجھے علم ہے'' میں نے کہا ''لیکن بیٹے کا نہیں۔ یہ کب کی بات ہے؟''

''پچھلے سال کی اور اب وہ پھر ماں بننے والی ہے۔''

''تم اس کے متعلق اتنا کچھ کیسے جانتی ہو؟'' میرے لہجے میں تجسس تھا۔

''ہر مہینے فون پر ہمارے درمیان بات ہوتی ہے۔اس اُمید پر کہ شاید تمہاری کوئی خبر ملی ہو۔''

مجھے خوشی ہوئی۔اس کا مطلب تھا کہ میمی مجھے مس کرتی تھی'' میں نے میمی کی شادی کی خبر پڑھی تو مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا'' میں نے کہا

''مسٹر واٹکن میمی کے لیے بہت اچھے ہیں'' نیلی نے جلدی سے کہا ''انہوں نے تمہارے والدین کے لیے بھی بہت کچھ کیا۔تمہارے پاپا کو کاروبار میں مدد دی۔''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ مجھے سب سے زیادہ اسی بات کی فکر تھی۔ پچھلے چند برسوں میں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ پاپا کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہونے، چلنے والے نہیں ہیں۔ اچھا ہے، انہیں سام کا سہارا مل گیا۔اب یہ پتا نہیں کہ سام میرے بارے

میں کس انداز میں سوچتا تھا۔کیا وہ مجھ سے خفا ہوگا؟ یقیناً ہوگا......اور اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔وہ حق بہ جانب تھا۔

''تم ان سے ملنے جاؤ گے؟'' نیلی نے مجھے چونکا دیا۔

''نہیں'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ڈینی! یہ ضروری ہے۔وہ تمہاری فیملی ہے''

''پاپا کے نزدیک میں گندا انڈا ہوں'' میں نے بے رحمی سے کہا ''اور تمہیں وہ کیا سمجھتے ہیں، یہ بھی مجھے معلوم ہے''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بولی ''میں جانتی ہوں کہ وہ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے لیکن پھر بھی تمہیں جانا چاہیے۔''

''میں نہیں جاؤں گا'' میں نے سختی سے کہا ''میں تمہارے لیے آیا ہوں، ان کے لیے نہیں۔''

..........☆☆..........

ہم اسی ڈوروے میں ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے۔دو برس پہلے کی طرح۔ اچانک وہ رونے لگی۔ میں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا ''کیا بات ہے بنی؟''

''میں بہت خوفزدہ ہوں ڈینی۔ میں نہیں چاہتی کہ اب تم مجھے چھوڑ کر جاؤ۔اس بار گئے تو تم کبھی واپس نہیں آؤ گے۔''

''میں جاؤں گا ہی نہیں۔میں تمہیں گڈ نائٹ کہہ رہا ہوں، گڈ بائی نہیں۔''

''نہیں ڈینی، نہیں۔ میں نے تمہیں جانے دیا تو تم کبھی نہیں آؤ گے۔'' وہ بچوں کی طرح بلکنے لگی۔

''مت روؤ نیلی......پلیز''

اس کے لہجے کا خوف اور بڑھ گیا ''تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ ڈینی۔ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

"میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا نیلی" میں اسے تھپکتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی سسکیاں تھم گئیں۔

وہ میرے سینے میں منہ چھپائے کچھ بول رہی تھی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ سننے کے لیے مجھے کان لگانے پڑے "کاش کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں ہم جاسکتے، کوئی جگہ، جہاں ہم ساتھ رہ سکتے۔ وہاں میں بیٹھ کر تمہیں دیکھتی رہتی اور کہتی میرا ڈینی واپس آ گیا ہے۔"

اس نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا "میں آج رات گھر نہیں جانا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنی بہن کے ساتھ سوؤں اور صبح اُٹھ کر سوچوں کہ تمہارا آنا محض ایک خواب تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ رہوں، تمہارا ہاتھ تھام کر بیٹھی رہوں اور جب صبح ہو تو کہوں کہ یہ خواب نہیں۔ میرا ڈینی اب بھی میرے ساتھ ہے۔"

"میں صبح تمہارے پاس آ جاؤں گا" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں...... تم نہیں آؤ گے" اس کا لہجہ یاس آمیز تھا "اگر میں نے اس بار تمہیں جانے دیا تو تم واپس نہیں آؤ گے۔ کچھ نہ کچھ ایسا ہو جائے گا کہ تم واپس نہیں آ سکو گے۔"

اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں "آخری بار بھی تم نے یہی کہا تھا ڈینی۔ یاد ہے نا تمہیں؟ تم نے کہا تھا حالات کچھ بھی ہوں...... میں یہ نہ بھولوں کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یہی کہا تھا نا۔ پھر تم واپس نہیں آئے لیکن مجھے تمہاری بات یاد رہی۔ میں نے یاد رکھا" اب آنسو اس کے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

میں نے مسکرانے کی، بات کو شگفتہ بیانی سے ہلکا کرنے کی کوشش کی "لیکن ہنی! ہم اس ڈوروے میں پوری رات تو نہیں گزار سکتے۔"

"تو کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں ہم رات گزار سکیں" اس نے میری طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں "جہاں میں بیٹھ کر تم سے بات کر سکوں، تمہارا ہاتھ تھام کر بیٹھی رہوں، یہاں تک کہ آج گزر جائے اور کل آ جائے اور مجھے یقین آ جائے کہ یہ خواب نہیں ہے۔"

............☆☆............

کھڑکی سے در آنے والی دھوپ میری آنکھوں میں چبھی تو آنکھیں کھل گئیں۔ وہ پہلو کے بل لیٹی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر اپنے ہاتھ پر ٹکا تھا اور نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔

میں ایک لمحے، بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں بھی مسکرا دیا۔ مجھے رات کی یاد آئی۔ میرے جسم میں توانائی سی دوڑ گئی "دیکھا تم نے" میں نے کہا۔

"رات گزر گئی۔ نئی صبح آ گئی۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ یہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔"

اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی، پھر کھڑکی کی طرف اور پھر میرے چہرے کو دیکھا "ہاں...... صبح ہو گئی۔"

"اور اس وقت تم اور زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔"

اس کا چہرہ تمتما اُٹھا "اور تم سوتے میں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔" اس نے سرگوشی میں کہا "میں رات بھر بیٹھی تمہیں دیکھتی رہی۔ سوتے میں تم چھوٹے سے لڑکے لگ رہے تھے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ جاگنے کے بعد میں برا لگ رہا ہوں؟" میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

وہ ہنسنے لگی۔

"اور سنو...... تم سوئی نہیں؟ رات بھر جاگتی رہیں؟"

"ہاں۔ سونا ہوتا تو گھر نہ چلی جاتی" اس نے کہا۔ پھر بولی "تمہاری تو پسلیاں نظر آنے لگی ہیں۔ بہت دبلے ہو گئے ہو تم۔ تمہیں بہت کھلانا پڑے گا۔"

"تو ابھی سے شروع کر دو۔ بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔"

وہ میرے چہرے کو اُنگلی سے سہلانے لگی "ڈینی! تم مجھ سے محبت کرتے ہو نا؟"

"نہ کرتا ہوتا تو اس وقت یہاں نہ ہوتا۔"

"سچ کہہ رہے ہو نا؟"

"اس میں جھوٹ بولنے کی گنجائش ہی کہاں ہے؟"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ "بار بار کہتے رہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے، اچھا لگتا ہے۔"

میں...... آئی لو یو نیلی۔ آئی لو یو نیلی کی گردان کرتا رہا۔

چرچ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ رُک گئی اور سر اُٹھا کر مجھے دیکھا "ڈینی! میرے ساتھ اندر چلو گے؟"

میں نے چرچ کو اور پھر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی۔ میں نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہم چرچ میں داخل ہو گئے۔ اندر نیم تاریکی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور لرزتی آواز میں بولی "ڈینی! تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر تشکر آمیز مسکراہٹ مچلنے لگی "اگر میں پہلے یہاں نہ آتی تو وہ سب کچھ بعد میں مجھے درست نہ لگتا۔"

وہ آگے بڑھی اور قربان گاہ کے سامنے جھک گئی۔ چند لمحے وہ وہاں آنکھیں بند کیے، سر جھکائے کھڑی رہی۔ پھر وہ سیدھی ہوئی اور پلٹ کر میرے پاس چلی آئی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرہ دمک رہا تھا۔

میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ہم چرچ سے نکل آئے۔ ہم باہر آئے اور آگے بڑھنے لگے۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا "اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے خوشی ہے"

"مجھے اندر جانا ہی تھا ڈینی۔ ورنہ یہ سب کچھ مجھے جائز نہ لگتا۔"

"اچھا ہوا" میں نے کہا "ایسی دلہن مجھے اچھی نہیں لگتی جسے سب کچھ غلط لگ رہا ہو"

پھر میں نے سیٹی بجا کر کیب کو روکا۔ میں نے دروازہ کھولا اور سہارا دے کر اسے کیب

میں بٹھایا۔

ڈرائیور نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا "سٹی ہال پلیز" میں نے اس سے کہا۔

☆☆

چند منٹ...... صرف چند منٹ بعد ہم ٹاؤن ہال سے نکلے۔ ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہم صرف چند منٹ کے لیے ٹاؤن ہال میں گئے تھے اور باہر آ گئے تھے لیکن ان چند منٹوں میں سب کچھ بدل چکا تھا۔

اب ہم شادی شدہ تھے!

نیلی نے میری بانہہ تھام لی "ہم لوگ سب سے پہلے میرے گھر والوں کو یہ خبر سنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"او کے"

"پھر ہم تمہارے گھر والوں سے ملیں گے، اور انہیں بتائیں گے۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا "کیوں؟ ان کا اس سے کیا واسطہ؟ اور انہیں اس کی پروا بھی نہیں ہے۔"

اُس کی آنکھوں میں ایک ضد سی مچلی۔ ایک استقلال۔ "لیکن میرے لیے اس بات کی بہت اہمیت ہے۔ میں انہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"تم سمجھتی نہیں۔ انہیں ہماری کوئی پروا نہیں بلکہ وہ ہمیں برا سمجھتے ہیں اور تمہیں تو...... نہیں نیلی، انہیں بتانے کی ضرورت نہیں" میں نے احتجاج کیا۔

وہ میرا بازو سختی سے دباتے ہوئے مسکرائی "ڈینی فشر! کیا تم چاہتے ہو کہ ہماری ازدواجی زندگی کا آغاز جھگڑے سے ہو۔ ہم لڑ کر اس نئی زندگی کا افتتاح کریں؟ اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے تیار ہوں...... یہیں...... اسی وقت۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ فرطِ محبت سے تمتما رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی "نن...... نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا۔" میں نے گڑبڑا کر کہا۔

"بس تو پھر انہیں بتائیں گے۔"

''ٹھیک ہے نیلی۔ ہم انہیں بتائیں گے'' میں نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں سے اُترنے لگا ''بلکہ تم حکم کرو تو میں ریڈیو اسٹیشن جا کر اعلان کرنے کو بھی تیار ہوں۔ تاکہ پوری دنیا کو اس کا علم ہو جائے۔''

وہ خوش ہو کر ہنسی اور میری طرف دیکھا ''واقعی...... یہ آئیڈیا بھی بہت اچھا ہے۔''

............☆☆............

دربان نے ہمیں روکنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اُس کی نگاہوں میں استفسار تھا۔

''مسٹر واٹکن کا اپارٹمنٹ پلیز'' میں نے کہا۔

اس نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے مودبانہ لہجے میں کہا ''مسٹر گورڈن کے اپارٹمنٹ کا نمبر C21 ہے۔ اکیسویں منزل۔''

ہم ایلی ویٹر کی طرف بڑھے۔ دروازہ ہمارے عقب میں بند ہو گیا۔

لفٹ میں میں نے سرگوشی میں نیلی سے پوچھا ''یہ مسٹر گورڈن کا کیا مطلب ہے؟''

لفٹ آپریٹر دروازے کی طرف رُخ کیے کھڑا تھا۔

''گزشتہ سال اس نے قانونی طور پر اپنا نام تبدیل کر لیا تھا'' نیلی نے بھی سرگوشی میں کہا۔

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ واٹکن نام بروک لین کی حد تک تو مناسب تھا لیکن سینٹرل پارک ساؤتھ کے اس علاقے میں، ان پوش اپارٹمنٹس میں گورڈن ہی زیادہ مناسب لگتا تھا۔ یہ تو اس کا اپنا نام تھا، اوقات بدل جائے تو لوگ باپ کا نام تک بدل دیتے ہیں۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ نو بج چکے تھے۔ نیلی کے گھر سے نکلنے کے بعد ہم نے ڈنر کیا تھا۔ پھر ہم پاپا اور ماما کی طرف گئے تھے۔ وہ اب واشنگٹن ہائٹس میں رہتے تھے۔ بہت اچھی جگہ تھی لیکن اس جیسی نہیں۔ وہاں دربان نے ہمیں بتایا تھا کہ جمعہ کی رات وہ دونوں اپنی بیٹی کے گھر پر ڈنر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم سام کے اپارٹمنٹ چلے آئے تھے۔

اب میں سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ کیسے ہوں گے۔ کیا ردِعمل ہوگا ان کا؟ میرے اندر ایک اضطراب سا اُمڈنے لگا۔ نیلی کے گھر والوں کا رویہ تو برا نہیں تھا۔ جب ہم گئے تو دروازہ نیلی کے ڈیڈی نے کھولا تھا۔ وہ بہت غصے سے ہمیں دیکھتے رہے۔ جانے کیا سوچ رہے ہوں گے، یہ میں نہیں سمجھ پایا۔ مگر پھر وہ ایک طرف ہٹے اور انہوں نے ہمیں اندر جانے کے لیے راستہ دیا اور ہم اپارٹمنٹ میں داخل ہو گئے۔

پھر اچانک نیلی کی ماں چیختی ہوئی ہماری طرف لپکی۔ انہوں نے نیلی کو اپنی باہوں میں لے لیا اور رونے لگی۔ میں دروازے پر کھڑا رہا۔ مجھے اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا، جیسے میں بن بلایا مہمان تھا۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ اب نیلی بھی رو رہی تھی اور میں اور اس کے ڈیڈی ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ ہم دونوں کی سمجھ میں اپنی پوزیشن نہیں آ رہی تھی۔

پھر اچانک دوسرے کمرے سے ایک مسرت بھری چیخ سنائی دی ''ڈینی!'' اور زیپ میری طرف لپکا۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور باہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے لپٹا لیا۔

پھر نیلی کی چھوٹی بہن کمرے میں آئی اور وہ بھی رونے لگی۔ ذرا سی دیر میں ماحول بدل گیا۔ نیلی کے ڈیڈی ہچکچاتے ہوئے اندر گئے اور وائن کی ایک بوتل نکال لائے۔ سب نے مل کر ہمارے لیے جامِ صحت تجویز کیا۔

بوتل ختم ہوتے ہوتے بے تکلفی کی فضا بن گئی۔ جو کچھ ہم نے کیا تھا، اس پر وہ لوگ بہت خوش تو نہیں تھے لیکن انہوں نے عالی ظرفی اور خوش دلی کے ساتھ اسے قبول کر لیا تھا۔ ماما پیٹیو نیلی کے مختصر سے سامان کی پیکنگ میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیں کھانے پر روکنے کی کوشش کی لیکن ہم نے نرمی اور سلیقے سے ٹال دیا۔ یہ کہہ کر کہ ابھی ہمیں میرے گھر والوں سے بھی ملنا ہے۔

لفٹ رُکی، اس کے دروازے کھلے۔ لفٹ آپریٹر نے سر باہر نکال کر ہمیں بتایا ''ہال کے اس طرف چوتھا دروازہ مسٹر گورڈن کا ہے۔''

ہم اس طرف چلے گئے۔ دروازے پر سام گورڈن کی نیم پلیٹ موجود تھی۔ میں نے بزر کا بٹن دبایا اور اندر کہیں جل ترنگ بجنے لگے"زبردست" میں نے نیلی کی طرف دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

بال وے کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے کی رنگت زرد لگ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ہم دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے رہے۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی تھیں۔

بالآخر دروازہ کھلا۔ وہ ایک سیاہ فام عورت تھی۔ خادمہ کی وردی میں۔

"ہمیں مسز واٹ...... میرا مطلب ہے، مسز گورڈن سے ملنا ہے۔" میں نے کہا۔

اس نے بے تاثر نظروں سے مجھے دیکھا"آپ کا نام پلیز؟" اس نے دھیمی خوشگوار آواز میں پوچھا۔

"میں ان کا بھائی ہوں"

خادمہ کی آنکھیں کچھ پھیل سی گئیں۔ وہ احترام سے ایک طرف ہٹی"آپ یہاں چند لمحے انتظار کریں گے پلیز۔"

ہم محرابی دروازے والے برآمدے میں کھڑے ہو گئے اور نشست گاہ کا جائزہ لینے لگے۔ خادمہ اندر چلی گئی۔ وہ ڈیوڑھی نیلی کے پورے اپارٹمنٹ سے بھی بڑی تھی۔ اندر کسی کمرے سے لوگوں کی دھیمی آوازیں بھن بھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اچانک خاموشی چھا گئی اور خادمہ کی آواز سنائی دی۔

"باہر ایک جینٹل مین اور ایک لیڈی موجود ہیں" خادمہ نے کہا"وہ کہتے ہیں کہ انہیں مسز گورڈن سے ملنا ہے۔"

پھر میں نے میمی کی آواز سنی"تم نے پوچھا بھی کہ وہ کون ہیں؟" اس کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

"جی مام! میں نے پوچھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے بھائی ہیں۔ اور "

وہ اپنا جملہ پورا نہیں کر سکی۔ میمی نے ہیجانی آواز میں کہا"یہ ڈینی ہے یہ ڈینی

ہے۔" اور اگلے ہی لمحے وہ ہمارے سامنے کھڑی تھی۔

ہم چند لمحے ساکت کھڑے رہے۔ پہلی نظر میں تو مجھے لگا کہ وہ بالکل نہیں بدلی ہے لیکن غور سے دیکھنے پر تبدیلیاں نظر آئیں۔ اس کی آنکھوں کی رنگت گہری ہو گئی تھی اور ان کے نیچے ہلکے نیلگوں حلقے تھے، جیسے وہ اچھی نیند سے محروم ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ دوبارہ ماں بننے والی تھی لیکن اس کے دہانے کے قریب بھی مجھے چند لکیریں نظر آئیں جو پہلے نہیں تھیں۔

پھر وہ مجھ سے لپٹ گئی اور بے تابانہ میرے چہرے کو چومنے لگی"ڈینی!" اس نے سرگوشی میں کہا"کیسی خوشی ہو رہی ہے تمہیں دوبارہ پا کر" اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں مسکرایا۔ مجھے بھی اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ عجیب بات تھی۔ مجھے کبھی احساس نہیں ہو سکا تھا کہ میں اس کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ کتنا مس کرتا ہوں اسے۔ ہم گھر میں ساتھ تھے تو ہمیشہ لڑتے رہتے تھے۔ اندر کتنی محبت ہے اس کی، یہ کبھی پتا ہی نہیں چلا تھا۔

اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے دوسرے کمرے کی طرف کھینچنے لگی"آ جاؤ...... ماما اور پاپا بھی یہیں موجود ہیں۔"

میں نے کندھوں کے پیچھے سے نیلی پر نظر ڈالی۔ وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔ پھر وہ بھی ہمارے پیچھے آنے لگی۔ میمی مجھے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

ماما اور پاپا وہاں کاؤچ پر بیٹھے تھے۔ دروازے کی طرف ان کی پیٹھ تھی لیکن وہ پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ماما کا ایک ہاتھ ان کے سینے پر تھا اور آنکھیں تقریباً بند ہو رہی تھیں۔ پاپا کے چہرے پر ہلکی سی حیرت تھی۔ ان کے ہونٹوں میں سگار دبا تھا۔ سام ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک بڑا جام لیے۔ اس کی آنکھوں میں تجسس کی چمک تھی۔

میمی نے مجھے ماما کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا، تب کہیں میرا ہاتھ چھوڑا۔ ماما پلکیں

جھپکائے بغیر میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں، جیسے یہ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ جدائی کے اس عرصے میں مجھ پر کیا گزری۔

''ہیلو ماما'' میں نے دھیرے سے کہا۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میرے کوٹ کو چھوا، پھر ان کا ہاتھ آستین کی طرف آیا، یہاں تک کہ انہیں میرا ہاتھ مل گیا۔ پھر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں اور انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ان کے ہونٹ میرے ہاتھ پر جم گئے ''میرا بلونڈی'' اس نے سرگوشی میں کہا ''میرا بچہ'' اس لہجے میں دل شکستگی واضح تھی۔

میں کھڑا ان کے جھکے سر کو دیکھتا رہا۔ ان کے سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ یہی تو وہ لمحہ تھا جس سے میں خوف زدہ رہا تھا۔ مجھے یہ خوف نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیسے ملیں گی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ میں انہیں دیکھ کر کیا محسوس کروں گا اور اب مجھے حیرت ہو رہی تھی، اپنے سکون اور اپنی بےتعلقی پر۔ جیسے میں سینما کی کسی سیٹ پر بیٹھا پردے پر وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ جیسے میں اس منظر کا حصہ ہوں۔ جیسے وہ ڈینی فشر کوئی اور تھا، جو دو سال پہلے ان سے دور چلا گیا تھا اور کبھی واپس نہیں آیا تھا۔

تو یہ ہوا تھا اس جدائی میں! ان برسوں نے اور تنہائی نے ہمارے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر دی تھی۔ ایسی خلیج کہ دونوں جانب سے کوئی جذبہ اس خلیج کو پاٹ نہیں سکتا تھا اور وہ خلیج ایک زخم کی طرح میرے سینے میں بھی تھی، جسے کوئی جذبہ مندمل نہیں کر سکتا تھا۔ میرے اندر ایک عجیب سی اُداسی بھر گئی۔ ایک بہت بڑی چیز سے ہم محروم ہو گئے تھے۔ اپنائیت...... جو اَب کبھی ہمارے درمیان نہیں پنپ سکے گی۔

میں نے جھک کر ماما کے سر پر بوسہ دیا ''آئی ایم سوری ماما'' میں نے کہا لیکن کوئی نہیں سمجھ سکا ہوگا کہ میں کس بات پر معذرت کر رہا ہوں۔

پھر میں سیدھا ہوا اور میں نے پاپا کی طرف دیکھا، جو دور چلے گئے تھے اور دیوار سے ٹک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں ایک اکیلا پن اور عجیب سا ایک خوف تھا۔ میں نے نرمی سے ماما سے ہاتھ چھڑایا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں میرے

قدموں کی چاپ اور ماما کی سسکیوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

میں ان کے سامنے رُکا اور اُن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''ہیلو پاپا''

ان کی آنکھیں ایک لمحے کو اِدھر اُدھر بھٹکیں۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''ہیلو ڈینی'' ان کی آواز میں لرزش تھی۔

''آپ کیسے ہیں پاپا؟''

''میں ٹھیک ہوں ڈینی''

اور یہاں پر ہم دونوں کا ذخیرۂ الفاظ جواب دے گیا۔ کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ کمرے کی فضا میں آہستہ آہستہ کشیدگی اور سنگینی سرایت کرنے لگی۔ میں نے سام کو سر کے اشارے سے سلام کیا۔ اس نے جواب میں سر ہلایا لیکن بولا کچھ نہیں۔

سب لوگ خاموشی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میرے وجود میں دھیرے دھیرے مایوسی پھیلنے لگی۔ حالانکہ مجھے پہلے سے توقع تھی کہ یہی کچھ ہوگا۔ میں واپس آؤں یا نہ آؤں، یہاں کسی کو اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر میں بولا تو کوشش کے باوجود میرے لہجے میں تلخی تھی ''دو سال ہو گئے'' میں نے ایک ایک چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا ''آپ میں سے کوئی مجھ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ ان دو برسوں میں میں نے کیا کیا کیا؟ مجھ پر کیا گزری؟ کیا محسوس کر رہا ہوں میں؟''

ماما اب بھی رو رہی تھیں لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔

میں پاپا کی طرف مڑا اور سرد نظروں سے انہیں دیکھا ''نہیں پوچھیں گے آپ؟ یا آپ کو کوئی پرواہی نہیں؟''

پاپا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر میمی ہی میری طرف لپکی۔ اُس نے میرا بازو تھامتے ہوئے نرم لہجے میں کہا ''کیوں نہیں ڈینی۔ ہم سب کو پروا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم اس قدر اچانک اور خلافِ توقع آئے ہو کہ سب گنگ ہو کر رہ گئے ہیں''

میں اب بھی پاپا کو گھور رہا تھا۔ میرے اندر سرد مہری میں لپٹا ہوا سکون اُترنے لگا

تھا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ جس رات گھر کا دروازہ مجھ پر بند کر دیا گیا تھا اس رات ہمارے باہمی تعلق میں کوئی بڑی اہم چیز کم ہو گئی تھی اور وہ جو کچھ کم ہوا تھا، جدائی کے یہ دو برس بھی اسے واپس نہیں لا سکے تھے۔ میں ان سب سے ملنا بھی چاہتا تھا لیکن میرے اندر اس کے خلاف مزاحمت بھی موجود تھی۔ اور اب تو کسی بھی بات کی اہمیت نہیں رہی تھی۔ میں وہاں اپنے لوگوں کے درمیان ایسے کھڑا تھا جیسے اجنبی۔

میمی نے مجھے پاپا سے دور لے جانے کی کوشش کی۔ ''آؤ..... یہاں بیٹھو اور ہمیں بتاؤ کہ کیا کرتے رہے تم۔ ہم سب تمہیں مس کرتے رہے۔''

میں نے اس کے وجود کے پار دیکھا۔ نیلی اب بھی دروازے ہی میں کھڑی تھی، جیسے کوئی متروک وجود۔ وہ اذیت بھری نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیسے، میں نے سمجھ لیا کہ اس کی وہ اذیت اس کی اپنی نہیں، وہ میرے لیے ہے۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر میمی طرف متوجہ ہوا ''میں رُک نہیں سکتا'' میں نے نرم لہجے میں کہا، کیونکہ میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ ایک وہی تو تھی جو ناکام سہی، لیکن خلیج کو پاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''مجھے جانا ہے۔ کچھ کام کرنے ہیں مجھے۔''

''لیکن تم ایسے نہیں جا سکتے ڈیڈی'' میمی نے احتجاج کیا۔ اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں ''ابھی تو آئے ہو تم''

میری نگاہ پھر نیلی کی طرف اُٹھی ''میں درحقیقت واپس نہیں آیا۔'' میں نے کہا ''ہاں، میں نے کوشش کی تھی واپس آنے کی۔''

''لیکن ڈیڈی'' میمی میرے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ میں اس کے احساسات سمجھ رہا تھا، جانتا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے لیکن کچھ فائدہ نہیں تھا۔ جو کھو گیا، وہ اب ملنے والا نہیں تھا۔

میں نے اس کے لرزتے ہوئے کندھے کو چھوا ''روؤ مت میم، اس طرح سے کوئی بہتری نہیں ہو گی۔'' یہ کہہ کر میں نیلی کی طرف چلا گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور پلٹ کر ان سبھوں کو دیکھا ''آج میں یہاں آیا تو صرف اپنی بیوی کی خاطر'' میں نے دھیمی

آواز میں کہا ''اس کا کہنا تھا کہ ہمیں آپ لوگوں کو لازمی طور پر بتانا چاہیے..... یہ کہ آج صبح ہم نے شادی کر لی ہے۔''

میں نے ان کے چہروں کے تاثرات دیکھے۔ ماں کا دُکھ، باپ کی ملامت اور حقارت..... اور میں اپنے اندر یوں سہم گیا، جیسے کسی نے مجھے کوڑا مارا ہو۔

''ایک یہی تو تھی، جو چاہتی تھی، دل سے چاہتی تھی کہ میں واپس آ جاؤں۔'' میں نے کہا۔

میں چند لمحے انتظار کرتا رہا کہ شاید کوئی کچھ بولے لیکن وہ سب چپ تھے۔ نیلی کے گھر والوں کو بھی ہمارا شادی کرنا پسند نہیں آیا تھا لیکن کم از کم انہوں نے انسان ہونے کا ثبوت تو دیا تھا۔ انہوں نے یہ تو ثابت کیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی سے بہرحال محبت کرتے ہیں۔ میرے گھر والوں کے پاس تو کہنے کے لیے ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ مستقبل کی خوشیوں کے لیے ایک دعا بھی نہیں..... کچھ بھی نہیں!

میرے اندر کی اذیت ایک دم تحلیل ہو گئی اور اپنے پیچھے ایک خلا چھوڑ گئی۔ سینے کا ایک اور حصہ جیسے سن ہو گیا۔ میں نے ماما کے رُخسار پر بوسہ دیا۔ وہ رو رہی تھیں۔ پھر میں نے میمی کا رخسار چوما اور اپنے پاپا کے سامنے سے گزرا۔ ان کے چہرے پر تلخی کی ایک نقاب سی تھی۔ میں بغیر کچھ کہے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆

میں نے بستر پر بے چینی سے کروٹ بدلی۔ مجھے احساس تھا کہ میں سوتے میں روتا رہا ہوں لیکن اب میں جاگ گیا تھا اور میری آنکھیں خشک تھیں۔ میں نے پُرسکون ہو کر لیٹنے کی کوشش کی تا کہ نیلی ڈسٹرب نہ ہو۔

ہم ہوٹل کے چھوٹے سے کمرے میں تھے۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا ''تم تو بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ میں ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتا۔ جانتی تھیں نا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور پھر بھی تم نے مجھے جانے پر مجبور کیا؟'' میرے لہجے میں تلخی تھی۔

اس نے میرے کندھے کو تھپتھپایا اور میری آنکھوں میں دیکھا ''تمہارا جانا ضروری تھا ڈینی'' اس نے خلوص سے کہا ''نہیں تو ہماری ازدواجی زندگی میں ایک خلا رہ جاتا، جو کبھی نہ بھرتا۔ تم خوش گمانی میں مبتلا رہتے، حقیقت کبھی نہ جان پاتے۔''

میں نے منہ پھیرتے ہوئے کہا ''ٹھیک کہتی ہو۔ اب میں نے حقیقت جان لی۔''

''اب جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں؟'' میں نے کہا اور کچھ باتیں ایسی تھیں جو وہ بھی نہیں جانتی تھی ''کوئی کیسے بھول سکتا ہے؟ وہ سب کچھ جو ساتھ مل کر کیا ہو۔ مشترک اُمیدیں، مشترک خوف...... بھلا، برا۔ یہ تم آسانی سے کہہ سکتی ہو، لیکن میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں۔ کیا میں اپنے جسم کا سارا لہو گٹر میں بہا دوں؟ اچھا ہو یا برا، خوشی ہو یا غم، میں بھول کیسے سکتا ہوں؟ کیا تم اپنے والدین کو بھول سکتی ہو؟ کیا اچھا اور برا رشتوں سے زیادہ اہم ہو سکتا ہے؟''

''نہیں ڈینی! تم سمجھے نہیں'' اس کے لہجے میں التجا تھی ''یہ سب بھولنے کی باتیں نہیں، یہ تو یاد رکھنے کی باتیں ہیں۔ جو دکھ پہنچا، اسے بھول جاؤ۔ یہ وہ دکھ ہے جو اچھے کو برا بنا دیتا ہے۔ دکھ جو آدمی کو تلخ، سخت اور غصہ ور بنا دیتا ہے، جیسے تم اس وقت ہو رہے ہو۔ میں اس دکھ کو بھلانے کی بات کر رہی ہوں۔''

میں اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا ''یہ بھی کیسے بھول سکتا ہوں میں؟'' میں نے بے بسی سے کہا ''یہ اس تعلق ہی کا تو حصہ ہے۔''

''نہیں ڈینی، ایسا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے'' وہ مجھ سے لپٹ گئی اور مجھے چومنے لگی ''میں تمہارا یہ دکھ بھلا دوں گی۔ دور کر دوں گی۔ میں تمہیں ایسا کر دوں گی کہ تمہیں صرف اچھی باتیں یاد رہیں گی۔''

''ایسا کوئی کیسے کر سکتا ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں کر سکتی ہوں اور کروں گی'' اس نے سرگوشی میں کہا ''میرے پاس تمہارے لیے اتنی محبت ہے۔ اتنی کہ تمہیں کبھی کسی اور کی محبت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

تب میں سمجھ گیا۔ میں نے تشکر سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔ اس نے عہد کیا تھا مجھ سے اور میں جانتا تھا کہ وہ سچی ہے۔ میں نے جان لیا کہ آنے والے وقت میں، وہ اچھا ہو یا برا، مجھے ہر آسائش، ہر طاقت اور مضبوطی اس کے وجود سے ملے گی۔ چاہے کچھ بھی ہو، اب میں کبھی تنہا نہیں ہوں گا۔

☆☆

تبدیلی لانے والا دن

۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

ہم زینہ چڑھ رہے تھے۔ چوبی سیڑھیاں ہمارے بوجھ تلے چرچرا رہی تھیں۔ ہمارے لیے وہ دوستانہ آواز تھی، جیسے وہ پرانی سیڑھیاں ایک نوبیاہتا جوڑے کو خوش آمدید کہہ رہی ہوں۔ مجھے وہ آواز اچھی لگی۔

میں جو سوٹ کیس اُٹھائے ہوئے تھا وہ زیادہ بھاری نہیں تھا۔ ہمارے پاس زیادہ کپڑے تھے ہی نہیں۔ سوچا تھا، بعد میں کماؤں گا تو اپنے اور اس کے لیے کچھ ڈھنگ کے کپڑے خریدوں گا۔ ابھی تو جو تھوڑی بہت رقم تھی، وہ گھر گرہستی کا سامان خریدنے میں صرف ہو گئی تھی۔ بلکہ اس کے لیے بھی ناکافی ثابت ہوئی تھی۔

چوتھی منزل پر وہ دروازے کے سامنے رُکی، اور پلٹ کر مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ چابی اس کے ہاتھ میں تھی۔

میں جواباً مسکرایا ''دروازہ کھولو جان، یہ ہمارا گھر ہے۔''

اس نے چابی قفل میں ڈالی اور اسے گھمایا۔ دروازہ آہستہ سے کھلا۔ میں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھے، جھک کر اسے گود میں اُٹھایا اور چوکھٹ پار کر کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ وہ ہلکی پھول جیسی تھی۔ میں نے اسے اُتار دیا۔

''خدا ہمارے گھر کو خوشیوں سے بھر دے ڈینی فشر۔'' وہ بولی۔

وہ چھوٹا سا اپارٹمنٹ تھا۔ ۲۵ ڈالر ماہانہ کرائے میں یہی کچھ مل سکتا تھا۔ تین کمرے

اور ایک باتھ۔ پورے گھر میں صرف سفید رنگ تھا لیکن بہر حال وہ صاف ستھرا تھا۔ گرم پانی کی سہولت بھی میسر تھی۔

اس فلیٹ کے لیے میں نے ۹۰۰ ڈالر کا فرنیچر خریدا تھا۔ پارلر کے لیے ایک کاؤچ اور کرسیاں، ایک بڑا ڈبل بیڈ، ایک ڈریسر جس میں آئینہ بھی لگا تھا۔ کچن سیٹ، دیگچیاں، برتن اور دوسری ضروری چیزیں۔ ہاتھ تو خالی ہو گیا لیکن گھر بھرنا بہت ضروری تھا اور بہر حال ہم مقروض بھی نہیں تھے۔

''جاؤ...... سامان بیڈ روم میں لے آؤ'' نیلی نے مجھ سے کہا۔

''جی بہتر مام'' میں نے خوش دلی سے کہا اور دروازے پر جا کر سوٹ کیس اُٹھا لایا۔ انہیں میں نے بیڈ پر پٹخ دیا۔

''ڈینی! یہ گندے سوٹ کیس بیڈ پر سے ہٹاؤ'' اس نے تیز لہجے میں کہا ''یہ ہوٹل نہیں، ہمارا گھر ہے۔''

میں نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔ عورت کو جیسے ہی گھر مل جائے، وہ مالکن بن جاتی ہے۔ میں نے جلدی سے سوٹ کیسے نیچے کر دیے۔ پھر میں بیڈ کے نرم گدے پر قلابازیاں لگانے لگا ''ذرا یہاں تو آؤ'' میں نے اس سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ شک آمیز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کچھ دکھانا ہے''

وہ ایک قدم میری طرف بڑھی، پھر رُک گئی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے اسے اپنے اُوپر کھینچ لیا۔

''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ڈینی'' وہ میری گدگدی سے بے حال ہونے لگی۔ پھر ہنستے ہوئے اس نے میری جسارتوں پر احتجاج کیا ''پاگل ہو گئے ہو؟''

''ہو نہیں گیا، تم نے پاگل کر دیا ہے مجھے'' میں نے کہا ''آئی لو یو بے بی''

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی ''ڈینی! تمہیں کبھی کوئی پچھتاوا نہیں ہونے دوں گی میں''

''کیسا پچھتاوا؟''

''اس پر کہ تم نے مجھ سے شادی کی۔ میں بہترین بیوی ثابت ہوں گی۔''

میں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔ ''اس کا تو مجھے یقین ہے'' میں نے کہا ''کاش! میں تمہیں کبھی مایوس نہ کروں۔''

میری اُنگلیاں بھیگیں تو مجھے اس کے آنسوؤں کا احساس ہوا ''ڈینی ...... یاد رکھنا، میں نہ کبھی تم سے مایوس ہوں گی اور نہ ہی کبھی پچھتاؤں گی۔''

☆☆

ہم پردے لٹکا کر نمٹے ہی تھے کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ ''میں دیکھتا ہوں'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے دروازہ کھول دیا۔ نیلی کی ماما ایک پادری کے ساتھ کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاپنگ بیگ تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائیں ''ہیلو ڈینی؟''

''ہیلو ماما پٹیو'' میں نے کہا ''آیئے...... تشریف لایئے۔''

وہ ایک لمحے کو شرمندگی سے ہچکچائیں ''میں فادر برینن کو ساتھ لائی ہوں''

میں پادری کی طرف بڑھا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ''پلیز فادر، کم ان''

میری ساس کے چہرے پر سکون نظر آیا۔ شاید انہیں مجھ سے یہ اُمید نہیں تھی۔ فادر نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ''ہیلو ڈینی! تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

کچن کی طرف سے نیلی نے پکارا ''کون آیا ہے ڈینی؟''

''تمہاری ماما اور فادر برینن'' میں نے جواب میں پکارا۔

وہ بھاگی بھاگی باہر آئی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے ماں کے رُخسار کو چوما اور فادر سے ہاتھ ملایا ''مجھے آپ کی آمد سے بہت خوشی ہوئی ہے فادر''

''میں تمہارا بوڑھا دوست ہوں میری بچی۔ مجھ سے رسمی باتیں مت کرو''

مسز پٹیو نے محتاط نظروں سے میری طرف دیکھا اور شاپنگ بیگ زمین پر رکھ دیا ''میں گھر کے لیے کچھ چیزیں لائی ہوں'' وہ بولیں۔

نیلی نے شاپنگ بیگ کھول کر اس میں جھانکا۔ پھر وہ اطالوی زبان میں جلدی

جلدی کچھ بولنے لگی۔ اس کا لہجہ ہیجانی تھا۔ اس کی ماما نے بھی اطالوی ہی میں جواب دیا۔

پھر نیلی میری طرف مڑی ''ماما کچھ کھانے کی چیزیں لائی ہیں ہمارے نئے گھر کے لیے، تاکہ اس گھر میں کبھی بھوک نہ آئے۔'' اس نے وضاحت کی۔

میں مسز پٹیٹو کی طرف مڑا۔ لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، لیکن ان کے بنیادی تفکرات مشترک ہی ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے، جب ہم بروک لین والے گھر میں منتقل ہوئے تھے تو میری ماما بھی وہاں سب سے پہلے بریڈ اور نمک لے کر گئی تھیں ''شکریہ ماما'' میں نے بے حد خلوص سے کہا۔

انہوں نے میرا رُخسار تھپتھپایا ''اس کی ضرورت نہیں۔ اب تو تم میرے بیٹے ہو۔ کاش میں وہ سب کچھ تمہیں دے پاتی، جو دینے کو دل چاہتا ہے۔''

''کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' نیلی نے کہا ''ڈینی! تم جا کر کیک لے آؤنا''

ماما پٹیٹو نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں، مجھے گھر پہنچ کر کھانا پکانا ہے اور فادر برینن نیلی کو دعا دینے کے لیے آئے ہیں''

نیلی پادری کی طرف مڑی ''شکریہ فادر! مجھے سچ مچ بہت خوشی ہوئی'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''مجھے ڈر تھا کہ.....''

پادری نے اس کی بات کاٹ دی ''ارے نہیں نیلی، ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے بے شک اس پر مایوسی ہوئی کہ تمہاری شادی میرے ہاتھوں نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود میری خوشی تو اپنی جگہ ہے۔''

نیلی کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا ''لیکن میں تو سمجھی تھی کہ ہماری شادی چرچ میں ہو ہی نہیں سکتی۔''

پادری ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے مجھ سے مخاطب ہوا ''اگر صحیح معنوں میں چرچ میں تمہاری شادی ہو تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا بیٹے؟''

لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی نیلی بول پڑی ''یہ اچھا سوال نہیں ہے فادر۔

ہمارے درمیان اس پر کبھی بات نہیں ہوئی۔''

پادری نے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ ہوا ہوگئی تھی ''تم جانتی ہو میری بچی کہ چرچ تمہاری شادی کو قبول تو کرتا ہے، لیکن اس کو مستند تسلیم نہیں کرتا۔''

نیلی کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی ''میں جانتی ہوں فادر'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''اور تم نے بچوں کے بارے میں سوچا؟'' فادر نے مزید کہا۔ ''وہ کتنی برتوں سے، کتنی مراعات سے محروم ہوں گے۔''

اس بار جواب میں نے دیا ''میں نہیں سمجھتا کہ والدین کے عقیدے کی وجہ سے چرچ بچوں کو کوئی محرومی دے گا۔''

''یعنی تم اس بات کے خواہش مند ہو کہ تمہارے بچے چرچ کے سائے میں پروان چڑھیں؟'' فادر نے کہا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں فادر کہ بچے اپنے لیے عقیدہ منتخب کرنے میں آزاد ہوں گے اور جب تک وہ اس فیصلے کی عمر کو پہنچیں، مجھے ان کی اپنی ماں کے چرچ سے وابستگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

نیلی میرے قریب آئی اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا ''میرا خیال ہے، ابھی یہ باتیں بہت قبل از وقت ہیں۔ ابھی تو شادی ہوئی ہے ہماری۔''

پادری نے باری باری ہم دونوں کو دیکھا۔ ''نیلی! ایک کیتھولک ہونے کی حیثیت سے تم اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہو۔ بعد میں ناخوش ہونے سے بچنے کے لیے آدمی کو پہلے ہی ضروری فیصلے کر لینے چاہئیں۔''

''آپ کے تعلق خاطر کا شکریہ فادر'' نیلی نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ''لیکن یقین رکھیں کہ ہمیں وہ فیصلے کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جس میں ہم دونوں کی خوشی اور بہتری ہو اور ہاں، اس طرف جب بھی آپ کا آنا ہو، ہمارے گھر ضرور آیئے گا۔''

پادری کا چہرہ بے تاثر تھا ''ایک پادری کی زندگی میں تو مشکل مقام آتے ہی رہتے

ہیں اور وہ بھی انسان ہی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات کہ لوگ رہنمائی اور دعا کے لیے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے...... اور میں تمہاری خوشیوں کے لیے دعا بھی کروں گا۔''

''ہم آپ کے شکر گزار رہیں گے فادر'' میری بیوی نے کہا۔ وہ اب بھی میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

میں فادر برینن کو رُخصت کرنے دروازے تک گیا۔ وہاں انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا ''تم سے مل کر خوشی ہوئی میرے بچے'' انہوں نے کہا لیکن اس بار نہ ان کے لہجے میں گرم جوشی تھی اور نہ ان کے ہاتھ کی گرفت۔

دروازہ بند ہوا تو نیلی اپنی ماں سے اطالوی میں شروع ہوگئی۔ مگر اس بار اس کا لہجہ تند تھا اور ماما کا انداز معاندانہ۔ بلکہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں بے بس کھڑا دیکھتا اور سنتا رہا۔ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ مکالمہ ختم ہوا۔ ماما نے نیلی کو محبت سے لپٹا کر پیار کیا۔

نیلی میری طرف مڑی ''ماما شرمندہ ہیں کہ فادر کو یہاں لائیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا۔ یہ کہتی ہیں کہ اگر تمہیں توہین کا احساس ہوا ہے تو یہ شرمندہ ہیں۔''

میں ایک لمحہ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا دیا ''آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ماما پیٹو۔ میں جانتا ہوں کہ آپ صرف ہمارے بھلے کی فکر کرتی ہیں'' اب کے انہوں نے مجھے لپٹا لیا اور میرا رخسار چوم لیا ''تم بہت اچھے ہو ڈینی'' انہوں نے لرزیدہ آواز میں کہا ''بس تم میری نیلی کا خیال رکھنا۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی۔''

''آپ اس کی فکر نہ کریں ماما'' میں نے نیلی کی طرف دیکھتے ہوئے ان سے وعدہ کیا۔ ''یقین رکھیں، یہ کام میں زندگی کی آخری سانس تک کروں گا۔''

..........☆☆..........

ماما کے جانے کے بعد ہم نے اپارٹمنٹ سیٹ کیا۔ اس میں دوپہر ہوگئی۔ میں پارلر میں جا بیٹھا اور ریڈیو پر موسیقی سننے لگا۔

نیلی آئی اور میرے سامنے کھڑی ہوگئی ''یہ بتاؤ، ڈنر میں کیا پسند کرو گے؟'' اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تمہیں کھانا پکانا آتا ہے؟''

''بےوقوفی کی باتیں مت کرو'' اس نے غصے سے کہا ''میری بات کا جواب دو''

''پکانا چھوڑو۔ آج کھانا باہر کھائیں گے...... سلیبریٹ کریں گے۔''

''ہرگز نہیں۔ یہ بہت مہنگا پڑے گا۔ جب تک تمہیں جاب نہیں ملتی، ہمیں اپنی بچی کھچی رقم میں ہی گزارا کرنا ہوگا۔ بعد میں جو جی چاہے کر لینا۔''

میں نے پہلی بار اسے احترام کی نظر سے دیکھا۔ ہر روز مجھے احساس ہوتا تھا کہ وہ کچھ اور بڑی ہوگئی ہے۔ میں اُٹھا اور میں نے ریڈیو بند کر دیا ''جو جی چاہے، پکا لو۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں بھی مجھے حیران ہی کرو گی'' میں نے کہا ''میں ذرا کام کی تلاش میں نکلتا ہوں''

باہر نکلا تو دھوپ میں میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ میں چند لمحے کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر سب وے اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ میرے سامنے اچانک ایک سایہ سا آ گیا۔ بغیر دیکھے، میں اس سے کترا کر گزر رہا تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ جانی پہچانی آواز میری سماعت میں پہنچی ''اب جبکہ تم یہاں آ بھی گئے ہو اور سیٹل بھی ہو گئے ہو ڈینی، تو باس محسوس کرتا ہے کہ وہ تمہارے ایک وزٹ کا مستحق ہے۔''

مجھے سر اُٹھا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، بلکہ میں تو کب سے اس تصادم کی توقع کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس طرح کے لوگ کبھی کچھ بھولتے نہیں۔

اسپٹ میرے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کا حلیہ بدل گیا تھا۔ وہ ایک بیش قیمت سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کو تو مجھے ایسا لگا کہ میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں ''میں ذرا جلدی میں ہوں'' میں نے کہا اور آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

اس نے میرا باز و مضبوطی سے تھام لیا اور اس کا دوسرا ہاتھ جیکٹ کی جیب کی طرف گیا۔ مجھے اس کی گن کی ایک جھلک نظر آ گئی ''میرا خیال ہے، اب تمہیں اتنی جلدی نہیں رہی ہو گی ڈینی؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''اب ایسی جلدی بھی نہیں ہے مجھے''

اس نے سائیڈ کی طرف اشارہ کیا، جہاں ایک کار کھڑی تھی۔ اُس کا انجن جاگ رہا تھا ''بس تو بیٹھ جاؤ۔''

میں نے دروازہ کھولا اور عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ وہاں کلکٹر پہلے سے موجود تھا ''ہیلو ڈینی'' اس نے آہستہ سے کہا اور پوری قوت سے میرے پیٹ میں گھونسہ مارا۔ میں تکلیف کی شدت سے دہرا ہو کر کار کے فرش پر بیٹھ گیا۔ کار حرکت میں آ گئی تھی۔

''یہ سب کچھ نہ کرو'' اسپٹ نے کہا ''باس کو برا لگے گا''

''یہ حرام زادہ میرا بہت مقروض ہے۔ کچھ حساب تو چکا لوں''

اسپٹ نے کالر سے تھام کر مجھے اُٹھایا اور سیٹ پر بٹھا دیا۔ اب میں ان دونوں کے درمیان تھا ''اس پرانے حساب کے بارے میں باس سے کچھ نہ کہنا۔ ورنہ اگلی بار اس سے زیادہ سختی میں پڑو گے'' اس نے مجھے دھمکی دی۔

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس وقت تو میں کچھ سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ چند منٹ بعد میری سمجھ میں اس کی بات آئی...... اگلی بار! اس کا مطلب صاف تھا۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن اس بار میری بخشش ہو گئی تھی۔ کیوں...... کیسے؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ میکسی فیلڈز جیسے کینہ پرور اور منتقم مزاج لوگ کسی کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرتے۔

کار فیلڈز کے اسٹور کے سامنے رُکی۔ ہم اُترے۔ اسپٹ میرے آگے تھا اور کلکٹر میرے پیچھے۔ ہم اسٹور سے گزرے اور سیڑھیاں چڑھ کر فیلڈز کے اپارٹمنٹ تک پہنچے۔

اسپٹ نے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے فیلڈز دہاڑا۔

''میں ہوں باس۔ ڈینی فشر کو ساتھ لایا ہوں'' اسپٹ نے جواب دیا۔

''اندر لاؤ اسے'' فیلڈز نے چیخ کر کہا۔

اسپٹ نے دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیلا۔ میرا پیٹ اب تک دُکھ رہا تھا لیکن پہلے جیسی بات نہیں تھی۔ اب کم از کم میں سیدھا کھڑا ہو سکتا تھا۔

میکسی فیلڈز اپنی ڈیسک کے عقب میں بھاری ستون کی طرح کھڑا تھا۔ اس کی دہکتی ہوئی نظریں مجھ پر جمی تھیں ''تو تم یہاں سے دور نہیں رہ سکتے تھے؟ تمہیں واپس بھی آنا تھا'' یہ کہہ کر وہ گھوم کر میری طرف آیا۔

میں نے جواب نہیں دیا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔ اب میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اسپٹ نے ان جانے میں مجھے بہت کام کی بات بتا دی تھی۔ پھر میں نے فیلڈز کے ہاتھ کو قوسی شکل میں گھوم کر اپنے چہرے کی طرف آتے دیکھا تو جبلی طور پر میں پھرتی سے جھک گیا۔

کمر پر لگنے والی تیز ضرب نے مجھے سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ میرے پیچھے کھڑا ہوا اسپٹ تھا، جس نے اپنے چاقو کے دستے سے وہ ضرب لگائی تھی۔ اس کے نتیجے میں فیلڈز کا دوسرا تھپڑ میرے رخسار پر پڑا۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا لیکن بولا کچھ نہیں۔ بولنا بات بڑھانے کے مترادف تھا، اور بات کا بڑھنا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ فیلڈز جیسے انا پرست لوگوں کو فیصلے بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔

فیلڈز کے دانت نکل پڑے۔ وہ بڑی بے رحمی سے مسکرایا ''واپس آنے والے تم اکیلے نہیں ہو'' اس نے کہا۔ پھر دوسرے کمرے کی طرف رُخ کر کے چلایا ''رونی! میرے لیے ڈرنک لے کر آؤ۔ دیکھو تو تمہارا ایک پرانا دوست مجھ سے ملنے آیا ہے۔''

میں نے اس دروازے کی طرف دیکھا۔ شاید میرے کان بج رہے تھے۔ پھر وہاں مجھے ڈیبورا نظر آئی۔ ڈرنک اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ چند لمحے ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے فیلڈز کی طرف بڑھی، اور ڈرنک اسے تھما دیا۔

فیلڈز شیطنت سے اسے دیکھ رہا تھا ''ہیلو نہیں کہو گی اپنے یار کو؟''

وہ میری طرف مڑی۔اس کی آنکھوں میں عجیب ساخالی پن تھا''ہیلوڈینی''

''ہیلوڈیبورا''

فیلڈز نے میری طرف دیکھا''وہی پرانا انداز؟ ہے نا؟ کچھ بھی تو نہیں بدلا''

میں ڈیبورا کے بے تاثر چہرے کو دیکھ رہا تھا''ہاں، کچھ بھی نہیں بدلا'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''فیلڈز کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں بدلتا۔ رونی بھلا مجھ سے دور رہ سکتی تھی! خود ہی چلی آئی میرے پاس''اس نے کہا''کیوں رونی! ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

ایک لمحے کو ڈیبورا کی آنکھوں میں شعلہ سا بھڑکا، مگر فوراً ہی جل بجھا''ہاں میکس'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

فیلڈز نے اسے اپنی طرف کھینچا''رونی اپنے میکس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ ہے نا رونی؟''

ڈیبورا کے ہونٹ تھرتھرائے''ہاں میکس''

میکس نے غصے سے دور دھکیل دیا''اب تم دوسرے کمرے میں جاؤ''وہ دہاڑا۔

ڈیبورا میری طرف دیکھے بغیر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔بس ایک لمحے کو دروازہ پراُس کے قدم ٹھٹکے تھے، جیسے وہ پلٹ کر مجھے دیکھنا چاہتی ہو۔

فیلڈز میری طرف مڑا''میکسی فیلڈز کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔کوئی بھی نہیں''

میں اسے دیکھتا رہا۔ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو اس نے ثابت کردکھایا تھا۔

میں سوچ رہا تھا ڈیبورا کیوں واپس آگئی اور بین کا کیا بنا؟

فیلڈز اپنی ڈیسک کے پیچھے جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔اب وہ مجھے گھور رہا تھا''یاد رکھنا ڈینی، میکسی فیلڈز سے کوئی نہیں بچ سکتا۔''

''میں یاد رکھوں گا''

اس نے اپنا جام خالی کیا اور مجھے گھورتے ہوئے بولا''اوکے... اب تم جاسکتے ہو۔''

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔میں ہل بھی نہیں سکا۔اتنی آسانی سے.....!

''تم نے سنا نہیں'' وہ دہاڑا''دفع ہو جاؤ اور مجھ سے دور رہو۔اگلی بار خوش قسمتی تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ اگلی بار میرا موڈ اتنا اچھا نہیں ہوگا۔''اس وقت میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔اس نے ریسیور اُٹھالیا اور ماؤتھ پیس میں دہاڑا.....ہیلو.....مگر دوسری طرف کی آواز سنتے ہی اس کا لہجہ، اس کے چہرے کا تاثر اور اس کی آواز، سبھی کچھ بدل گیا۔''ہیلو سام'' اس نے بڑی تہذیب سے کہا۔ پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔ اچانک اس کو میرا خیال آیا تو اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا''اسپٹ اگر یہ خود سے نہیں جاتا تو اسے اُٹھا کر باہر پھینک دو۔''

مجھے اب کسی دعوت نامے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تیزی سے وہاں سے نکل آیا۔ باہر سڑک پر آکر مجھے احساس ہوا کہ میں آزاد ہوں۔ یہ میں اب بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ فیلڈز نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ ایک ہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ ڈیبورا نے اس کے لیے فیلڈز سے ڈیل کی ہوگی۔ شاید اسی لیے وہ مجھ سے نظر نہیں ملا رہی تھی۔ ہاں یہی بات ہے اور کچھ تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ڈھائی بجے تھے۔گھر جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سوچا، ایجنسیوں کے چکر لگالوں۔ نیلی کو میں اس واقعے کے بارے میں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں چار ایجنسیوں میں گیا۔مگر بات نہیں بنی۔انہوں نے مجھ سے اگلے روز صبح کے وقت آنے کو کہا۔ چار بجے کے قریب میں گھر کی طرف چل دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگلے روز سویرے ہی نکلنا ہوگا۔ ملازمت ملنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ بے روزگاری بڑھ گئی ہے۔

☆☆

دن زندگی کے

کتابِ چہارم

وہ کاسمیٹکس کے کاؤنٹر کے سامنے سے گزر کر آئی اور اسٹول پر بیٹھ گئی ''جی مس...... کیا حکم ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''شارٹ کوک وِدھ لائم ڈینی'' وہ مسکرائی۔ اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔

''ابھی لیں'' میں نے عقبی شیلف سے گلاس اُٹھایا اور مشروب تیار کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس کی مسکراہٹ اور گہری اور کشادہ ہوگئی۔ اس نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی۔ میں نے فوراً ہی لائٹر پیش کر دیا ''شکریہ ڈینی''

''اس کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے اس کی طرف اسٹرا بڑھائی۔

اس نے سپ کھینچتے ہوئے کہا ''سب وے پر بھی کوک ملنی چاہیے۔''

''میں تو یہ نہیں چاہوں گا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''وہاں کوک اور لائم ملے تو تم یہاں آنا چھوڑ دو گی۔''

اس نے ستائشی مسکراہٹ سے مجھے نوازا۔ میں دوسرے کاؤنٹر پر موجود جیک کی طرف بڑھ گیا۔ یہ وہاں کا کھیل تھا...... کاروبار کا حصہ تھا۔ بیس سینٹ کا مشروب اور ساتھ میں بے ضرر سا رومانس فری!

''ایک بج چکا ہے جیک۔ اب صفائی ہو جائے؟'' میں نے کہا۔

جیک نے رجسٹر سے سر اُٹھا کر کلاک کو دیکھا۔ پھر اس نے لڑکی پر نگاہ دوڑائی ''ہاں

ڈینی'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''یہ تمہارے بلونڈ بالوں اور نیلی آنکھوں کی برکت ہے نا؟''

''ان کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بس کسی کا ہونا ہی کافی ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا ''دس آنکھیں جو مجھے نظر انداز کر کے گزرتی ہیں، ان میں سے کم از کم آٹھ تمہیں دعوت ضرور دیتی ہیں۔''

''تو جلتے کیوں ہو۔ وہ آنکھیں میرے کسی کام کی نہیں اور ان کا مال تو تم سمیٹتے ہو۔''

''سچ بتاؤ ڈینی، تم ان سے استفادہ نہیں کرتے؟''

''تم مجھے جانتے ہو جیک۔ شادی شدہ ہوں، اور ایک بچی کا باپ بھی۔ میرے پاس ان حماقتوں کے لیے وقت کہاں۔ اور پھر غریب آدمی ہوں'' میں نے آئینے میں لڑکی کو دیکھا۔ وہ مسکرائی۔ میں بھی مسکرا دیا ''اور یہ بھی سن لو'' میں نے جیک سے کہا ''ان پر ہاتھ بھی رکھو گے تو چیخ چلا کر ساری دنیا کو جمع کر لیں گی۔''

وہ مسکرایا ''مذاق کر رہے ہو۔ مگر خیر...... ہاں، اب صفائی کر لی جائے۔''

میں نے لڑکی سے پیسے وصول کیے، خوش اخلاقی سے اس کا شکریہ ادا کیا، اور اس کی دی ہوئی ٹپ جیب میں ڈال لی۔

اس وقت سوا بجا تھا۔ میں تھکن سے نڈھال تھا۔ شام چھ بجے سے اب تک سوا سات گھنٹے ہو چکے تھے اور مجھے آرام کا ایک لمحہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا لیکن یہ بھی میری خوش قسمتی تھی۔ ورنہ جاب ملنا کوئی مذاق تھا۔ میں خود کتنا عرصہ خوار ہوا تھا۔

تین سال! ہاں، کبھی جاب بھی مل جاتی تھی، لیکن زیادہ دن رہتی نہیں تھی۔ کچھ بھی بہانہ ہو جاتا اور میں پھر سڑک پر ہوتا۔ جب تک نیلی کام کرتی رہی، صورتِ حال بہت خراب نہیں ہوئی۔ گزارا ہو ہی جاتا تھا۔ مگر وکی پیدا ہوئی تو سب کچھ بدل گیا۔ علم معاشیات ہمیں درس دینے لگا۔

مجھے وہ دن یاد تھا، جب نیلی کام سے گھر واپس آئی اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ ماں

بننے والی ہے۔ میرے چہرے پر اس نے نجانے کیا دیکھا ہوگا کہ ہاتھ بڑھا کر میرا بازو تھام لیا ''ڈینی...... تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' اس کے لہجے میں دکھ تھا، اور آنکھوں میں بھی۔

''ایسی بات نہیں۔ میں خوش ہوں'' میں نے کہا۔

وہ میرے نزدیک ہوگئی۔ ''تو پھر بات کیا ہے؟''

''میں پیسوں کے بارے میں سوچ رہا تھا''

''تمہیں جاب مل جائے گی۔ وقت ہمیشہ ایک سا کب رہتا ہے''

میں نے منہ پھیرا اور سگریٹ جلالی ''یہی تو میں خود کو یاد دلاتا رہتا ہوں''

اس کا دکھ اور گہرا ہوگیا ''تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ ہمارے ہاں اولاد ہونے والی ہے'' اس نے الزام دینے والے انداز میں کہا۔

''میں خوش کیوں نہیں ہوں گا'' میں نے نتھنوں سے دھواں نکالتے ہوئے کہا ''میں سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہوں اور ہر وقت ڈرتا ہوں کہ یہی حالات رہے تو ہمارا سڑکوں پر ہی ڈیرہ ہوگا''

''ڈینی!''

میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے سگریٹ کا طویل کش لیا۔

''تم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاں بچہ ہو؟''

اس کے لہجے کی اذیت میرے وجود میں دوڑ گئی۔ میرا دل دُکھنے لگا۔ میں نے سختی سے اسے کھینچا اور اپنی باہوں میں بھر لیا ''سوری نیلی، اولاد تو ہر شخص کا خواب ہوتی ہے۔ بس میں پریشان ہوں۔ خدا تو بچے مفت دیتا ہے لیکن انسانوں کو پھر بھی انہیں خریدنا ہی پڑتا ہے۔ جبکہ میں قلاش ہوں''۔

اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ وہ مسکرائی ''بچے کچھ نہیں مانگتے ڈینی...... محبت کے سوا۔''

لیکن یہ کہنا آسان تھا۔ پیسے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ مجھے یاد تھا، جب ہمارا آخری ڈالر بھی خرچ ہوگیا تو ہم ریلیف آفس گئے اور وہاں ہم نے ادھار کے لیے درخواست دی۔ کلرک نے جس طرح ہمیں دیکھا مجھے اور پھر نیلی کے پھولے ہوئے پیٹ کو۔ تو بغیر لفظوں کے اپنے تاثر سے اس نے کہہ دیا کہ جب خود کو نہیں سنبھال سکتے تو بچے پیدا کرنے کا شوق کیوں پالتے ہو۔ پھر ہمیں ایک سوال نامہ بھرنا پڑا۔ تفتیش کار ہمارے گھر آکر گھنٹوں پوچھ گچھ کرتے رہے۔ ایسی پوچھ گچھ ہوئی کہ مجھے برہنگی کا احساس ستانے لگا۔ ہماری نجی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا نہیں رہ گیا۔

اور پھر جب ہمیں امدادی چیک ملا۔ ایک موٹی عورت جوفر کا کوٹ پہنے ہوئے تھی، وہ چیک لائی تھی۔ اس نے مجھے چیک دیتے ہوئے کہا ''یہ تم لوگوں کی خوراک اور دیگر ضروریات کے لیے ہے۔''

میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''اگر ہمیں پتا چلا کہ تم نے اس سے شراب خریدی یا جوا کھیلا ہے یا اسے کہیں بھی ضایع کیا ہے تو تمہاری امداد روک دی جائے گی۔'' اس نے مجھے تنبیہ کی۔

میرا چہرہ دہک اُٹھا تھا لیکن میں اس کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر سکا۔ بلکہ مجھے لگا کہ اب میں کبھی کسی کے بھی سامنے نظر نہیں اُٹھا سکوں گا۔

وہ وکی کے پیدا ہونے سے پہلے کی بات تھی۔ پھر سٹی ہاسپٹل میں جب نرس نے پہلی بار مجھے میری بیٹی کا چہرہ دکھایا...... گلابی رنگت اور بلونڈ بال تو میری ہر شرمندگی مٹ گئی۔ میں نے سوچا، اس خوشی، اس دولت کے لیے تو ہر توہین، ہر اذیت برداشت کی جا سکتی ہے۔ صرف اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے!

پھر میں نیلی سے ملا۔ وہ جس وارڈ میں تھی، وہاں سات عورتیں اور تھیں۔ وہ مجھے آتے ہوئے دیکھتی رہی۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں کچھ کہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے جھک کر اُس کا رخسار چوما اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہمیں بیٹی ملی ہے'' اس کے لہجے میں تھکن تھی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر اس کے بال تمہارے جیسے ہیں'' اس نے جلدی سے کہا۔

''اور چہرے کے نقوش اور آنکھیں تمہاری جیسی''

وہ مسکرائی ''تو تم مایوس نہیں ہوئے؟'' اس کے لہجے میں بچوں کی سی معصومیت اور التجا تھی۔

میں نے بہت شدت سے نفی میں سر ہلایا ''میں یہی تو چاہتا تھا'' میں نے کہا ''ایک اور تم...... ایک اور نیلی''

نرس ہماری طرف چلی آئی ''اب آپ کو جانا چاہیے مسٹر فشر''

میں نیلی کو پیار کر کے وارڈ سے نکل آیا۔ میں گھر گیا اور وہاں تنہا ایک بے آرام رات گزاری۔ صبح سویرے ہی میں کام کی تلاش میں نکل گیا۔ ہمیشہ کی طرح اس روز بھی ناکامی ہوئی۔ میں نے پریشان ہو کر سوچا، کیا میں اپنی بچی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ میں نے سوچا، سام سے ملوں۔ شاید وہ کچھ مدد کرے۔ اس کا آفس امپائر اسٹیٹ بلڈنگ میں تھا۔ مجھے یاد ہے، میں ایک گھنٹہ اس عمارت کے سامنے کھڑا اپنا حوصلہ مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر میں اندر گیا اور لفٹ میں بیٹھ کر اس کے آفس کی طرف گیا۔

استقبالیہ کلرک نے مجھے اس کے آفس میں نہیں گھسنے دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھ سے نہیں ملنا چاہتا۔ میں نے نیچے جا کر پبلک فون سے اس کا نمبر ملایا۔ اس کی آواز بہت کھردری تھی۔ اس کے ابتدائی الفاظ نے ہی میرے جسم کو سرد کر دیا اور میں نے ریسیور ہک پر لٹکا دیا۔ اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے، اور میرے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ ''کیا بات ہے کڈ؟ کوئی اور چوٹ دینا چاہتے ہو؟''

مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں، جس سے میں مدد مانگ سکوں۔

نیلی بچی کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ پورا موسم گرما بے روزگاری میں گزر گیا۔ چند ہفتے

ایک جاب ملی۔ رات کا کام تھا اور تنخواہ گزارے لائق بھی نہیں تھی لیکن میں نے یہ سوچ کر قبول کر لی کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہرحال بہتر ہے۔ سوڈا فاؤنٹین میں کلرک، تنخواہ چھ ڈالر فی ہفتہ اور ٹپس مقدر کے مطابق۔ اگر میں اس ملازمت کو ریلیف والوں سے چھپا لوں تو یہ معمولی سی آمدنی اضافی بن کر خاصا کام آ سکتی ہے۔ ریلیف والوں کے ماہانہ ۲۷ ڈالر میں پورا مہینہ نہیں چل پاتا تھا۔

میں نے صفائی مکمل کی اور کلاک پر نظر ڈالی۔ ڈھائی بج رہے تھے۔ تین بجے گھر پہنچوں تو ریلیف والی کے آنے تک چند گھنٹے کی نیند تو لے سکتا ہوں۔ آج اسے چیک لانا تھا۔ اور عام طور پر وہ صبح سات بجے آ جاتی تھی۔

............☆☆............

میں بیٹھا مسز اسنائیڈر کی تخنی روں روں کرتی آواز سنے جا رہا تھا۔ میرے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہر چیز میں ماہر ہوتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ خود کو سمجھتے ہیں۔ اس وقت وہ نیلی کو گوشت کی ایک ڈش تیار کرنے کی ترکیب کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''زبردست...... ہے نا ڈینی؟'' نیلی نے اسے داد دیتے ہوئے مجھے بلایا۔

میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور گڑبڑا کر کہا ''کیا......؟ ہاں ہاں، بالکل''

''آپ میری بات نہیں سن رہے تھے مسٹر فشر'' مسز اسنائیڈر نے سرد لہجے میں مجھے تنبیہ کی۔

''میں سن رہا تھا مسز اسنائیڈر'' میں نے جلدی سے کہا ''ایک ایک لفظ سنا میں نے آپ کا''

اس نے مجھے چشمے کے پیچھے سے بغور دیکھا ''تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو مسٹر فشر'' اس نے شک آمیز لہجے میں کہا ''کیا کرتے رہے ہو رات بھر؟''

اب تو میں پوری طرح بیدار ہو گیا ''ایسی کوئی بات نہیں مسز اسنائیڈر۔ میں سونے کے لیے جلدی لیٹ گیا تھا۔ مگر رات عجیب سی بے چینی رہی اچھی نیند نہیں آئی'' وہ نیلی کی

طرف مڑی۔ میں اسے متاثر نہیں کر پایا تھا'' اور بچی کا کیا حال ہے مسز فنشر؟''

'' آپ اسے دیکھیں گی؟'' نیلی نے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں مسکرایا۔ نیلی مسز اسنائیڈر کو ہینڈل کرنا جانتی تھی۔ مسز اسنائیڈر اولاد سے محروم تھی اور بچوں سے بہت پیار کرتی تھی۔ اب چاہے میں خراٹے لیتا رہوں، مسز اسنائیڈر کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ وہ وکی میں گم ہو جائے گی۔

مسز اسنائیڈر کے رُخصت ہوتے ہی میں سو گیا۔ میری آنکھ کھلی تو مجھے لگا کہ میں گھر میں اکیلا ہوں۔ میں نے سر گھما کر وقت دیکھا۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ بیڈ سائیڈ کلاک کے پاس نیلی کا رقعہ رکھا تھا۔

'' چیک کیش کرانے جا رہی ہوں۔ پھر بل ادا کرنے ہیں۔ کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے۔ وکی کو ساتھ لے جا رہی ہوں تا کہ تم سکون سے سو سکو۔ کافی اسٹور پر موجود ہے۔ میں تین بجے تک واپس آ جاؤں گی۔''

میں نے نوٹ کو وہیں رکھا اور اٹھ کر انگڑائی لی۔ باتھ روم میں جا کر میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ میں تھکا تھکا اور اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ جلد خشک ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے پہلو میں لکیریں سی نمودار ہو گئی تھیں۔

میں نے گہری سانس لی اور شیو کی تیاری کرنے لگا۔

قفل میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی تو میں شیو سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں باہر نکلا تو دروازے میں نیلی کھڑی نظر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں وکی تھی اور دوسرے ہاتھ میں شاپنگ بیگ۔ میں نے بڑھ کر وکی کو گود میں لے لیا۔ نیلی سامان لے کر کچن میں چلی گئی۔

''میں نے گروسری والے کو اور قسائی کو ادائیگی کر دی'' اس نے بتایا ''اور فلیٹ کا کرایہ ادا کرنے کے بعد میرے پاس ۶ ڈالر بچے ہیں''

''گڈ'' میں نے کہا۔ اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ وکی بہت چپ چپ ہے۔ ورنہ

عام طور پر میرے پاس آ کر وہ خوب ہاتھ پاؤں چلاتی، خوب کھیلتی تھی۔ ''یہ وکی کو کیا ہوا؟'' میں نے نیلی سے پوچھا۔

'' پتہ نہیں'' نیلی نے فکرمندی سے کہا'' صبح سے یہی کیفیت ہے اس کی۔ اسٹور میں تو رونے لگی تھی۔ اسی لیے تو میں جلدی گھر آ گئی۔''

میں نے وکی کو ہاتھ پھیلا کر اپنے سامنے کیا اور اس کا جائزہ لیا'' کیا ہوا میری ننھی گڑیا کو؟'' میں نے انگلی سے اسے گدگدایا۔ میں معمول کے مطابق اس کی کھلکھلاہٹ کا منتظر تھا۔

لیکن وہ تو رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز سے کمرا بھر گیا۔ میں بوکھلا کر نیلی کی طرف مڑا۔ بچی روتی تو مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بلکہ میری انگلیاں سن ہو جاتی تھیں۔

'' لاؤ، اسے بیڈ پر لٹا دوں'' نیلی نے کہا اور بچی کو مجھ سے لے لیا'' سوئے گی تو شاید بہتر ہو جائے گی۔''

میں بیٹھ کر کافی پینے لگا اور نیلی بچی کو تھپکنے لگی۔ میں نے اخبار کا جائزہ لیا۔ ریلیف بیورو کے بارے میں ایک آرٹیکل چھپا تھا کہ وہ کچھ ایسے لوگوں کے بارے میں تفتیش کر رہے ہیں جو غیر مستحق ہونے کے باوجود ان سے ناجائز طور پر امداد حاصل کر رہے ہیں۔

نیلی واپس آئی تو میں نے وہ آرٹیکل اسے دکھایا'' تمہارے خیال میں مسز اسنائیڈر کو تم پر شک ہے؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے کندھے جھٹک دیے'' بہ ظاہر تو شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ جب بھی آتی ہے، میں گھر پر ہی موجود ہوتا ہوں''

''ہو سکتا ہے، کسی پڑوسی نے تمہارا بے وقت آنا نوٹ کیا ہو، اور اسے بتایا ہو''

''ایسا کوئی نہیں کرے گا۔ ہر شخص اپنی پریشانیوں میں گم ہے۔''

''مگر آج صبح اس کا طرزِ عمل عجیب سا تھا۔ جیسے وہ کچھ جانتی ہو۔''

''بھول جاؤ'' میں نے کہا'' وہ کچھ بھی نہیں جانتی''

وکی پھر رونے لگی۔ اس بار رونے کے دوران وہ کھانس بھی رہی تھی۔ وہ گہری اور

بھاری کھانسی تھی۔ ایک لمحے کو ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر نیلی پلٹی اور بیڈ روم کی طرف لپکی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔

میرے پہنچنے تک نیلی نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا تھا اور اس کی کھانسی رُک گئی تھی۔ وہ اسے تھپک رہی تھی۔ نیلی نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا ''اس کا جسم گرم ہو رہا ہے۔''

میں نے ہتھیلی سے وکی کی پیشانی کو چھوا ''لگتا ہے، بخار ہے۔''

''رات کو بھی کھانسی ہو رہی تھی اسے۔ میرا خیال ہے، ٹھنڈ لگ گئی ہے۔''

''یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں۔ نیلی کو خود ایک ہفتے سے کھانسی تھی۔''ہمیں ڈاکٹر کو بلانا چاہیے۔''

بچی پھر رونے لگی۔ ہم دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ نیلی نے بچی کو اور پھر مجھے دیکھا ''میرا خیال ہے، ڈاکٹر کو بلانا ہی پڑے گا'' اس نے کہا۔

''میڈیکل کارڈ کچن کے شیلف پر رکھا ہے۔ نیچے ہال میں فون موجود ہے۔ جلدی کرو۔''

☆☆

ڈاکٹر نے بچی کا معائنہ کیا، پھر نیلی کو اشارے سے بلایا ''آپ کے شوہر بچی کو پنگھوڑے میں لٹا دیں تو میں آپ کا معائنہ کروں۔''

''بچی ٹھیک تو ہے'' نیلی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''میں وکی کو پنگھوڑے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''اسے ٹھنڈ لگی ہے، جس نے اس کے گلے کو جکڑ لیا ہے۔ میں اسے دوا دے دوں گا۔ آپ ذرا منہ کھولیں اپنا...... آ...... آ''

نیلی نے منہ کھولا۔ ڈاکٹر اس کے حلق کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے نیلی کو کھانسنے کو کہا۔ مگر نیلی پر سچ مچ کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ ڈاکٹر نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے

تھرمامیٹر نکال لیا۔

''کوئی مسئلہ ہے؟'' نیلی نے پوچھا۔

ڈاکٹر نے اسے دیکھا اور مسکرایا ''آپ پریشان نہ ہوں مسز فشر'' اس نے کہا ''مجھے چیک کرنا ہے کہ آپ کو بخار تو نہیں ہے'' اس نے نیلی کے منہ میں تھرمامیٹر لگایا اور پیڈ نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔

میں اتنی دیر میں وکی کو لٹا کر اسے ڈھانپ چکا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا ''آپ کے پاس اسائنمینٹ نمبر ہے؟''

''کچن میں ہے۔ میں ابھی لایا''

میں واپس آیا تو ڈاکٹر تھرمامیٹر دیکھ رہا تھا ''بخار تو آپ کو بھی ہے مسز فشر'' اس نے کہا ''آپ کو اس کا پتا تھا؟''

نیلی نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کے لیے چند روز تک بیڈ ریسٹ ضروری ہے۔''

''لیکن ڈاکٹر! آپ نے مجھے وکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا'' نیلی نے احتجاج کیا۔

ڈاکٹر نے بدمزگی سے اسے دیکھا ''دونوں کا ایک ہی مسئلہ ہے۔ گلے آئے ہوئے ہیں۔ نزلہ ہے اور بخار ہے۔ میں نسخہ لکھ رہا ہوں۔ حسب ہدایت استعمال کرتی رہیں۔ جلد ہی دونوں ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''آپ کا خیال ہے، بچی کی بیماری کا سبب میں ہوں؟'' نیلی نے پوچھا۔

ڈاکٹر پھر لکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ ''اسے آپ سے لگی یا آپ کو اس سے، یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ آپ یہ فارم بھر دیجیے، دوا لیتی اور دیتی رہیے اور سردی سے بچتی رہیے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں، نمبر ملا آپ کو'' وہ میری طرف مڑا۔

میں نے خاموشی سے کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ کارڈ ہمیں ریلیف بیورو والوں نے دیا تھا۔ ڈاکٹر اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھنے لگا۔ پھر اس نے ریلیف کارڈ کے

ساتھ ایک کاغذ میری طرف بڑھایا ''یہ اپنے ریلیف انویسٹی گیٹر کو دے دینا'' یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ اُٹھالیا ''میں کل پھر چکر لگالوں گا۔''

''یس ڈاکٹر''

دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹا اور تنبیہی لہجے میں بولا ''میری ہدایات پر عمل کرنا۔ مکمل بیڈ ریسٹ اور حسب ہدایت وقت پر دوالینا بہت ضروری ہے۔''

اس کے جانے کے بعد نیلی نے مجھے دیکھا۔ غصہ میرے اندر اُمنڈ رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کے دیے ہوئے کاغذ کو گولا بنا کر ایک طرف اُچھال دیا ''انہیں صرف اپنی دو ڈالر فیس کی پروا ہے'' میں نے غصے سے کہا ''سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے بدبخت، صرف اس لیے کہ ہم خیراتی مریض ہیں۔ عام مریضوں سے یہ اس طرح بات نہیں کرتے۔''

نیلی کھانسنے لگی ''لیکن ہم لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں'' اس نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان کہا ''کم از کم وہ آیا تو۔ ورنہ کچھ تو ایسے ہیں کہ آنے کی زحمت بھی نہیں کرتے۔''

''اس کا انداز ایسا تھا جیسے ہم انسان نہیں، کچرے کا ڈھیر ہوں'' میرا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

نیلی بیڈ کی طرف گئی اور اس پر ڈھیر ہوگئی ''اب تم نے دیکھ لیا نا ڈینی کہ لوگ کیسے کیسے ہوتے ہیں۔''

اس کا تحمل دیکھ کر مجھے اپنے اشتعال پر شرمندگی ہونے لگی۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اگر میں دنیا کو اور لوگوں کو اب بھی نہیں سمجھا تو شاید کبھی نہیں سمجھ سکوں گا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما ''لاؤ، نسخہ مجھے دو۔ میں ڈرگ اسٹور جا کر دوا بنوالاؤں۔ میرا خیال ہے، آج مجھے چھٹی کرنی ہوگی۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں ڈینی! تم بس دوا لا دو۔ کام پر جانا ضروری ہے۔ ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے۔''

''لیکن ڈاکٹر نے تمہارے لیے بیڈ ریسٹ تجویز کیا ہے۔''

وہ مسکرائی ''ڈاکٹر تو یہی کہتے ہیں۔ اب کوئی محض ٹھنڈ کی وجہ سے بستر تو نہیں پکڑ

سکتا۔ تم کام پر جاؤ۔ تمہارے واپس آنے تک ہم دونوں ٹھیک ہو چکے ہوں گے۔''

☆☆

میں دوڑتے ہوئے سیڑھیاں چڑھا اور اپنے دروازے کے سامنے رُکا۔ میں نے قفل میں چابی لگائی۔ اندر سے نیلی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے چابی گھمائی۔ دروازہ کھولا، دروازہ بند کر کے میں بیڈ روم کی طرف لپکا ''نیلی! تم جاگ رہی ہو؟'' میں نے اسے پکارا۔

میں دروازے پر ٹھٹھک گیا۔ نیلی پنگھوڑے پر جھکی ہوئی تھی، اور اب سیدھی ہو رہی تھی ''ڈینی!'' اس کے منہ سے وحشت بھری آواز نکلی۔

میں لپک کر اس کے پاس پہنچا ''کیا بات ہے نیلی؟''

اس نے میری جیکٹ تھام کر مجھے جھنجھوڑ ڈالا ''تمہیں کچھ کرنا ہوگا ڈینی'' وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔ بات کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا ''وکی تو بخار میں بھن رہی ہے۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کر پنگھوڑے میں لیٹی ہوئی اپنی بچی کی پیشانی کو چھوا۔ وہ تو واقعی انگارہ ہو رہی تھی۔

''ایک سو تین بخار ہے'' نیلی کی آواز لرز رہی تھی۔

میں نیلی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی اپنی کیفیت بھی اچھی نہیں تھی۔ میں نے اپنی آواز کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی ''تم پریشان نہ ہو۔ بچوں کو تیز بخار بھی ہو جاتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے، تمہارا بخار بھی بڑھ گیا ہے۔''

''میری فکر مت کرو'' اس کا لہجہ ہسٹریائی تھا ''ہمیں وکی کے لیے کچھ کرنا ہے۔''

میں نے اس کے کندھے تھام کر کہا ''پرسکون ہو جاؤ۔ میں نیچے جا کر ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں''

وہ رو رہی تھی۔ آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ ''جاؤ ڈینی، جلدی کرو۔ میری بچی دہک رہی ہے۔ جاؤ ڈینی......''

میں نے نیچے جا کر فون کیا۔ کئی گھنٹیاں بجیں، تب کہیں فون ریسیو کیا گیا۔ کسی نے نیند بھری آواز میں کہا ''یس؟''

''ڈاکٹر ایڈمز؟''

''بات کر رہا ہوں''

''ڈوک! میں ڈینی فشر بات کر رہا ہوں'' میں نے جلدی جلدی کہا ''آج آپ میری بچی کو دیکھنے آئے تھے نا......''

''ہاں ہاں، مجھے یاد ہے۔'' ڈاکٹر نے چڑ چڑے پن سے کہا۔

''آپ فوراً آ جائیں ڈاکٹر۔ بچی کو اب ۱۰۳ بخار ہے۔''

''وہ سو رہی ہے؟''

''جی ہاں لیکن اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور وہ پسینے میں نہا رہی ہے۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے ڈاکٹر۔ اور میری بیوی کا بخار بھی بڑھ گیا ہے۔''

''میری تجویز کی ہوئی دوائیں دی تھیں؟''

''جی ہاں ڈاکٹر''

''بس تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر فشر۔ شدید نزلے میں بخار رات کے وقت بڑھ جاتا ہے۔ دونوں کو کوئی گرم چیز دو اور ڈھانپے رکھو۔ صبح تک دونوں بہتر ہو جائیں گی۔ پھر میں آ جاؤں گا۔''

''لیکن ڈاکٹر......'' میں نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

''میری ہدایات پر عمل کرو مسٹر فشر'' ڈاکٹر کے لہجے میں قطعیت تھی۔ پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں چند لمحے ڈیڈ ریسیور کو گھورتا رہا۔ پھر میں نے اسے ہک پر پٹخ دیا۔

میں گھر میں داخل ہوا تو نیلی نے مجھ سے پوچھا ''وہ آ رہا ہے؟''

''نہیں'' میں نے سرسری لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ میں اس کی پریشانی بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ ''اس نے کہا، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بخار

تو رات کو زیادہ ہو ہی جاتا ہے۔'' میں نے ڈاکٹر کی ہدایات دہرا دیں۔

''ڈینی! تمہارے خیال میں کوئی خطرہ تو نہیں؟'' اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

میں نے مسکرا کر اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ حالانکہ میں خود حوصلے سے محروم تھا ''سب ٹھیک ہے جان۔ دیکھو نا، وہ ڈاکٹر ہے۔ ہم سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہے۔ اس نے کہا ہے تو ٹھیک ہی کہا ہوگا'' میں اسے سہارا دے کر بیڈ کی طرف لے گیا ''تم لیٹ جاؤ۔ میں تمہارے لیے چائے بناتا ہوں۔ تمہاری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ ہچکچاتے ہوئے لیٹ گئی۔ ''پہلے وکی کو فیڈر میں چائے دینا، پھر مجھے......''

''ہاں نیلی۔ بس اب تم کمبل اوڑھ کر لیٹ جاؤ''

☆☆

میں چائے کی پیالی لے کر آیا اور بیڈ کے کنارے پر ٹک گیا۔ ''اُٹھو اور چائے پی لو۔ طبیعت بہتر ہو جائے گی۔''

وہ پیالی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر منہ تک لے گئی۔ ایک گھونٹ لینے کے بعد اس نے کہا ''اچھی ہے...... بہت اچھی''

میں مسکرایا ''اچھی کیوں نہ ہو۔ ڈینی فشر نے جو بنائی ہے۔''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی ''اب ذرا وکی کو دیکھ لو۔ کیسی ہے وہ؟''

میں پنگھوڑے کی طرف گیا اور جھک کر اپنی بچی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھی ''سکون سے سو رہی ہے'' میں نے اعلان کیا۔

نیلی نے چائے کی پیالی خالی کر کے مجھے دی اور پھر تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی ''ارے...... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم کتنی خوبصورت ہو'' میں نے کہا۔

وہ مسکرائی۔ لیکن اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی ''راتوں کو کام کرنے سے تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے ڈینی'' اس نے مذاقاً کہا۔

میں نے لائٹ آف کر دی ''اب تم سو جاؤ بے بی'' میں نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔

کچن میں جا کر میں نے پیالیاں دھو کر رکھیں۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر پاؤں پھیلا لیے۔ تھکن سے میرا برا حال تھا۔ اچانک میرے کانوں میں بچی کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے سگریٹ بجھایا اور لپک کر بیڈ روم میں گیا۔ وکی کھانس رہی تھی۔ وہ گہری کھانسی تھی، سینے کو ہلا ڈالنے والی۔ میں نے کمبل میں لپٹی ہوئی اپنی بچی کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور اسے تھپکنے لگا۔ یہاں تک کہ کھانسی تھم گئی۔

نیلی بے سدھ سو رہی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وکی کی کھانسی سے اس کی نیند خراب نہیں ہوئی۔ میں نے بچی کے چہرے کو چھو کر دیکھا۔ وہ اب بھی تپ رہا تھا۔ اس کا ننھا سا ہاتھ میرے کندھے پر تھا۔ مگر اب وہ سو رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے اسے پنگھوڑے میں لٹا دیا۔

میں پھر کچن میں گیا۔ وہاں کی لائٹ آف کر کے میں بیڈ روم میں واپس آیا اور پنگھوڑے کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ ہاتھ بڑھا کر میں نے اس کے ہاتھ کو چھوا۔ جبلی طور پر اس کی ننھی منی اُنگلیاں میری درمیانی انگلی سے لپٹ گئیں۔ میں اسی حالت میں بیٹھا رہا تا کہ اس کی نیند خراب نہ ہو۔

کھڑکی سے چاندنی نظر آ رہی تھی، جیسے وہ کوئی نئی نویلی رات ہو، جیسے وہ کوئی اور ہی دنیا ہو۔ کھڑکی سے باہر! پھر وکی نے حرکت کی۔ میں نے پنگھوڑے میں دیکھا۔ اب وہ کروٹ سے لیٹی ہوئی تھی۔ میری بیٹی! میں نے فخر سے سوچا۔ اس کی بیماری نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں پہلی بار میں نے جانا تھا کہ وہ میرے لیے کتنی قیمتی ہے۔ ''میں تمہارے اس عرصے کی تلافی کروں گا وکی'' میں بڑبڑایا۔ اپنی آواز نے مجھے خود بھی ڈرا دیا۔

میں نے گھبرا کر نیلی کی طرف دیکھا۔ مگر وہ بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے پھر پنگھوڑے میں جھانکا۔ مگر اس بار وہ بڑی محتاط سرگوشی تھی۔ ''وکی بے بی! جلدی سے اچھی ہو جاؤ، اپنے ڈیڈی کی خاطر۔ باہر بہت بڑی دنیا تمہاری منتظر ہے، جو تمہارا ڈیڈی تمہارے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہے۔''

اس نے پھر حرکت کی اور میں نے پھر پنگھوڑے میں جھانکا۔ میں نے سوچا، میں کتنا بے خبر، کتنا نادان ہوں۔ سمجھ ہی نہیں سکا کہ میری بچی نے مجھے کتنا دولت مند بنا دیا ہے۔ میں نے چھت کی طرف منہ اُٹھا کر دعا کی ''پلیز گاڈ...... پلیز گاڈ...... اسے صحت عطا کر دو۔''

نیلی سوتے میں کھانسنے لگی۔ پھر اس نے کروٹ بدلی۔ میں اپنی کرسی سے اُٹھا اور جا کر اسے دیکھا۔ کمبل اس کے جسم سے ہٹ گیا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے کمبل اوڑھایا اور اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔

وہ رات شاید بہت طویل بھی تھی اور ساکت بھی۔ مجھے اونگھ آنے لگی۔ کئی بار میں نے سر جھٹکا اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ہر کوشش ناکام رہی۔ پریشانی نے تھکن کو اور بڑھا دیا تھا۔

☆☆
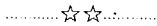
میرے کانوں میں دور سے...... بہت دور سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ میری پلکیں تھرتھرائیں تو مجھے اُجالے کا احساس ہوا۔ میں نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں اور پنگھوڑے میں دیکھا۔ وکی بری طرح کھانس رہی تھی۔ جھٹکے لے رہی تھی۔ میں نے اسے گود میں اُٹھایا اور تھپکنے لگا لیکن اس بار اس کی کھانسی رُکی نہیں۔ اس کی آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں اور پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے، میرے ہاتھوں میں اس کے جسم میں کھنچاؤ سا آیا۔ اکڑن سی پیدا ہوئی، اور اس کے چہرے کی رنگت نیلی ہو گئی۔

میں نے گھبرا کر اس کے منہ سے اپنا منہ ملایا اور اسے سانس دینے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے دونوں ننھے منے پہلوؤں پر ہتھیلیوں سے ہلکا سا دباؤ ڈالا اور دوبارہ اسے سانس دی۔ میں جانتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس دکھ کی شدت سے مجھے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

میں اس کے پھیپھڑوں کو اپنی سانس، اس کے جسم کو اپنی زندگی دینے کی پیہم کوشش

کرتا رہا، اس کے باوجود کہ میں جانتا تھا، سب کچھ بے سود ہے۔ اب میں یا کوئی اور...... کوئی بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ کبھی نہیں!

میں اسے گود میں لیے ساکت کھڑا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا اس کے ننھے سے وجود کو ٹھٹھرا رہی تھی۔ یہ...... یہ میری بیٹی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو میرے منہ میں اُتر رہے تھے۔ زبان پر نمک کا ذائقہ تھا۔

''ڈیڈی!'' نیلی نے خوفزدہ لہجے میں مجھے پکارا۔

آہستہ سے میں اس کی طرف پلٹا۔ دیر تک میں اسے دیکھتا رہا۔ ان لمحوں میں بغیر کچھ کہے میں نے ہزاروں باتیں اسے کہہ دیں، اور اس نے سماعت کے بغیر وہ سب کچھ سن بھی لیا۔ وہ جان گئی۔ بلکہ وہ پہلے سے جانتی تھی۔ نجانے کیسے؟ اس سے تو وہ خوف زدہ تھی۔ اس نے وکی کی طرف بانہیں پھیلا دیں۔ دھیرے دھیرے چلتا میں اس کی طرف گیا اور بچی کو اسے سونپ دیا۔ وہ ہماری بچی تھی!

............☆☆............

ہم چڑھ رہے تھے، اور چوبی سیڑھیاں ہمارے بوجھ تلے چرچرا رہی تھیں۔ کب سے وہ ہمارے لیے جانی پہچانی آواز تھی لیکن آج اس میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں تھی۔ وہ خوشی جو تقریباً ساڑھے تین سال پہلے یہیں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم نے محسوس کی تھی۔

تب ہم خوش تھے، جوان تھے اور زندگی ایک روشن دن کی طرح تھی۔ امکانات سے روشن دن کی طرح ہم ہنس رہے تھے۔ ہماری رگوں میں خون کی جگہ ہیجان دوڑتا تھا۔ میرے ذہن کے کسی تہہ خانے میں ایک یاد تھی کہ کیسے میں نے اسے گود میں اُٹھا کر چوکھٹ پار کرائی تھی لیکن وہ بہت پرانی، دھندلائی ہوئی یاد تھی۔ صدیوں پرانی یاد!

وہ مجھ سے ایک قدم آگے تھی۔ میں اس کی پیٹھ دیکھ رہا تھا۔ سیدھی اور سخت کمر۔ وہ مضبوط تھی...... ہمیشہ مضبوط رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نہ ہونٹوں پر سسکیاں، نہ اپنے دکھ پر کوئی گلہ۔ بس اس کی سیاہ آنکھوں میں اس کا دل نظر آ رہا تھا۔

یہ وہ دن تھا، جسے بھلانے کی کوشش کی جاتی ہے، جسے اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے میں دفن کر دیا جاتا ہے، تا کہ آپ کو اپنا نقصان کبھی یاد نہ آئے۔ آپ کے کانوں میں تدفین کے موقع پر پڑھی جانے والی دعائیں نہ گونجیں تا کہ آپ قربان گاہ پر روشن شمعوں کو بھول جائیں۔ آپ کو تابوت کا رنگ یاد نہ رہے۔ زمین میں قبر بنانے والے کدال اور بیلچے کی دھاتی آوازیں آپ کو نہ ستائیں اور تابوت پر گرتی ہوئی مٹی کی آواز دل پر پتھروں کی طرح نہ گرے۔

بھول جاؤ! بھول جاؤ!! بھول جاؤ!!!

لیکن کوئی کیسے بھول سکتا ہے؟ اپنے پڑوسیوں کی غم گساری، ان کی ہمدردی اور مہربانی؟ آپ ان کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ آپ کے پاس اپنے بچے کی تدفین کے لیے کچھ بھی نہیں۔ وہ مدد نہ کریں تو آپ اپنے بچے کو خود ہی گڑھا کھود کر بے کفن دفنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کوئی پانچ ڈالر دے، کسی کے پاس صرف دو ڈالر ہوں، کوئی دس دے اور کوئی چھ۔ یوں ۷۰ ڈالر اکٹھے ہو جائیں۔ آپ کے اپنے وجود کے ایک حصے کی تدفین کے لیے، جو کبھی تھا اور اب نہیں رہا، اس کا تابوت، اس کے لیے دعا، گز بھر زمین کہ اسے ایک گھر مل جائے۔ ۷۰ ڈالر جو انہوں نے اپنی ضرورتوں کا گلا گھونٹ کر، اپنی عسرت زدہ زندگی سے نچوڑ کر آپ کو دیے کہ آپ کے بے پناہ دکھ میں اک اور بے پناہ دکھ کا اضافہ نہ ہو جائے۔

کوئی انسان ہو کر یہ سب کیسے بھول سکتا ہے!

آپ بھولنا چاہتے ہیں، لیکن نہیں بھول سکتے۔ آپ کے اپنے جو آپ کو چھوڑ بیٹھے، جو آپ کی طرف سے ایک اور چوٹ کھانے سے ڈرتے ہیں اور وہ غیر، جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر آپ کی تلخی کو زہر بننے سے بچا لیا۔ یہ کیسے بھول سکتے ہیں آپ؟ ہاں، کسی دن آپ کے وجود کے اندر گرتی وقت کی ریت کے نیچے یہ سب دفن ہو جائے گا لیکن مٹے گا نہیں، بھلایا نہیں جا سکے گا، اس بچی کی طرح...... میری بیٹی کی طرح!

میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اسے بے رحمی سے جوتے سے مسل دیا

''تمہیں اب لیٹ جانا چاہیے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے'' میں نے کہا۔

وہ آہستہ سے میری طرف مڑی ''مجھے بالکل تھکن نہیں ہے۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ برف ہو رہا تھا ''بہتر یہی ہے کہ تم لیٹ جاؤ''

اس کی آنکھیں بیڈ روم کے دروازے کی طرف اُٹھیں، پھر مجھ پر آ ٹھہریں۔ اس کی نگاہوں میں تنہائی تھی ''ڈینی! میں بیڈ روم میں نہیں جا سکتی۔ وہاں اس کا پنگھوڑا ہے، اس کے کھلونے ہیں......'' اس کی آواز ڈوب گئی۔

اس کے محسوسات مجھ پر روشن تھے۔ میں اسے سمجھ رہا تھا ''جو ہونا تھا، ہو گیا بے بی۔ اب ہمیں آگے بڑھنا ہے، زندہ رہنا ہے۔ زندگی تسلسل کا نام ہے۔ اس میں توقف تو ممکن ہی نہیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

اس نے میرے ہاتھ سختی سے تھام لیے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اُمنڈ رہی تھی ''ایسا کیوں ڈینی...... کیوں؟''

مجھے جواب نہیں معلوم تھا، لیکن جواب دینا ضروری تھا ''کیونکہ انسان مجبور محض ہے۔ کیونکہ ہمارے جینے میں ہی ہماری بچی کی خوشی ہے۔''

''وہ میری بے بی تھی...... میری ننھی سی بچی۔'' وہ پہلی بار رو دی ''وہ میری ننھی بچی کیا چاہتی تھی...... بس جینا۔ لیکن میں ناکام رہی۔''

میں نے اسے لپٹا لیا۔ بچے سے محروم ہونے والی ماں کو تسلی دینا ناممکن ہوتا ہے لیکن مجھے کوشش کرنی تھی ''اس میں تمہارا کیا قصور نیلی؟ کسی کا بھی قصور نہیں۔ یہ سب تو خدا کے اختیار میں ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں ڈینی۔ میرا قصور تھا۔ شروع ہی سے میرا قصور تھا۔ میں نے ایک گناہ کیا اور اس میں اسے حصہ دار بنا لیا اور اس کی سزا مجھے نہیں، اسے ملی۔ میں نے یہ سمجھنے کی غلطی کی کہ میں خدا سے زیادہ، خدا سے بہتر جانتی ہوں۔''

اس کی آنکھوں میں ایسی دہکتی ہوئی دیوانگی تھی، جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''میں نے گناہ کیا اور میں حالتِ گناہ میں رہتی تھی'' اس نے تند لہجے میں کہا ''میں نے اپنی شادی، اپنی ازدواجی زندگی کے لیے کبھی خدا سے تائید نہیں چاہی۔ میرے لیے انسانی تائید کافی تھی۔ تو پھر میں اپنی بچی کے لیے خدا سے رحمت کی توقع کیسے رکھ سکتی ہوں۔ فادر برینن نے شروع ہی میں بتا دیا تھا مجھے۔''

''فادر برینن نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''آج چرچ میں بھی انہوں نے یہی کہا کہ خدا ہماری بچی کو خوش آمدید کہے گا'' میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا ''ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، اب بھی کرتے ہیں۔ بس خدا کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وہ اور کچھ نہیں کہتا ہم سے۔''

اس نے اُداس نظروں سے مجھے دیکھا اور نرمی سے میرے چہرے کو چھوا ''میرا ڈینی بیچارہ...... کچھ بھی تو نہیں سمجھتا۔''

میں نے جواباً اسے دیکھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے نزدیک تو دو افراد کے درمیان محبت ہی سب سے بڑی حقیقت تھی۔ اگر وہ محبت سچی تھی تو یہ خدا کا کرم تھا، نعمت تھی ''آئی لو یو''

وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے ترحم آمیز نظروں سے مجھے دیکھا ''تم سمجھتے ہو کہ تمہاری محبت ہی سب کچھ ہے۔ اس کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ خدا کے نزدیک یہ ناکافی ہے۔''

میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا ''ہمارے لیے ہمیشہ ہماری محبت ہی کافی رہی ہے۔''

اس کی نگاہیں بہت دور کہیں دیکھ رہی تھیں۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''یہی غلطی تو کرتے رہے ہیں ہم لیکن اب میں نے جان لیا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ ہمیں صرف اپنے ساتھ، اپنے لیے نہیں جینا ہوتا۔ ہمیں خدا کے ساتھ، خدا کے لیے بھی جینا ہوتا ہے۔''

پھر وہ بیڈ روم میں چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ بستر کی چرچراہٹ سے اندازہ ہوا

کہ وہ لیٹ گئی ہے۔ پھر اندر خاموشی چھا گئی۔ میں نے ایک اور سگریٹ سلگائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔ یہ وہ دن تھا جسے بھول جانے کو جی چاہتا تھا لیکن کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔ خاموشی میری ہڈیوں تک میں اُتری جا رہی تھی!

☆☆

مجھے اپنا جسم سن ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت تھی۔ نیم خوابی اور نیم بیداری۔ شاید ایسا تھا کہ میرا جسم سو رہا تھا اور میرا دماغ جاگ رہا تھا۔ میرے پاس سوچوں اور خیالات کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خیالات بھی نامکمل اور بکھرے بکھرے اور لنگڑی لولی نامکمل یادیں جو دماغ میں چکرا رہی تھیں، اذیت دے رہی تھیں، لیکن جسم اس اذیت سے بےخبر تھا۔

شاید اسی لیے پہلی بار میں بزر کی آواز نہیں سن سکا۔ نہیں، یہ غلط ہے۔ آواز میں نے سنی، لیکن اسے پہچان نہیں سکا۔ مگر دوسری بار بزر کی آواز میں ایک پیہم اصرار تھا۔ تب مجھے خیال آیا کہ کوئی میرے گھر کے دروازے پر کھڑا ہے۔

تیسری گھنٹی نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ میں اچھل کر کرسی سے اُٹھا۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا اور حیران ہوا کہ ابھی صرف تین بجے ہیں۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ صبح کے بعد سے اب تک ایک سال گزر چکا ہے۔

میں نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک اجنبی کھڑا تھا ''کیا بات ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے اپنا والٹ نکال کر مجھے اپنا بیج دکھایا ''میں ویلفیئر انویسٹی گیٹر ہوں مسٹر فشر'' میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

''میرا نام جان مورگن ہے'' اس نے کہا ''آپ مجھے چند منٹ دے سکیں گے؟ مجھے آپ سے کچھ سوال کرنے ہیں۔''

میں اسے گھورنے لگا۔ وہ کسی بھی طرح کی جواب دہی کے لیے مناسب وقت نہیں

تھا۔ ''آپ پھر کسی وقت آ جائیے گا مسٹر مورگن''

اس نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں، بات اسی وقت ہو گی'' اس کا لہجہ کچھ ناخوشگوار ہو گیا ''مس اسنائیڈر نے آپ کے کیس کے بارے میں کچھ ایسی معلومات فراہم کی ہیں، جن کی فوری تصدیق ضروری ہے۔ اس میں آپ ہی کا بھلا ہے۔''

مجھے اس کا لہجہ، اس کا انداز بہت برا لگا۔ ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کا بیج آدمی کو خدا تو نہیں بنا دیتا۔ میں دروازے پر پھیل کر کھڑا ہو گیا ''ٹھیک ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا۔''

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اسے گھر میں بٹھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اُس نے جیب سے چھوٹی سی ایک نوٹ بک نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا ''آج آپ نے اپنی بیٹی کی تدفین کی ہے''

میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ سرد لہجے میں، بےحد غیر جذباتی انداز میں شروع ہو گیا۔ اس نے نوٹ بک میں کچھ لکھا۔ میں جانتا تھا، تمام انویسٹی گیٹر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان سے ان کی نوٹ بک چھین لو تو وہ بولنے کے قابل ہی نہیں رہیں گے۔

''سروس اور تابوت پر ۴۰ ڈالر خرچ ہوئے۔ قبرستان کی فیس ۲۰ ڈالر تھی۔ کیا یہ درست ہے؟''

''نہیں۔ تم کچھ بھول گئے ہو'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورا۔

''ہم نے چرچ میں دس ڈالر کا عطیہ بھی دیا تھا۔ یہ کل ملا کر ہوئے ۷۰ ڈالر''

اُس نے یہ اضافہ بھی پنسل کی مدد سے نوٹ بک کے سپرد کر دیا ''آپ کے پاس یہ رقم کہاں سے آئی مسٹر فشر؟''

''اس کا تم سے کیا سروکار؟''

اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ مچلی ''ہم سے زیادہ اور کسے حق ہے پوچھ گچھ کا۔ دیکھیں مسٹر فشر! آپ ریلیف پر ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ قلاش ہیں۔ یعنی آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اسی لیے تو ہم آپ کی مدد کر رہے ہیں۔ اب ایسے میں آپ ۷۰ ڈالر کی فضول خرچی کریں گے تو پوچھ گچھ تو ہوگی۔ آپ کو ہمیں بتانا ہوگا کہ یہ رقم آپ کے پاس کہاں سے آئی۔''

میری نگاہیں جھک گئیں۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں انہیں آپ پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ کو جواب دینا ہے، نہیں تو آپ کی امداد ختم۔ مجھے بتانا چاہیے تھا لیکن میری عزتِ نفس، میری غیرت نے مجھے روک دیا۔ میں اسے کیسے بتا سکتا تھا۔ یہ بات تو وکی اور اس کے والدین کے درمیان تھی۔ کوئی کسی سے پوچھے کہ تمہارے پاس اپنی بیٹی کی تدفین کے لیے رقم کہاں سے آئی تو یہ تو ظلم ہے۔ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ اس رقم کے ہوتے ہوئے تم نے اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھایا! تمہاری بیٹی رات بھر طبی امداد سے کیوں محروم رہی!

میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

''ممکن ہے، تم ہم سے چھپ کر راتوں کو نوکری کرتے رہے ہو'' اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا ''تم ہمیں دھوکا دیتے رہے ہو مسٹر فشر''

میں نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا۔ اسے یہ کیسے معلوم ہوا ''اس معاملے سے اس کا کیا تعلق؟'' میں نے کہا۔

وہ اب بڑے فخر سے مسکرا رہا تھا ''ہمارے اپنے ذرائع ہیں معلومات کے'' اس نے لہجے میں پراسراریت سموتے ہوئے کہا ''تمہیں شاید پتا نہیں۔ ہمیں بے وقوف بنانا بڑا مہنگا پڑتا ہے۔ یہ نیویارک شہر کے ساتھ فراڈ ہے۔ تم جیل بھی جا سکتے ہو۔''

اب مجھے غصہ آ رہا تھا اور میری برداشت جواب دے رہی تھی۔ اس دن کی اب تک کی اذیتیں اتنی تھیں کہ پتھر بھی چیخ جاتے۔ اس پر مستزاد یہ سفاک آدمی ''کوئی کام کرنا چاہے تو اسے جیل جانا پڑتا ہے۔ یہ تم مجھے کیا پڑھانے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں مسٹر فشر، کچھ بھی تو نہیں'' اس نے بے حد رسان سے کہا ''میں تو صرف

حقیقت جاننے کی کوشش کر رہا ہوں''

''تو سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ ۷۲ ڈالر میں تین افراد کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ اس کے نتیجے میں کبھی کبھی وہ تین سے دو ہو جاتے ہیں۔ ۷۲ ڈالر میں آدمی کو جڑ والے آلو کھانے پڑتے ہیں۔ بھوکا مرنے سے بچنے کے لیے آدمی ہاتھ پاؤں بھی نہ مارے۔''

''تو تم اعتراف کر رہے ہو کہ تم ہم پر خود کو بے روزگار ظاہر کرتے رہے، جبکہ اس دوران تم راتوں کو چھپ کر ملازمت کرتے رہے؟''

''میں نے ایسا کوئی اعتراف نہیں کیا۔''

''تو پھر بچی کی تدفین کے لیے ۷۰ ڈالر کہاں سے آئے تمہارے پاس؟''

میرے حلق میں کچھ پھنسنے لگا ''ہاں، میری بیٹی مر گئی۔ میں نے اس کی تدفین کی اور کیا کر سکتا تھا میں۔ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو اس کا علاج نہ کراتا۔ رات بھر تمہارے منحوس امدادی ڈاکٹر کی آمد کا انتظار نہ کرتا۔ میرے پاس پیسے ہوتے تو اپنی بچی کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا اور اس وقت وہ زندہ ہوتی۔''

وہ مجھے سرد نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی اسے دیکھ کر کہ کوئی انسان اتنا غیر حساس بھی ہو سکتا ہے۔

''تو تم راتوں کو کام کرتے رہے ہو؟'' اس نے دہرایا۔

اچانک تمام تلخیاں، تمام اذیتیں اور دلی تکلیفیں میرے وجود میں یکجا ہو گئیں۔ میں نے اسے ٹائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کی تھوتھنی اپنے چہرے کے قریب لے آیا ''ہاں..... میں راتوں کو جاگتا اور محنت کرتا تھا'' میں نے اسے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ وہ میری گرفت میں پھڑ پھڑانے لگا ''مجھے چھوڑ دو مسٹر فشر'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا ''یہ سب کچھ کرنا تمہارے لیے اور نقصان دہ ہوگا۔ تم پہلے ہی بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہو۔''

وہ نہیں جانتا تھا اور میں جانتا تھا کہ اس نے کتنی سچی بات کہی ہے۔ جہاں سیتاناس وہاں سواستیاناس۔ نقصان تو اب ہونا ہی تھا، تو کیوں نہ دل خوش کر لیا جائے۔ میں نے

اس کے منہ پر اُلٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا۔ وہ دیوار سے ٹکرایا۔ اس کی ناک پر خون کا دھبہ نمودار ہو گیا تھا۔

اب اُس کی نگاہوں میں خوف تھا۔ وہ ہال وے کی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ پھر وہ دیوار سے چپکے چپکے زینے کی طرف کھسکنے لگا۔ زینے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ پھر وہ ہسٹریائی انداز میں چلایا ''تم اس کا نتیجہ بھگتو گے۔ تمہاری امداد بند ہو جائے گی۔ میں تمہیں اس حال کو پہنچا دوں گا کہ تم بھوکوں مرو گے۔''

میں نے جارحانہ انداز میں اس کی طرف قدم بڑھایا تو وہ سیڑھیاں اُترنے لگا۔ میں نے ریلنگ سے نیچے دیکھتے ہوئے اسے للکارا ''تم واپس آئے یہاں تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ مجھ سے دور رہنے میں ہی تمہاری بھلائی ہے۔''

وہ اگلی لینڈنگ پر پہنچ گیا تھا۔ میں اپنے اپارٹمنٹ میں واپس چلا آیا۔ مگر میری طبیعت بگڑ رہی تھی۔ اب میں اپنے آپ سے شرمسار ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے عمل سے اس دن کے دامن کو داغ دار کر دیا تھا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا...... کم از کم آج کے دن نہیں۔

نیلی بیڈروم کے دروازے پر کھڑی تھی ''کون تھا ڈینی؟''

''ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کا ایک بندر'' میں نے اپنے لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''عقلمند بن رہا تھا۔ میں نے بھگا دیا اسے۔''

''کس لیے آیا تھا؟''

اس روز اس وقت تک جو کچھ ہو چکا تھا، وہی اس کے لیے کم نہیں تھا۔ اس میں اضافہ کرنا زیادتی ہوتی ''کچھ نہیں۔ بس کچھ پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ تم جاؤ میری جان! کچھ دیر آرام کر لو''

''انہیں تمہاری نائٹ جاب کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے نا؟'' اس کے لہجے میں یاس تھی۔

میں نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ شاید اس نے سب سن لیا تھا ''تم کچھ دیر سو جاؤ

نا۔ کوشش تو کرو'' میں نے موضوع بدلا۔

وہ ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتی رہی ''جھوٹ مت بولو ڈینی۔ یہی بات ہے نا؟''

''اگر ایسا ہے تو بھی کیا'' میں نے ظاہری بے پروائی سے کہا ''اس کی اہمیت ہی کیا ہے۔ میری جاب پر گزارا ہو سکتا ہے۔ باس نے وعدہ کیا ہے کہ جلد ہی میری تنخواہ بڑھا دے گا۔''

وہ کھڑی مجھے تکتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ میں اُس کی طرف بڑھا اور میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا ''ہمارے لیے کچھ بھی اچھا نہیں ہوگا ڈینی'' اس نے بے چارگی سے کہا ''ہم ہمیشہ پریشانیوں میں گھرے رہیں گے۔ اب آج کے دن کو ہی دیکھ لو۔ جو کچھ ہو چکا تھا، وہ کم تو نہیں تھا لیکن مجھے ڈر ہے کہ ابھی اور بہت کچھ ہونا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے بے بی'' میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا ''اب حالات بہتر ہوتے جائیں گے۔ دیکھ لینا''

''نہیں ڈینی! کچھ نہیں بدلے گا۔ کبھی نہیں بدلے گا۔ میں اپنے ساتھ تمہارے لیے صرف بدقسمتی لائی ہوں۔''

''یہ بات اپنے دل سے نکال دو۔ آدمی کو ہمیشہ برتری کی اُمید رکھنی چاہیے۔''

''اُمید! کیسی اُمید؟ تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہاری جاب ہے یا وہ بھی چھن گئی۔ چار دن سے چھٹی کر رہے ہو تم، اور تم نے وہاں فون بھی نہیں کیا۔''

''میں اس طرف سے فکرمند نہیں ہوں'' میں نے کہا لیکن یہ سچ نہیں تھا۔ مجھے پریشانیوں میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ جیک کو فون کر کے بتا دوں۔ ''جب جیک کو صورتِ حال کا علم ہوگا تو وہ سمجھ جائے گا۔''

لیکن نیلی کی نگاہوں میں بے یقینی تھی اور وہ بے یقینی مجھے اپنے دراترتی محسوس ہو رہی تھی۔

..........☆☆..........

میں اسٹور میں داخل ہوا تو جیک نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں کوئی خیر مقدمی تاثر نہیں تھا۔ میں نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں میری جگہ ایک اور شخص کام کر رہا تھا۔

''ہیلو جیک'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''ہیلو ڈینی'' اس کے لہجے میں بے مہری تھی۔

میں منتظر تھا کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھے گا۔ مگر وہ تو خاموش تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ غصے میں ہے اور مجھے ہی پہل کرنی پڑے گی ''ایک ایسی بات ہو گئی تھی جیک کہ میرا آنا ممکن ہی نہیں تھا'' میں نے کہا۔

''اور پانچ دنوں میں تمہارے لیے ایک فون کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''مجھے اس پر شرمندگی ہے جیک''

میں نے معذرت طلب لہجے میں کہا ''میں جانتا ہوں کہ مجھے فون کرنا چاہیے تھا لیکن میری ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔ میں تو سب کچھ بھول گیا تھا۔''

''دو راتوں تک میں یہاں اپنی کمر توڑتا رہا۔ تمہارا انتظار کرتا رہا۔ اُمید تھی کہ تم آؤ گے لیکن تم نے تو فون بھی نہیں کیا۔''

''میں مجبور تھا جیک۔ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں تھا''

''پانچ دن میں ایک فون کرنا بھی ممکن نہیں رہا'' اس نے بے یقینی سے کہا ''یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں''

میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے سادگی سے کہا ''میری بچی مر گئی جیک''

ایک پل خاموشی رہی، پھر وہ بولا ''مذاق تو نہیں کر رہے ہو ڈینی؟''

''یہ تو مذاق میں سوچنا بھی ممکن نہیں تھا میرے لیے۔''

اس کی نظریں جھک گئیں ''آئی ایم سوری ڈینی، رئیلی سوری''

میں نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ میرا متبادل کن انکھیوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ انداز

ایسا تھا جیسے اسے ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو میں دلچسپی ہی نہ ہو لیکن درحقیقت وہ اپنی نوکری کے لیے فکر مند تھا۔

''تو تم نے دوسرا آدمی رکھ لیا؟'' میں نے جیک سے کہا۔

اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ کہا کچھ نہیں۔

''میرے لیے کوئی جگہ نہیں تمہارے پاس؟'' میں نے کہا۔ بھوک کا عفریت میرے سامنے منہ کھولے کھڑا تھا۔

اس نے لمحاتی توقف کے بعد جواب دیا ''فی الحال تو نہیں ہے۔ آئی ایم سوری ڈینی''

اس کے لہجے میں جو ہمدردی تھی، میں اس کے لیے شکر گزاری محسوس کر رہا تھا۔

''جیسے ہی کوئی امکان نکلا میں تمہیں فون کر دوں گا ڈینی'' اس نے کہا ''اگر تم مجھے فون کر دیتے تو......''

''اگر کے ساتھ تو بہت سے جملے بولے جا سکتے ہیں جیک لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں فون نہیں کر سکا۔ کچھ یاد کرنے کی فرصت ملتی تو میں تمہیں فون کرنا بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ بہرحال تمہارا شکریہ''

باہر نکل کر میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی ساڑھے چھ نہیں بجے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نیلی کو کیا بتاؤں گا، اور کیسے بتاؤں گا۔ جبکہ اس نے تو پہلے ہی یہ خدشہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے پیدل چلنے کا فیصلہ کیا۔ فاصلہ کم نہیں تھا لیکن جو صورتِ حال تھی، اس میں ایک نکل کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔

مجھے تین گھنٹے پیدل چلنا پڑا لیکن مجھے برا نہیں لگا۔ اتنی دیر میں نیلی کا سامنا کرنے سے بچا جو رہا۔ ساڑھے نو بجے میں گھر پہنچا۔ رات خنک ہو گئی تھی لیکن میں پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد میں ہال وے میں کھڑا رہا۔ دروازہ کھولنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ نیلی کو کیا بتاؤں گا میں؟

بالآخر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ پارلر میں روشنی ہو رہی تھی لیکن اپارٹمنٹ

میں خاموشی تھی ''نیلی ......'' میں نے اسے پکارا اور اپنی جیکٹ اُتار کر الماری میں لٹکانے لگا۔

قدموں کی چاپ اُبھری، اور ایک مردانہ آواز نے کہا ''یہی ہے وہ''

میں نے گھوم کر دیکھا۔ پارلر کے دروازے پر نیلی دو مردوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ زرد اور ستا ہوا تھا۔ میں جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے میں نے دونوں مردوں میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کا وہ انویسٹی گیٹر تھا، جسے دوپہر کو میں نے مار بھگایا تھا۔

اس کی ناک پر ایک بینڈ ایج چپکی ہوئی تھی، ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور اس کے نیچے نیل تھا۔ دوسرا آدمی میری طرف بڑھا۔ اس نے مجھے پولیس کا بیج دکھایا ''تم ڈینیل فشر ہو؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مسٹر مورگن نے تم پر مار پیٹ اور تشدد کا الزام عائد کیا ہے۔ مجھے تم کو حراست میں لینا ہے۔''

میرا جسم تن گیا۔ واقعی ...... اس دن میں نجانے اور کیا کچھ ہونا تھا۔ وہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ پھر میں نے نیلی کو دیکھا اور میرے جسم کا سارا تناؤ یک لخت دور ہو گیا۔ ''میں اپنی بیوی سے چند منٹ بات کر سکتا ہوں؟''

اس نے ایک پل سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا ''ضرور'' اس نے نرم لہجے میں کہا ''ہم باہر تمہارا انتظار کریں گے'' یہ کہہ کر اس نے مورگن کا ہاتھ تھاما اور اسے دھکیلتا ہوا اپارٹمنٹ سے باہر لے گیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا ''زیادہ دیر نہ لگانا بیٹے''

میں نے تشکر آمیز نظروں سے اُسے دیکھا۔

نیلی خاموش کھڑی اپنی نظروں سے میرے چہرے کو ٹٹول رہی تھی۔ پھر وہ میری باہوں میں سما گئی اور میرے کندھے پر سر ٹکا کر سسکنے لگی ''ڈینی! میرے ڈینی، اب کیا

ہوگا؟ اب ہم کیا کریں گے؟''

میں نے نرمی سے اس کے بالوں کو تھپتھپایا۔ کیا کہوں، یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوگا اور ہم کیا کریں گے۔ مجھے تو لگ رہا تھا کہ چاروں دیواریں ہمیں گھیرے میں لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔ ذرا دیر میں ہم ان کے درمیان گھٹ جائیں گے۔

''یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟'' نیلی نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

میں نے کندھے جھٹک کیے ''مجھے نہیں معلوم'' میں نے کہا۔ مجھے کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ ایک عجیب سی بے حسی میرے وجود میں پھیل گئی تھی ''شاید مجھ پر کیس بنے گا اور پہلی سماعت تک کے لیے مجھے رہا کر دیا جائے گا''

''لیکن اگر انہوں نے تمہیں حوالات میں بند کر دیا تو؟''

میں نے مسکرانے کی کوشش کی ''ایسا نہیں ہوگا'' میں شاید صرف اسے نہیں، خود کو بھی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''اسے اتنی اہمیت نہ دو۔ میں بس چند گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔''

''لیکن مسٹر مورگن بہت بڑے آدمی ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ تمہیں جیل میں سڑوا دیں گے۔''

''وہ ذلیل آدمی! وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ جب میں حقیقت بتاؤں گا تو وہ مجھے چھوڑ دیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''میں تمہارے لیے منحوس ثابت ہو رہی ہوں ڈینی۔ کاش! تم واپس ہی نہ آئے ہوتے۔''

''اگر میں واپس نہ آتا تو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی نعمت سے محروم رہتا۔'' میں نے کہا ''جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں نہ تمہارا کوئی قصور ہے نہ میرا۔ یہ تو قسمت کی بات ہے جو فی الحال ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔

''میں بس ایک منٹ میں آیا'' میں نے پکارا اور پھر نیلی کی طرف دیکھا ''تم لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔ میں چند گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔''

اس نے شک بھری نظروں سے مجھے دیکھا ''سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں، تمہیں میری غیر موجودگی کا احساس تک نہیں ہو پائے گا اور میں واپس آ چکا ہوں گا'' میں نے الماری میں سے جیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

میں ان دونوں کے ساتھ باہر سڑک پر آیا تو مورگن نے فاتحانہ نظروں سے مجھے دیکھا ''میں نے تم سے کہا تھا نا'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

میں خاموش رہا۔

پولیس والا ہمارے درمیان تھا۔ اس نے اسے جھڑک دیا ''شٹ اپ مورگن، یہ لڑکا پہلے ہی بہت پریشان ہے۔ تم اسے ستاؤ نہیں''

میں نے کن انکھیوں سے پولیس والے کو دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مورگن کو پسند نہیں کرتا ہے۔ آنکھوں سے وہ نرم مزاج آدمی لگتا تھا۔ ہم نے دو بلاک کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ میں نے پولیس والے سے پوچھا ''عام طور پر اس طرح کے معاملات میں کیا ہوتا ہے؟''

اس نے میری طرف دیکھا ''ہم پرچا کاٹیں گے، اور پھر سماعت ہو گی۔''

''تو سماعت تک تو میں آزاد رہوں گا؟''

''بشرطے کہ تمہارے پاس ضمانت ہو'' پولیس والے کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

''ضمانت!'' میں اپنی حیرت چھپا نہ سکا ''کتنے کی ضمانت؟''

''۵۰۰ ڈالر کی تو ہو گی۔''

''اور کسی کے پاس اتنی رقم نہ ہو تو؟''

''تو تم سماعت تک جیل میں سڑتے رہو گے۔'' مورگن نے بہت تیزی سے جواب دیا۔

میں چلتے چلتے رکا اور میں نے پولیس والے کی طرف دیکھا ''لیکن میری بیوی بیمار

ہے اور آج وہ بے چاری کتنے صدموں سے گزری ہے۔ آج ہی تو ہم نے اپنی بچی کو دفنایا ہے۔ آج رات میں اسے اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''

اس نے ہمدردی سے مجھے دیکھا ''مجھے افسوس ہے بیٹے'' اس نے نرم لہجے میں کہا ''لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا کام تو تمہیں پولیس اسٹیشن پہنچانا ہے۔''

''لیکن نیلی..... میری بیوی..... وہ اکیلے کیسے رہے گی۔ وہ بچی کو یاد کرے گی اور وہ بیمار بھی ہے۔''

''کیا کر سکتے ہیں۔ تم بس چلتے رہو۔''

میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ میرے ہاتھ پر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ کبھی تو پہلی سماعت میں بھی کئی ہفتے لگ جاتے ہیں۔ میں نے مورگن کی طرف دیکھا۔ وہ پولیس والے کے اس طرف تھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت اور مسرت تھی۔ مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ میرے حالات بدتر تو تھے ہی، لیکن اس نے انہیں بدترین کے درجے پر پہنچا دیا تھا۔

میں نے سوچا، مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔ پہلی سماعت تک مجھے خود کو حوالات سے بچانا ہے۔ میں اتنے دن نیلی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ کچھ نہیں معلوم کہ وہ اس دوران کیا کر بیٹھے گی لیکن سوال یہ تھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔

سگنل کی روشنی تبدیلی ہوئی۔ ہمارے سامنے سے گاڑیاں گزرنے لگیں۔ اسی لمحے دانستہ یا نادانستہ، پولیس والے نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ جبلی طور پر میں نے آگے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ایک گاڑی کے بریک چلائے، کوئی مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ مگر میں تیر کی طرح سڑک پار کر گیا۔ حیرت ہے کہ میں کسی گاڑی کی لپیٹ میں نہیں آیا'' پکڑو...... پکڑو..... رک جاؤ'' مورگن چلا رہا تھا۔ پھر پولیس والے کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ مگر اس وقت تک میں اگلے کارنر پر پہنچ چکا تھا۔

وہاں پہنچ کر میں رکا اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مورگن فٹ پاتھ پر گرا ہوا تھا اور پولیس والا تن کر [illegible]۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا۔ اس

کے ہاتھ میں کوئی چمکتی ہوئی دھاتی چیز تھی۔ وہ چیخ چیخ کر مجھے رُکنے کو کہہ رہا تھا، لیکن ہاتھ سے مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے جان لیا کہ روئے ارض پر انسانیت کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔

☆☆

میں لمبا چکر کاٹ کر اپنے گھر گیا۔ اس سے ملنا، اسے سمجھانا بہت ضروری تھا۔ اس سے کہنا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ مگر جب میں وہاں پہنچا تو پولیس کی گشتی گاڑی بلڈنگ کے سامنے کھڑی تھی۔

میں نے سڑک پار کی اور مخالف سمت میں چلنے لگا۔ میرے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا سوا دس بج رہے تھے۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ میں نے بھاگ کر حماقت کی۔ اب خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ یونہی بھاگتا رہا تو زندگی اسی طرح بھاگتے ہوئے تمام ہوجائے گی۔ واپس آنا ممکن ہی نہیں رہے گا۔

یہ سوچ کر میں گھر کی طرف پلٹا۔ مگر مجھے یاد آیا کہ میں یہ معلوم کرنے کے بعد بھاگا تھا کہ ضمانت مجھے حوالات سے بچا سکتی ہے۔ میں رک گیا اور سوچنے لگا۔ کہیں نہ کہیں سے مجھے رقم کا بندوبست کرنا ہوگا۔ نیلی کے گھر والے اگر چاہتے تو بھی میری مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اتنی بڑی رقم کا تو ان کے پاس تصور بھی نہیں تھا۔ میرے جاننے والوں میں ایک ہی ایسا شخص تھا جو یہ رقم دینے کی اہلیت رکھتا تھا اور وہ تھا سام۔

مجھے وہ گفتگو یاد آئی، جو آخری بار ہمارے درمیان ہوئی تھی۔ میں نے سوچا، بعض اتفاقات ایسے ہوتے ہیں، جیسے کسی نے سوچ سمجھ کر انہیں ترتیب دیا ہو۔ پچھلی بار سام سے رابطہ میں نے وکی کی پیدائش کے بعد کیا تھا اور سام سمجھا تھا کہ میں اسے چونا لگانے آیا ہوں۔ اسی وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ اب کبھی اس سے مدد نہیں مانگوں گا لیکن اس وقت میں بہت بڑی پریشانی میں تھا۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، سوائے اس کے کہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، یا پھر جیل جانا قبول کرلوں۔ اب بھاگنے کے نتیجے میں تو میرا

جرم اور سنگین ہوگیا تھا۔

میں کارنر والے کینڈی اسٹور میں گیا، ڈائریکٹری میں سے اُس کا نمبر تلاش کیا اور ڈائل کیا۔

''ہیلو؟'' ایک نسوانی آواز نے کہا۔

''مسز گورڈن موجود ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''مسز گورڈن تو شہر میں موجود نہیں ہیں اور مسٹر گورڈن ابھی اپنے دفتر میں ہی ہیں۔''

''مجھے ان کے دفتر کا نمبر چاہیے۔''

اس نے مجھے نمبر لکھوا دیا۔ میں نے اپنی جیب ٹٹولی لیکن اب وہ خالی تھی۔ فون کرنے کے لیے ایک سکہ بھی نہیں تھا۔

اب مجھے پیدل ہی اپارٹمنٹ بلڈنگ جانا تھا۔ میں تیز قدموں سے چلنے لگا۔ وہ کم از کم چالیس منٹ کی مسافت تھی۔ میں دعا ہی کر سکتا تھا کہ وہ اس وقت تک دفتر سے نہ نکل جائے۔

میں وہاں پہنچا اور نائٹ ایلی ویٹرز کی طرف دیکھا۔ وہاں موجود دربان نے مجھے روک لیا ''کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے مشکوک نظروں سے مجھے گھورا۔

''بائیسویں منزل'' میں نے جلدی سے کہا ''مسٹر گورڈن سے میری ملاقات پہلے سے طے ہے۔''

اس نے رجسٹر کا جائزہ لیا اور بولا ''اوکے۔ مسٹر گورڈن موجود ہیں۔ ڈنر کے بعد وہ آئے تھے اور اس کے بعد دفتر سے نہیں نکلے ہیں۔ یہاں دستخط کردو۔'' اس نے میری طرف پنسل بڑھائی۔

میں نے دستخط کرتے ہوئے اس صفحے کا جائزہ لیا۔ جہاں میں نے دستخط کیے تھے، اس سے چار سطر اُوپر سام کے دستخط تھے اور ان کے آگے ایک دائرے میں ② لکھا تھا۔

''کیا کوئی اور بھی ہے مسٹر گورڈن کے ساتھ؟'' میں نے دربان سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر بہت دبی دبی سی مسکراہٹ تھی''ان کی سیکرٹری ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔''

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ دربان کی اس مسکراہٹ نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ میں بغیر دیکھے کہہ سکتا تھا کہ سام کی سیکرٹری بہت حسین ہوگی۔ یعنی سام بالکل نہیں بدلا تھا۔ اب بھی پہلے جیسا ہی تھا۔

میں ایلی ویٹر سے نکلا اور سام کے آفس کی طرف بڑھا۔ شیشے کے دروازوں پر اس کا نام سنہرے حرفوں سے لکھا تھا۔ دروازے کے باہر استقبالیہ کمرا نظر آ رہا تھا۔ وہاں روشنی کم تھی اور دروازے لاک نہیں تھے۔

استقبالیہ کی ڈیسک کے ساتھ آراستہ ویٹنگ روم تھا۔ وہاں ایک اور دروازہ تھا۔ میں نے اسے کھولا۔ وہ ایک بڑا جنرل آفس تھا۔ وہاں بیس کے قریب میزیں ہوں گی۔ اس آفس کے اس طرف ایک اور دروازہ تھا۔ میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

اس دروازے پر بھی سنہری دھاتی حروف میں اس کا نام لکھا تھا۔ میں نے ناب گھمائی۔ دروازہ بغیر آواز کے کھل گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ بورڈ ٹٹولا اور سوئچ آن کیا۔ کمرا اچانک ہی روشنی سے بھر گیا۔ ایک تند بڑبڑاہٹ سی اُبھری۔ میں بھی پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔ پھر ایک عورت کی ڈری ڈری چیخ سنائی دی۔ اور اچانک ہی وہ مجھے نظر آئی۔ وہ جس حال میں تھی، اس میں اس کے چہرے کی تمتماہٹ فطری تھی۔

میں نے سام کو دیکھا۔ وہ کسی بھی اعتبار سے نہیں بدلا تھا۔ پہلے جیسا ہی تھا۔ میں نے معنی خیز نظروں سے اُسے دیکھا اور باہر چلا گیا۔ باہر ایک کرسی پر بیٹھ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور انتظار کرنے لگا۔

کوئی پندرہ منٹ بعد دروازہ کھلا۔ لڑکی باہر آئی۔ اب اسے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ پندرہ منٹ پہلے میں نے اندر سام کے ساتھ جس لڑکی کو دیکھا تھا، یہ وہی لڑکی ہے۔ بہرحال مجھے مایوسی ہوئی۔ کیونکہ میں سام کے باہر آنے کی توقع کر رہا تھا۔

لڑکی نے مجھے دیکھا اور بے حد شائستگی سے کہا''اب آپ مسٹر گورڈن سے مل سکتے

ہیں'' وہ خالص سیکرٹریوں والا لہجہ تھا۔

''شکریہ'' یہ کہہ کر میں اُٹھا اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ باہر ٹائپ رائٹر کی کھٹ کھٹ شروع ہوگئی تھی۔ سام اپنی میز کے عقب میں آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔

''تم نے اچھی ترکیب نکالی'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا''کام شروع کرنے سے پہلے انہیں سکون فراہم کر دیا جائے۔ اس طرح کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔''

اس نے اپنا سگار سلگاتے ہوئے بے مہری سے مجھے دیکھا''تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

میں دل میں اس کا احترام کیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بہت سخت جان تھا۔ جس حال میں ذرا دیر پہلے میں نے اسے دیکھا تھا، اس کے بعد یہ لب ولہجہ۔ کوئی عام آدمی ہوتا تو اس وقت سخت گرمی میں موم بتی کی سی کیفیت میں ہوتا۔ ایسے آدمی سے تو سیدھی بات ہی کی جا سکتی ہے۔ میں اس کی میز کی طرف بڑھا''مجھے مدد کی ضرورت ہے'' میں نے کہا''میں بڑی مصیبت میں ہوں''

اس کی نگاہوں سے سختی جھلکنے لگی''تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟''

''اور کوئی ایسا نہیں، جو میری مدد کر سکے'' میں نے سادگی سے کہا۔

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا''تم یہاں سے نکل جاؤ لفنگے۔ میں ہٹے کٹے لوگوں کو خیرات نہیں دیتا اور نہ ہی اب تم مجھے بے وقوف بنا سکتے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں سام۔'' میں نے لجاجت سے کہا''میں بڑی مصیبت میں ہوں اور مجھے مدد کی ضرورت ہے۔'' لیکن اپنے لہجے کے برعکس میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس بار وہ مجھے ٹہلا نہیں سکتا تھا۔

وہ میز کے گرد گھوم کر جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف بڑھا''نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ پھنکارا۔

''خدا کے لیے سام، میری بات سنو'' میں نے التجا کی''میرے حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ پولیس میرے پیچھے لگی ہے، اور......''

"تم ہو ہی اسی قابل" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "تم کبھی اچھے نہیں تھے اور نہ کبھی اچھے بنو گے۔ میں نے تمہارے لیے بہت کچھ کیا۔ اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، ورنہ میں تمہیں اُٹھا کر باہر پھینکنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

اس ایک لمحے نے مجھے اندر سے تبدیل کر کے رکھ دیا، اب میں اندر سے سخت اور سرد تھا...... کسی دھات کی طرح۔ یہ شخص انسانیت کی زبان سمجھنے والا نہیں تھا۔ اس سے اسی کی زبان میں بات کرنا ضروری تھا "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا سام تو اتنی احمقانہ بات کبھی نہ کرتا" میں نے اس کے ہاتھوں پر نظر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم جسمانی فٹنس سے بہت دور ہو چکے ہو۔"

"یہ میں ابھی تمہیں دکھاتا ہوں" اس نے ہاتھ گھمایا۔

میں نے اس کا پنچ اپنی کلائی سے بلاک کیا "تمہیں اپنے سبق یاد ہیں سام؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "پہلے ڈانسر کی طرح مٹکو نہیں۔ جم کر وار کرو" یہ کہہ کر میں اس پر وار کرنے کے بجائے تھرکتا ہوا اس سے دور ہو گیا۔

وہ دونوں ہاتھ چلاتا ہوا میرے پیچھے آیا لیکن اس کے قدموں میں بھاری پن تھا۔ میں بڑی آسانی سے اس سے بچ نکلا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ فاقہ کشی کے اپنے کچھ فائدے بھی ہیں۔ آدمی پر چربی نہیں چڑھتی۔ کمزور ہو جانے کے باوجود وہ پھرتیلا رہتا ہے۔

چند منٹ میں اسے دوڑاتا رہا اور وہ جوش میں دوڑتا رہا۔ پھر وہ ریل کے انجن کی طرح ہانپنے لگا۔ اس کی پرشور سانسوں کی آواز یقیناً کمرے سے باہر جا رہی ہوگی، اور اس کی سیکرٹری جانے کیسی کیسی بدگمانیوں میں مبتلا ہو رہی ہوگی۔

بالآخر وہ اپنی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ مجھے چھو بھی نہیں سکا، اور میں اسے چھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا "اب تم میری بات سننا پسند کرو گے سام؟"

اس نے ایش ٹرے پر رکھا سگار اُٹھا لیا، جو بجھ چکا تھا "تم دفع ہو جاؤ یہاں سے"

اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میں کہیں جانے کے قابل نہیں ہوں۔ تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔"

"میں سب کچھ کر چکا ہوں تمہارے لیے" اس نے معاندانہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ "پہلے تم نے سیل کے معاملے میں مجھ سے دغا کیا۔ پھر گلووز کے دنوں میں تم نے میکسی فیلڈز سے ساز باز کر کے مجھے لوٹا۔ آخر میں کتنی بار ڈسا جاؤں تم سے۔"

اس کے پاس ہاتھی جیسی یادداشت تھی۔ وہ بھولتا کچھ بھی نہیں تھا "اس بار تمہیں کوئی مالی نقصان نہیں ہوگا" میں نے اسے دلاسا دیا "مجھے بس تھوڑی مدد کی ضرورت ہے اور ایک جاب کی، یہاں تک کہ حالات سدھر جائیں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا "جاب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ تمہیں آتا ہی کیا ہے؟"

"میں اب بھی فائٹ کر سکتا ہوں"

"نہیں۔ اس کے لیے اب تمہاری عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ کئی برس سے رنگ سے دور ہو تم۔ تم تو ایک ڈالر بھی نہیں کما سکتے فائٹ سے۔"

میں جانتا تھا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ۲۳ سال کی عمر اور چھ سال سے رنگ سے دور...... میرے لیے کوئی چانس نہیں تھا "تو کیا ہوا۔ یہ اتنا بڑا آفس ہے تمہارا۔ مجھے یہاں کوئی جاب دے دو۔"

"نہیں، ہرگز نہیں" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج رات یہاں جو نظارہ دیکھا ہے، اس کے بارے میں میسی کو کبھی نہیں بتاؤں گا۔"

اس کے چہرے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ ناک آؤٹ پنچ تھا۔ یہی ایک زبان تھی جو وہ سمجھ سکتا تھا۔ میں نے شرافت سے بات کی۔ التجا کی۔ بھیک مانگنے والا انداز اختیار کیا۔ عجز سے پیش آیا۔ مگر اس دنیا میں آگے بڑھنے کا، اپنے لیے راستہ بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ یہ کہ جو چاہیے، ہاتھ بڑھا کر لے لو، نہ ملے تو چھین لو۔ سام کا اپنا بھی یہی طریقہ تھا اور اگر یہ اس کے لیے جائز تھا تو میرے لیے ناجائز کیوں ہوتا۔

''تم اب بھی ویسے ہی ہو ڈینی'' اس نے کہا ''جیسے دنیا پر لازم ہے کہ تمہاری ہر ضرورت پوری کرے؟''

''نہیں، اب میں وہ نہیں ہوں سام'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا ''جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے، یہ ایک نیا ڈینی فشر ہے۔ مجھ پر جو کچھ گزری ہے، اس کے بعد میں بدلے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ ڈیڑھ سال میں ریلیف پر رہا ہوں۔ صرف اپنا اور متعلقہ لوگوں کا پیٹ بھرنے کے لیے میں حقیر کیڑوں کی طرح رینگ کر جیا ہوں۔ آج میں نے ایک ریلیف انویسٹی گیٹر پر صرف اس لیے ہاتھ اُٹھایا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ اپنی بچی کی تدفین کے لیے میرے پاس رقم کہاں سے آئی، اور میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ میرے غریب پڑوسیوں نے میری مدد کی تھی۔ اب وہ انویسٹی گیٹر پولیس لے کر آ گیا۔ میں ان سے جان چھڑا کر بھاگا ہوں۔ بیوی میری بیمار ہے، اور اب میرے لیے فکر مند بھی ہوگی۔ اب بتاؤ، اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی آدمی بھلا پہلے جیسا رہ سکتا ہے؟ نہیں سام، اب میں کبھی پہلے جیسا......''

اس نے شاکڈ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ ''اتنا کچھ ڈینی ..... اتنا کچھ!''

''تم نے سن تو لیا سب'' میں نے سخت لہجے میں کہا اور سرد نظروں سے اسے گھورا ''اب میں کبھی پہلے جیسا نہیں ہوں گا۔ ہونا چاہوں گا بھی نہیں۔ اب تم بتاؤ، میری مدد کرو گے یا میں تمہاری عظیم الشان سرگرمیوں کے بارے میں میمی کو مطلع کروں۔''

اس کی نظریں جھک گئیں۔ چند لمحے وہ میز کو تکتا رہا۔ پھر اس نے نظریں جھکائے جھکائے کہا ''اوکے کڈ۔ تم نے مجھے فتح کر لیا'' اس کے لہجے میں عجیب سی نرمی تھی۔

''میں تمہارا احسان مند ہوں'' میں نے کہا ''زندگی کے ہر موڑ پر زندگی گزارنے کے، اس دنیا میں جینے کے نئے طریقے تمہی نے مجھے سکھائے ہیں۔''

..........☆☆..........

میں جیسے ہی اندر داخل ہوا، استقبالیہ کلرک نے مسکراتے ہوئے کہا ''صبح بخیر ڈینی'' وہ چیوگم چبا رہی تھی ''باس تمہیں یاد کر رہا ہے۔''

''شکریہ بے بی'' میں بھی مسکرایا۔

میں بڑے آفس ہال میں داخل ہوا۔ وہاں سب اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں کارنر میں، کھڑکی کے ساتھ لگی اپنی ڈیسک کی طرف بڑھا۔ کرسی پر بیٹھ کر میں نے ان کمنگ باسکٹ میں سلیقے سے رکھے کاغذات کو دیکھا۔

مجھے وہاں بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ میز پر ایک سایہ سا نظر آیا۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا۔

''ڈینی.....'' کیٹ نے بات شروع کی۔

میں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روک دیا ''میں جانتا ہوں بے بی۔ باس مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور میں یہاں موجود ہوں''

''تو انتظار کس بات کا ہے؟'' وہ زہریلے لہجے میں بولی ''نقشین حروف میں چھپے دعوت نامے کا'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور اپنی ڈیسک کی طرف چلی گئی۔

کیٹ کو میں چھیڑتا اور ستاتا تھا۔ اس کے باوجود وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ نہ تو وہ دنیا کی پہلی سیکرٹری تھی اور نہ آخری، جو اپنے باس کی سواری تھی لیکن ہماری پہلی ملاقات جس صورتِ حال میں ہوئی تھی، اس کے تحت میرے لیے اس کی ناپسندیدگی فطری تھی۔

میں اس رات کو یاد کر کے مسکرایا۔ اس رات کو ساڑھے تین سال ہو چکے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک بہت کچھ ہو چکا تھا۔ جنگِ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ بہت لوگ جنگ پر جا چکے تھے۔ میں ایک ایسے جسمانی عیب کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا، جس سے میں خود بھی بے خبر تھا اور جو پیدائشی تھا۔

میں نے ضروری کاغذات سمیٹے اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور اُٹھا لیا۔

وہ نیلی تھی، اور لانگ آئی لینڈ کے وار پلانٹ سے فون کر رہی تھی، جہاں وہ کام کرتی تھی ''میں تمہیں لانڈری کے بارے میں بتانا بھول گئی تھی ڈینز'' اس نے کہا۔

''مگر مجھے یاد ہے ہنی'' میں نے کہا'' اور سناؤ، تمہاری طرف کیا حال ہے؟''

''بہت گرمی ہے ڈیئر۔ پلانٹ میں ٹمپریچر ۹۰ درجہ ہے۔''

''تو چھوڑ دو نا جاب۔ اب اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں ٹھیک ٹھاک کما رہا ہوں۔''

''اس پر پہلے بھی گفتگو ہوتی رہی ہے اور میرے پاس کرنے کو ہے بھی کیا۔ پورے دن گھر پر اکیلی رہوں تو پاگل ہو جاؤں گی۔ میرے لیے مصروفیت ضروری ہے۔''

میں جانتا تھا کہ بحث کا کچھ حاصل نہیں۔ وکی کی موت کے بعد وہ بدل گئی تھی۔ وہ خاموش رہنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ستاروں کی جگمگاہٹ بھی کسی قدر ماند پڑ گئی تھی۔ ''رات کا کھانا گھر پر کھائیں گے یا باہر؟'' میں نے پوچھا۔

''باہر ہی کھائیں گے۔''

''او کے۔ میں گھر سے تمہیں پک کرلوں گا...... چھ بجے۔''

میں نے سام کے دفتر کا دروازہ کھولا تو کیٹ نے میرا منہ چڑایا اور اپنے ٹائپ رائٹر پر جھک گئی۔ میں مسکراتے ہوئے اندرونی دفتر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ میں جانتا تھا کہ درحقیقت کیٹ مجھے پسند کرتی ہے۔

سام نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا'' تو بالآخر تم مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے'' وہ غرایا۔

مجھے اس کی کچھ ایسی پروا نہیں تھی۔ یہاں کے چند برسوں میں میں نے بہت کچھ کمایا تھا۔ اب میری بات کا کچھ وزن تھا۔ یہ کوئی آسان کاروبار نہیں تھا لیکن میرے لیے بہت آسان تھا۔ یہ کچھ سوچوں، کچھ آئیڈیوں پر مشتمل تھا، جسے چند افراد ہی سمجھ سکتے تھے۔ وہی ان سوچوں اور آئیڈیوں سے ڈالر کشید کر سکتے تھے۔ مجھ جیسے اور سام جیسے لوگ اور یہ بات سام بھی جانتا تھا۔

''ایئر کنڈیشنر کا لالچ نہ ہوتا تو میں آتا ہی نہیں'' میں نے اس کے سامنے پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا'' تم نہیں جانتے کہ تم کتنے خوش قسمت ہو۔''

اس کا چہرہ دہک اُٹھا۔ ایسے میں وہ بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس کا وزن بہت بڑھ گیا تھا۔ ٹھوڑیاں ایک کی جگہ دو نظر آنے لگی تھیں۔ اب وہ سینٹرل پارک ساؤتھ کے علاقے میں رہنے والا تین بیٹوں کا باپ تھا۔ تیسرے کا گاڈ فادر میں تھا'' اور ہاں، میمی نے کہا ہے کہ میں آج رات تمہیں اور نیلی کو ڈنر پر مدعو کرلوں۔''

''ٹھیک ہے'' میں نے کہا'' اب یہ بتاؤ کہ ایسی کیا آفت آ گئی۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم سلاٹ مشین کے کچرے کو بھول جاؤ۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا'' کیوں بھئی؟ میرا تو خیال تھا کہ تم اس پر بری طرح فدا ہو۔''

''میں نے ارادہ بدل دیا'' وہ بولا'' ان پر اخراجات بہت ہوں گے اور جب وہ خراب ہوں گی تو سب ختم۔ جنگ کی وجہ سے نہ تو ان کے پارٹس دستیاب ہوں گے، نہ ہی متبادل مشینیں مل سکیں گی۔''

''بس یہی وجہ ہے؟'' میں نے اُس سے پوچھا'' یا یہ اس لیے ہے کہ میکسی فیلڈ بھی ان میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

اس کا چہرہ پھر تمتمایا۔ مجھے تو لگا کہ وہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض بن گیا ہے۔ وہ عمر کے خطرناک حصے میں تھا'' مجھے میکسی فیلڈز سے کیا'' اس نے کہا'' بس مجھے یہ کام اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ کسی ہوٹل کے نائٹ کلب کا ٹھیکا میرے لیے زیادہ موزوں ہے۔ مجھے لوگوں میں دلچسپی ہے۔ میں انہیں سمجھتا ہوں، ان کو خوشی فراہم کرنے کے ذرائع تخلیق کر سکتا ہوں لیکن مشینیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، نہ ہی مجھے ان سے دلچسپی ہے۔''

''لیکن میں نے اس سیٹ اپ کے لیے ایک ہفتہ مغز ماری کی ہے اور صرف پندرہ ہزار ڈالر میں یہ نہایت منفعت بخش سرمایہ کاری ہے۔''

''تو یہ میکسی فیلڈز کو مبارک ہو۔ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں انجانی فیلڈز میں نہیں گھسنا چاہتا۔ پندرہ ہزار ڈالر کوئی معمولی رقم نہیں۔''

میں آگے کی طرف جھکا۔ میری دانست میں وہ ایک بڑا موقع گنوا رہا تھا اور یہ پہلا

موقع تھا کہ میں اس سے اختلاف کر رہا تھا ''تم بہت اچھا موقع گنوا رہے ہو سام۔ میں اس پورے سیٹ اپ کا جائزہ لے چکا ہوں سام۔ یہ مشینیں بہت آگے جانے والی چیز ہیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنا، گرم کافی سے لے کر آئس کریم تک ہر چیز ان مشینوں سے ہی ملا کرے گی۔''

''ہوتا رہے'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ یہ طے تھا کہ وہ اپنے طور پر فیصلہ کر چکا ہے ''ابھی تو وہ صرف سگریٹ اور کوکا کولا کے کام آ رہی ہیں اور مجھے ان کی ضرورت نہیں''

اس نے میز پر رکھے ہوئے کاغذات ادھر اُدھر کیے، اور جائزہ لیا ''میرے پاس تمہارے لیے ایک اور کام ہے۔ اٹلانٹک سٹی میں ہماری کچھ تفریح گاہیں بلاک ہو رہی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر چیک کرو۔''

میں اسے دیکھے جا رہا تھا ''ان وینڈنگ مشینوں کے بارے میں تمہارا فیصلہ حتمی ہے؟''

''کتنی بار کہوں۔ اب تم اسے بھول جاؤ اور......''

''مگر مجھے ان میں دلچسپی ہے سام۔''

''ہو گی لیکن پیسہ تو میرا لگ رہا ہے۔ حتمی فیصلہ بھی میں ہی کروں گا۔''

''میں انہیں خریدنا چاہوں گا سام''

اس نے ایک گہری سانس لی ''مال ہے تمہارے پاس؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ وہ بخوبی واقف تھا کہ میرے پاس مال نہیں ہے ''تم جانتے ہو۔ تم مجھے ۷۵ ڈالر فی ہفتہ تنخواہ دیتے ہو۔ میرے پاس اتنی بڑی رقم ہو ہی نہیں سکتی۔''

وہ طمانیت سے ہنس دیا ''لیکن شہر سے باہر جاتے ہو تو اخراجات کی مد میں تم تگڑی رقم وصول کرتے ہو۔ جبکہ وہاں گھٹیا ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو، مجھے کچھ معلوم ہی نہیں۔''

میں مسکرایا ''تم جانتے ہو کہ تکلیف اُٹھا کر چند ڈالر بچا پاتا ہوں میں۔ تم کبھی تگڑا سفر خرچ دیتے ہی نہیں ہو مجھے۔''

''تو پھر اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی تمہارے پاس؟''

''میرے پاس پندرہ سو ڈالر ہیں۔ آدھی رقم بینک سے مل سکتی ہے۔ باقی آدھی رقم میں تم سے لے لوں گا۔''

سام اچھل کر کھڑا ہو گیا ''مجھ سے؟'' وہ دہاڑا ''تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ تمہیں رقم دے دوں تو قیامت تک واپس نہیں ملے گی مجھے۔''

''میں تمہیں ایک ایک پنی لوٹاؤں گا۔ یہ وعدہ ہے میرا'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''ایک بار تمہاری زبان پر میں اپنے پانچ ہزار ڈالر ڈبو چکا ہوں۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا ''تم سمجھتے ہو، دوبارہ مجھے بے وقوف بنا لو گے۔''

''اس وقت تم نے ایک لڑکا خریدا تھا سام۔ وہ میں نہیں تھا۔ تم ماضی میں جس چیز سے محروم ہوئے تھے اسے اس لڑکے کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''اور جن پانچ ہزار ڈالر کی تم بات کر رہے ہو، میں نے تو ان کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ کیا مجھے دیے تھے تم نے وہ پانچ ہزار ڈالر۔ میرے حصے میں تو صرف پنچ، ہک اور انڈر کٹ آئے تھے۔''

اس کا چہرہ تمتما اُٹھا ''تم کچھ بھی کہو، میں وہ مشینیں ہرگز نہیں خریدوں گا۔''

میں بھی اب فیصلہ کر چکا تھا ''لیکن میں خرید رہا ہوں اور اس میں تم میری مدد کرو گے۔''

''اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو تم؟''

''بھول گئے کہ یہاں جاب کیسے حاصل کی تھی میں نے۔ اس وقت تو میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا تمہارے بارے میں۔ پچھلے ساڑھے تین برسوں میں تمہاری فتوحات کی کافی تفصیل ہے میرے پاس۔ خوبصورت عورتوں کو پھنسانے کے معاملے میں تمہیں کمال

حاصل ہے۔ ابھی پچھلے دنوں میری اس بلونڈی بالوں والی ڈانسر سے ملاقات ہوئی، جسے تم نے ایک ہوٹل میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ وہ بھی تمہارے گن گا رہی تھی۔''

اس بار اس کا چہرہ اُودا ہو گیا۔ ''تمہیں اس کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''اب میں لڑکا نہیں رہا، بڑا ہو گیا ہوں سام۔ سب کچھ دیکھتا، جانتا اور سمجھتا ہوں۔''

اس نے کھنکھار کر جیسے اپنا گلا صاف کیا، پھر پنسل ہاتھ میں تھام کر اسے مضطربانہ انداز میں نچاتا رہا۔ ''تب تو تم سمجھ سکتے ہو کڈ'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ وہ نروس ہو رہا تھا ''میں تمہاری بہن کا دیوانہ ہوں۔ مگر جب بھی میں اس کے قریب جاتا ہوں، وہ ڈھیر ہو جاتی ہے۔ اب آدمی کیا کر سکتا ہے؟''

''میں تم پر تنقید نہیں کر رہا ہوں'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''لیکن میمی اس بات کو کبھی برداشت نہیں کرے گی۔ وہ بڑی سربلند لڑکی ہے۔ یہ تم اچھی طرح سے جانتے ہو سام۔''

سام مجھے گھورتا رہا، پھر اچانک پُرسکون انداز میں اپنی کرسی پر پھیل گیا ''کیا یہ کافی نہیں کڈ کہ جب تمہارا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا تو میں نے تمہیں سہارا دیا۔ تمہیں گرفتاری سے بچایا۔ تمہاری ضمانت لی۔ پھر تمہیں ملازمت دی۔ اس پر بھی تم مطمئن نہیں ہو۔''

میں کرسی سے اُٹھا اور دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے اس کی طرف جھکا ''دنیا میں سب سے زیادہ میں تمہیں مانتا ہوں'' میں نے پوری سچائی سے کہا ''ایک تمہی تو ہو جس نے ہمیشہ مجھ پر احسان کیا۔ یقین کرو سام، میں تمہارا شکرگزار ہوں۔ تم نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے لیکن سوچو، پوری زندگی ۷۵ ڈالر فی ہفتہ میں نہیں گزاری جا سکتی۔ آدمی کے پاس مال بھی ہونا چاہیے اور نوکری کر کے کوئی اتنا کما نہیں سکتا۔ تو کچھ حاصل کرنے کا ایک یہی طریقہ ہے۔ اپنا ذاتی کاروبار۔ جب تم نے پہلی بار ٹھیکا لیا تو یہ راز سمجھ لیا اور تم کامیاب رہے۔ اب میں بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ دیر تک میری آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا دیا۔ اس نے جان لیا کہ وہ پھنس

چکا ہے لیکن وہ ایسا تھا کہ ایک آخری کوشش سے پھر بھی باز نہیں آیا ''فرض کرو کہ فیلڈز سے تمہارا ٹکراؤ ہو جاتا ہے تو پھر؟''

''ایسا نہیں ہوگا۔ یہ میں پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔ یہ اس کے معیار کا معاملہ نہیں ہے۔''

اُس نے دراز سے چیک بک نکالی ''او کے ڈینی! تمہیں کتنی رقم چاہیے؟''

''چھ ہزار ڈالر''

''کتنے عرصے کے لیے؟''

''جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد تک کے لیے۔''

''اور جنگ دس سال جاری رہے تو'' وہ گویا پھٹ پڑا۔

''تو سمجھ لینا کہ تمہاری رقم ڈوب گئی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''کیونکہ میرے اندازے کے مطابق یہ مشینیں مزید تین سال تک چل سکیں گی۔ اتنے عرصے میں مجھے اس قابل ہو جانا چاہیے کہ میں نئی مشینیں خرید لوں لیکن جنگ جاری رہنے کی صورت میں یہ ممکن نہیں۔''

وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا ''سود وہی جو چلتا ہے؟''

''ہاتھ ہلکا رکھو سام'' میں نے کہا ''یہ تو گھر کی بات ہے نا؟''

''دس فیصد سالانہ''

''مناسب ہے سام'' میں مسکرایا ''اب یہ بتاؤ کہ مجھے اٹلانٹک سٹی جانا ہے؟''

''نہیں...... بالکل نہیں'' وہ چیک لکھ رہا تھا ''اب میری طرف سے تم آزاد ہو۔ اپنا کاروبار سنبھالو۔''

...........☆☆...........

میں سام کے آفس سے نکلا اور اپنی ڈیسک پر جا بیٹھا۔ میں نے ہاتھ میں موجود چیک کو دیکھا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے دفتر میں جاتے ہوئے تو یہ امکان بھی میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بس ایک دم ہی سب کچھ ہو گیا۔

میں نے اس چیک کو محبت سے سہلایا۔ زندگی میں اتنی بڑی رقم میرے پاس کبھی نہیں آئی تھی۔

نجانے کیوں...... مگر اچانک میرا جی چاہا کہ جا کر وہ چیک سام کو واپس کر دوں۔ کیوں کہ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ میرے لیے اس کی ملازمت ہی کافی ہے۔ یہ پروجیکٹ مجھے اپنی حیثیت سے بڑا لگ رہا تھا۔ سام کاروباری معاملات میں بہت تیز تھا۔ اگر اسے اس میں منافع کی اُمید نہیں تھی تو یہ خطرناک بات تھی۔ میں نے عام طور پر اس کے کاروباری اندازے غلط ہوتے نہیں دیکھے تھے۔ ایسا ہوتا تو وہ اتنے کم وقت میں اتنا کامیاب نہ ہو پاتا۔ یہ تو کھیل ہی اندازوں کی درستی کا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھ پر عجیب سا اضمحلال طاری ہو گیا تھا۔ یہ آخر مجھے ہو کیا گیا تھا؟ زندگی ٹھیک ٹھاک گزر رہی تھی۔ میں اس پر قانع بھی تھا۔ چند برس پہلے تو میں اس مقام کو پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مگر اب یہ سب کچھ میرے لیے غیر اہم، ناکافی ہو گیا تھا۔ کیوں؟ میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا۔ کہیں کسی گوشے میں اِس کا جواب ضرور ہوگا۔ کوئی وجہ تو ہوگی۔ یہ صرف اس لیے تو نہیں ہوا کہ سام پیچھے ہٹ گیا تھا۔

میں نے پوری ڈیل کو ذہن میں تازہ کیا۔ جزئیات میں کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جس میں مجھے کشش محسوس ہوئی ہو۔ یہ معاملہ چند ہفتے پہلے شروع ہوا تھا، جب سام نے مجھ سے وینڈنگ مشینوں کے کاروبار کی چھان بین کے لیے بھیجا تھا۔

مجھے اس آفس میں اپنا پہلا دن یاد آیا۔ میں نے اسی دن سمجھ لیا تھا کہ سام کتنا بڑا بزنس مین بن چکا ہے۔ دروازہ بند ہونے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوا تو اس کا لہجہ کھردرا تھا۔ کھردرا اور خالص کاروباری۔ اور اس کی سرد آنکھوں میں چیلنج تھا ''اگر تم یہاں مفت خوری کے لیے آئے ہو ڈینی تو بہتر ہے کہ ابھی واپس چلے جاؤ۔'' اس نے کہا تھا۔

میں نے جواب نہیں دیا تھا۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں کسی دباؤ کی وجہ سے تمہیں کام دے رہا ہوں تو یہ غلط فہمی دور

کر لو'' اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میں تمہیں ۳۰ ڈالر فی ہفتہ دے رہا ہوں تو تمہیں ۳۰ ڈالر جتنا کام بھی کرنا ہوگا۔'' وہ مجھے گھورتا رہا۔ شاید اسے اُمید تھی کہ میں کچھ کہوں گا۔

لیکن میں خاموش رہا۔

''اور میں تمہیں میمی کا بھائی ہونے کی حیثیت سے بھی کوئی رعایت نہیں دے رہا ہوں۔'' اس نے مزید کہا ''کام کر کے دکھاؤ یا رُخصت ہو جاؤ۔ تم چاہے اپنے تئیں مجھے کسی راز کے بوجھ تلے دبا ہوا سمجھو لیکن کام نہیں کرو گے تو میں لات مار کر تمہیں باہر کر دوں گا۔ سمجھ گئے؟''

''بالکل سمجھ گیا۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا ''میں کچھ کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری مراعات کی ضرورت بھی نہیں۔''

''گڈ۔ اب باہر جاؤ اور کام شروع کر دو۔''

وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور میں باہر نکل آیا۔ ابتدا میں میری میز دوسرے کلرکوں کے ساتھ تھی۔ میرا کام ہر تفریح گاہ کے بزنس کا ریکارڈ رکھنا تھا۔ اُس کے علاوہ ان کی ضروریات اور ان کی ترقی کا بھی خیال رکھنا تھا۔

اس کے بعد سام سے ملاقات کم ہی ہوئی۔ میرے ساتھ اس کا برتاؤ دوسرے ملازمین جیسا ہی تھا۔ ایک سال بعد اپنی کارکردگی کی بنیاد پر مجھے ترقی ملی۔ میری تنخواہ ۴۵ ڈالر ہو گئی۔ ساتھ میں کار بھی مل گئی۔ اب میں چیکر تھا۔ مجھے دورے کرنے ہوتے تھے۔

مجھے کام پر گرفت حاصل کرنے میں زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ پھر تو ایسا ہونے لگا کہ میں جاتا، کسی ہوٹل کا سرسری جائزہ لیتا اور ذرا دیر میں ہی میں اس کے کاروبار کے بارے میں درست اندازہ لگا لیتا۔ اس کے تحت فوری طور پر اصلاحات بھی تجویز کر دیتا۔

جلد ہی سام کو اندازہ ہو گیا کہ میں کاروبار کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ وہ نئے ہوٹل اور کیسینو ٹھیکے پر لینے سے پہلے اُس کے سروے کے لیے مجھے بھیجنے لگا۔ میں جو رپورٹ لے کر آتا، وہ عام طور پر درست اور میں جو مشورے دیتا، وہ عام طور پر صائب ثابت ہوتے۔

اس کے بعد میں سروییئر بن گیا۔ تنخواہ بھی بڑھ گئی۔ میرا اعتماد بھی بڑھ گیا۔ میں نے ثابت کر دیا تھا کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہوں۔ سام مجھ پر احسان نہیں کر رہا تھا۔ درحقیقت میں اس کے لیے کام کا آدمی تھا اور اس حد تک کہ وہ مجھ سے وہ کام لیتا تھا، جو پہلے صرف خود کیا کرتا تھا۔ مجھ سے پہلے سروے کا کام اس نے کسی کو نہیں دیا تھا۔

لیکن میں نے کچھ اور کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔ سام نے مجھے وینڈنگ مشینوں کے کام کے سروے پر لگایا۔ میں مسٹر کرسٹن کے ہاں گیا تو ابتدائی چند منٹ میں ہی مجھے وہاں سے خوشبو آنے لگی۔ بات صرف مال کی نہیں تھی۔ میں نے سام کے لیے اس سے بہت بڑے کئی سودے طے کرائے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس آئیڈیے میں میرے لیے کشش تھی۔ میں تو ان مشینوں کو پورے شہر پر چھاتا دیکھ رہا تھا، ریستورانوں میں، ایئرپورٹس پر، ٹرمینلز پر، ہر جگہ، جہاں لوگ رکتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں، انتظار میں وقت گزاری کرتے ہیں۔ وہاں وہ کوک پیتے ہیں، انہیں سگریٹ کی، چیونگم کی اور کینڈی کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں ایک وینڈنگ مشین یہ سب کچھ فراہم کر رہی ہو تو وارے کے نیارے ہو گئے نا۔

یا شاید یہ سب کچھ مجھے مسٹر کرسٹن نے باور کرایا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ یہ بیچنا نہیں چاہتا۔ لیکن وہ مجبور تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ وہ کاروبار سے جان چھڑائے اور آرام کرے۔ ورنہ مر جائے گا۔

یہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سام کو اس کے بارے میں کیسے پتا چلا۔ بہرحال میں نے جا کر جائزہ لیا تو پتا چلا کہ اس پورے سیٹ اپ کے لیے صرف پانچ آدمی کافی ہیں اور ہفتہ وار آمدنی تین ہزار ڈالر ہے۔ اب اس میں کوئی کشش کیسے محسوس نہ کرے اور جب اس کاروبار کی تفصیل میرے سامنے آئی تو وہ اور پرکشش لگنے لگا۔

کرسٹن کے پاس سگریٹ کے لیے ۱۴۱ اور کوک کے لیے ۹۲ مشینیں تھیں۔ ۱۴ مشینیں پارٹس دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ناکارہ پڑی تھیں۔ وہ بھی کام کرتیں تو آمدنی مزید ۳۰۰ ڈالر بڑھ جاتی۔

میرے جائزے کے مطابق چالیس فیصد لوکیشنز اچھی نہیں تھیں لیکن کرسٹن خرابی صحت کی وجہ سے متبادل اور بہتر لوکیشنز تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جگہیں تبدیل کر دی جائیں تو ہفتہ وار آمدنی چار ہزار ڈالر ہو جائے گی۔

کرسٹن کے بیان کے مطابق منافع کی شرح ۱۰ فیصد تھی۔ یعنی اخراجات نکال کر کرسٹن کو تین سو ڈالر ہر ہفتے بچ جاتے تھے لیکن میری تجاویز پر عمل کرنے کی صورت میں منافع کی شرح ۱۵ فیصد ہو سکتی تھی۔ یعنی جگہیں تبدیل کر کے منافع ۶۰۰ ڈالر تک پہنچ سکتا تھا اور یہ کم نہیں تھا۔ اس لیے میں نے سام کو وہ سیٹ اپ خریدنے کا مشورہ دیا تھا۔

سام کے لیے یہ سیٹ اپ چلانا بہت آسان تھا۔ اس کے تعلقات ایسے تھے کہ وہ اور مشینیں بھی حاصل کر سکتا تھا۔ شاید یہ سوچتے ہوئے مجھے اپنے بارے میں خیال آیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر سام اس بکھیڑے سے بچنا چاہے گا تو میں اس کام کی نگرانی سنبھال لوں گا۔ پھر میں وہاں گیا، جہاں یہ مشینیں تیار ہوتی تھیں۔ اس نے بتایا کہ اس وقت تو مشینوں کے پارٹس دستیاب نہیں۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے وہاں جنگ کے متعلق کام ہو رہے ہیں۔ لیکن وہاں ایک شخص نے مجھے کچھ کتابچے دکھائے، جن میں مستقبل میں متعارف کرائی جانے والی مشینوں کے تفصیلی خاکے اور تصویریں تھیں۔

مجھے یاد تھا کہ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اتنا پھیلتا ہوا، آگے جاتا ہوا بزنس ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ ان میں ہاٹ ڈاگ روسٹ کرنے والی، نیپکن میں لپیٹ کر رول پیش کرنے والی، ڈسپوزیبل مگ میں گرما گرم کافی پیش کرنے والی مشینیں تھیں۔ ایک مشین تو ایسی بھی تھی جس سے آپ ایئرپورٹ پر انشورنس پالیسی بھی خرید سکتے تھے اور انہوں نے ہر مشین کے لیے مناسب ترین لوکیشنز بھی منتخب کر لی تھیں۔

وہ راستے میں پڑا ہوا موقع تھا۔ کرسٹن کا سیٹ اپ بہت بڑا نہیں تھا لیکن وہ جنگ کے بعد کے منظر میں ایک بڑا، وسعت لانے والا سیٹ اپ تھا۔ اب کیونکہ سام ایک کامیاب آدمی تھا اس لیے وہ اسے اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

میں نے میز پر، اپنے سامنے رکھے چیک کو دیکھا۔ ابھی تک مجھے اپنی 'کیوں' کا

جواب نہیں ملا تھا۔ میں کیوں اس طرف لپکا؟ اس کا جواب میں نہیں تلاش کر سکا تھا لیکن میں نے جان لیا تھا کہ یہ میرے لیے محض کاروبار نہیں، اس کے سوا کچھ ہے۔ کیا؟ یہ میں نہیں سمجھ پارہا تھا۔

لیکن اُس کا جواب مجھے گھر پہنچ کر ملا۔ جہاں نیلی موجود تھی۔

☆☆

مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس خبر پر نیلی کا ردِعمل کیا ہوگا۔ کاش وہ پریشان نہ ہو جائے۔ بعض معاملات میں وہ عجیب تھی۔ کام کرنے اور رقم بچانے کو اس نے بڑا اہم مسئلہ بنالیا تھا۔ اسی لیے تو وہ جاب نہیں چھوڑتی تھی۔

کئی بار میں نے گھر تبدیل کرنے کو کہا تو اس نے منع کر دیا ''کرایے پر رہنا ہے تو اچھا کیا اور برا کیا۔ اور ہم یہاں آرام سے رہ رہے ہیں۔''

''لیکن ہنی! جہاں کرایہ زیادہ ہوگا، وہاں آرام اور آسائش بھی زیادہ ہوگی۔''

''نہیں جان۔ جس وقت پیسہ آ رہا ہو، اس وقت اسے سنبھال کر رکھنا چاہیے۔ کون جانے، کب یہ رُک جائے۔ پھر اس وقت ضرورت پڑے گی۔''

میں جانتا تھا کہ ماضی کے تجربوں نے اسے خوفزدہ کر دیا ہے۔ غربت کا خوف بہت برا ہوتا ہے۔ آدمی کی جڑوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ کبھی اس خوف سے آزاد ہو سکے گی۔

''نیلی......!'' میں نے دروازہ کھول کر اُسے پکارا۔ اکثر میں گھر آتا تو وہ اونگھ رہی ہوتی تھی۔ دن بھر وہ بہت گرم ماحول میں کام کرتی تھی، جو اس کی توانائیوں کو نچوڑ لیتا تھا۔

جواب نہیں ملا تو میں دبے قدموں آگے بڑھا۔ وہ پارلر میں، کاؤچ کے ایک کونے میں اکڑوں بیٹھی سو رہی تھی۔ کام سے آ کر اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ سینے کے نیچے دبا تھا اور دوسرا کاؤچ سے لٹک رہا تھا۔ اس ہاتھ میں کچھ تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ وکی کی تصویر تھی۔ اس میں وہ وکی کے ساتھ تھی۔ وہ تصویر میں نے

ہی کھینچی تھی، ادھار مانگے ہوئے کیمرے سے۔ اور تصویر بنوانے کے پیسے بھی ہم نے بڑی مشکل سے دیے تھے۔

میں نے جھک کر نیلی کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سانسیں ہموار۔ آنکھوں کے نیچے، میک اپ پر لکیریں گواہی دے رہی تھیں کہ وہ روتے روتے سوئی ہے۔ وہ تصویر دیکھتی ہوگی اور روتی ہوگی۔ اُسے اس حال میں دیکھ کر اچانک...... بالکل اچانک مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ صرف جواب نہیں ملا، میں اور بھی بہت کچھ سمجھ گیا۔

میں جانتا تھا کہ ہم اولاد سے کیوں محروم ہیں۔ نیلی پیسے کیوں بچاتی ہے؟ کیوں اسی اپارٹمنٹ میں رہنے پر مصر ہے؟ وہ خوفزدہ تھی۔ وکی کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس پر وہ خود کو موردِ الزام ٹھہراتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آئندہ کبھی ایسا ہو۔

میں نے جان لیا کہ میں دولت کا آرزومند کیوں ہوں۔ میں خطرہ کیوں مول لے رہا ہوں۔ یا تو ہمیں ساری زندگی عدم تحفظ اور خوف کے سائے میں گزارنی تھی یا پھر اس سے آزادی حاصل کرنی تھی اور اس خوف، عدم تحفظ کے اس احساس سے چھٹکارا پائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ اس کے بغیر ہم آنے والی کل کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ ورنہ ہم عمر بھر گزری ہوئی کل کے حوالے سے آنے والی کل کے بارے میں خوفزدہ رہتے۔

اب ہم بھی اوروں کی طرح سوچ سکیں گے، خواہشیں کر سکیں گے، محسوس کر سکیں گے اور اُمید رکھ سکیں گے۔

کچھ بھی ہو جائے، آدمی پر کچھ بھی گزر جائے، وقت سے پہلے کوئی نہیں مرتا۔ زندگی جاری رہتی ہے۔ زندگی کا بجلی کی طرح کا کوئی سوئچ نہیں کہ جب چاہا، آن کر لیا اور جب چاہا آف کر دیا۔ جب تک رگوں میں خون گردش کرتا ہے اور دل دھڑکتا ہے، دماغ کو اُمید رہتی ہے۔

میں نے آہستگی سے تصویر اُس کی گرفت سے نکال لی۔ پھر میں اُس کے سامنے

کرسی ڈال کر بیٹھ گیا اور اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ جو کچھ میں نے آج سیکھا اور جانا تھا، وہ میں اسے بھی بتانا چاہتا تھا۔

............☆☆............

میں میمی کے لونگ روم میں بیٹھا خود کو احمق محسوس کر رہا تھا۔ پاپا میرے سامنے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش میمی ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے لیکن یہ اس بے چاری کا بہت بڑا خواب تھا کہ وہ کبھی ہمیں ملوانے میں، ہمارے تعلقات بحال کرانے میں کامیاب ہو جائے۔ وہ سمجھتی ہی نہیں تھی کہ اس کی ہر کوشش لاحاصل ہے۔ ہمارے درمیان اتنا کچھ ہو چکا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی ہم ایک کمرے میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی عام سی باتیں کر رہے تھے، لیکن درحقیقت ہم ایک دوسرے سے برسوں کے فاصلے پر تھے۔ ہم تو ایک دوسرے کو مخاطب بھی نہیں کر رہے تھے۔

نیلی اور ماما میمی کے ساتھ بچوں کے کمرے میں تھیں۔ میں اور سام پاپا کے ساتھ وہاں بیٹھے تھے۔ سام کبھی مجھ سے کوئی بات کرتا اور کبھی پاپا سے، تب کہیں خاموشی ٹوٹتی اور وہ بھی چند لمحوں کے لیے۔ جواب مختصر دیے جا رہے تھے، شاید اس ڈر سے کہ کہیں بات طویل نہ ہو جائے۔

سام بھی وہ یکطرفہ بوجھ زیادہ دیر نہیں اُٹھا سکا۔ تنگ آ کر چپ ہو بیٹھا۔ اس نے اخبار اُٹھایا اور اسپورٹس کے صفحے کا جائزہ لینے لگا۔ اب کمرے میں اخبار کی پھڑ پھڑاہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا، جہاں شام کا جھٹپٹا رات کے اندھیرے سے شکست کھا رہا تھا۔

''ڈینی! تمہیں وہ لڑکا جوئے پاسکو یاد ہے، جس نے گلووز مقابلے میں حصہ لیا تھا؟''

میں نے سام کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے خوب یاد تھا''ہاں، وہ سیمی فائنل میں مجھ سے

ٹکرایا تھا۔'' میں نے کہا''وہ اچھا فائٹر تھا۔ اس نے تقریباً مجھے ہرا ہی دیا تھا'' سام نے اثبات میں سر ہلایا''وہ لائٹ ہیوی ویٹ چیمپین شپ میں حصہ لے رہا ہے۔''

مجھے احساس تھا کہ پاپا کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہیں۔''میری دعا ہے کہ وہ کامیاب رہے'' میں نے کہا۔

''تم بھی اس مقام پر پہنچ سکتے تھے۔ تم اس سے بہت بہتر تھے۔'' سام نے اخبار پر نظریں جماتے ہوئے کہا''میں نے تم سے زیادہ باصلاحیت اور فطری فائٹر کبھی نہیں دیکھا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا''نہیں سام، مجھ میں وہ سخت جانی نہیں تھی جو اس فیلڈ میں ضروری ہوتی ہے۔''

سام نے اخبار سے نظریں اُٹھائیں''تمہارے اندر بس ایک کمی تھی۔ جیتنے والے لمحے کی جبلی آگہی کی۔ چند اور فائٹس کے بعد وہ بھی اُبھر آتی۔''

اس بار میرے جواب دینے سے پہلے میرے پاپا بول پڑے''وہ میدان جہاں کامیابی کے لیے ایک آدمی دوسرے آدمی کو قتل کر دے، اسے میں اپنے بیٹے کے لیے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔''

میں نے اور سام نے، ہم دونوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ ہماری گفتگو میں شامل ہو رہے تھے۔

پاپا کا چہرہ تمتما رہا تھا''جہاں کامیابی قاتلوں کو ملتی ہو۔ وہ تو گندا بزنس ہی کہلائے گا۔''

سام کے اور میرے درمیان تفہیمی نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ پھر سام پاپا کی طرف مڑا''یہ لفظ 'کلر' اس فیلڈ کی محض ایک اصطلاح ہے پاپا۔ یہ وہاں لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی جانور کی مشکل آسان کر دیں، جبکہ اس کے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ جیسے خطرناک حد تک زخمی گھوڑوں کو شوٹ کر دیا جاتا ہے۔''

''میں لفظی عذر قبول نہیں کرتا'' پاپا نے کہا''ورنہ عملاً تو آئے دن فائٹر مارے

جاتے ہیں۔"

"ایسا حادثاتی طور پر ہوتا ہے پاپا" سام نے کہا "یوں تو اس سے زیادہ کہیں زیادہ بڑی تعداد میں لوگ آٹو موبائل کے حادثوں میں مارے جاتے ہیں۔ تو پھر لوگ کار چلانا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

"وہ اور بات ہے" پاپا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

لیکن اب سام بھی اڑ گیا تھا۔ باکسنگ سے اسے عشق جو تھا۔ وہ اس کے خلاف کیسے سن سکتا تھا "یہ اور بات نہیں ہے پاپا۔ پرائز فائٹنگ زبردست مہارت کی حامل فیلڈ ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو ذہنی اور جسمانی، دونوں اعتبار سے اس کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یہ فن ہے۔ جسم اور دماغ کے درمیان اٹوٹ رابطہ اور جیتنے کی خواہش۔ اور یہ ساری چیزیں خداداد ہوتی ہیں۔ عطیہ خداوندی! اور جب آپ ایسے کسی شخص کو دیکھتے ہیں، جس کے پاس یہ سب کچھ ہو تو درحقیقت آپ ایک غیر معمولی انسان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور پاپا، آپ کا بیٹا ڈینی ایسا ہی غیر معمولی انسان ہے۔" اتنا کہہ کر سام چند لمحے مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے بے پناہ ستائش اور محبت تھی

"ڈینی ان لوگوں میں سے ہے پاپا جو برسوں میں کوئی ایک پیدا ہوتا ہے۔ جب میں نے پہلی بار اسے دیکھا تو یہ دراز قد اور پھرتیلا تھا۔ اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔ اسکول میں کسی سے اس کی لڑائی ہوگئی۔ اس سے پہلے میرے نزدیک یہ میری کلاس کا ایک عام سا اسٹوڈنٹ تھا لیکن اس کے بعد میں نے پہچان لیا کہ یہ خاص الخاص ہے۔ اس کے پاس خداداد صلاحیت ہے۔ مکمل صلاحیت۔"

"میں تو اسے شیطان کی دی ہوئی صلاحیت قرار دوں گا۔" پاپا نے کہا۔

سام کی آنکھیں چمکنے لگیں "آپ غلطی پر ہیں۔ جیسے اور بہت سے معاملات میں آپ غلطی پر تھے۔ جیسے لوگ غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔"

پاپا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں اس بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتا" انہوں نے حتمی لہجے میں کہا "مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے نزدیک فائٹنگ قاتلوں کا

بزنس ہے۔"

اب سام مشتعل ہو رہا تھا "اگر آپ ایسا محسوس کرتے ہیں تو آپ نے میمی کو مجھ سے شادی کی کیوں اجازت دی؟ میں بھی تو فائٹر تھا۔"

"جب تم نے میمی سے شادی کی تو تم فائٹر نہیں تھے"

"اگر میرے گھٹنے کی ہڈی نہ ٹوٹی ہوتی تو میں فائٹر ہی ہوتا۔"

پاپا نے کندھے جھٹک دیے "میمی تمہیں پسند کرتی تھی۔ مجھے اس کے معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ جس سے چاہتی، شادی کرتی۔ میں اسے ٹوکنے والا کون ہوتا تھا۔"

اب سام کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ پوری طرح غصے میں تھا "جب آپ کا جی چاہے تو آپ کو مداخلت کا حق ہے پاپا اور جب آپ کے لیے مداخلت نہ کرنا مناسب ہو تو آپ شخصی آزادی کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ڈینی کے معاملے میں تو آپ کا رویہ......"

"چھوڑو اس بات کو سام" میں نے مداخلت کی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ باپ بیٹے کے معاملے میں وہ ملوث ہو۔

سام مجھ پر اُلٹ پڑا "کیوں چھوڑ دوں؟" اس نے تند لہجے میں کہا "میں اس کا حصہ ہوں۔ اس چکر میں مال گنوایا ہے میں نے۔" اس نے سخت نظروں سے پاپا کو دیکھا۔ "جب تک لڑکا آپ کے کہنے پر چلتا رہا، سب ٹھیک تھا۔ جب اس نے آپ کی نہیں سنی تو وہ برا ہو گیا۔ جب وہ فائٹ کر کے رقم گھر لاتا تھا تو آپ نے کبھی اس رقم کو لینے سے انکار نہیں کیا۔ جو پانچ سو ڈالر یہ صرف اور صرف آپ کی خاطر لے کر آیا تھا، اس رات جب آپ نے اس پر گھر کے دروازے بند کر دیے تھے، ان پانچ سو ڈالر کی اہمیت بھی سمجھتے ہیں آپ۔ ان کے بدلے میں مجھے پانچ ہزار ڈالر دینے پڑے اور آپ کا بیٹا......اس نے تو سمجھ لیں، اپنی زندگی ہی گنوا دی تھی ان کے لیے۔ قسمت تھی کہ زندہ بچ گیا اور وہ اس نے اپنے لیے نہیں، آپ کے لیے، اپنی ماں، بہن اور گھر کے لیے کیا تھا۔ یہ بات آپ کو معلوم ہے؟ بتائیں مجھے۔"

پاپا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ان کے چہرے پر شرمندگی تھی۔ ''بیٹے کو باپ کی بات ماننی چاہیے'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''سننی چاہیے کہیں۔ ماننا ضروری نہیں۔ میں اپنے بچوں کے معاملے میں ایسا ہی بنوں گا۔ میں سمجھا سکتا ہوں۔ فیصلہ کرنا ان کا کام ہوگا، وہ غلط ہوں یا درست۔ انہوں نے مجھ سے پیدا ہونے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ میں انہیں اس دنیا میں لایا ہوں تو مجھے ان کا خیال رکھنا ہے۔ ان کے اقدامات سے مجھے اتفاق ہو یا اختلاف، ان کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔''

''کر کے دکھا دینا۔ ہم دیکھ لیں گے۔'' پاپا نے جوش سے کہا ''لیکن میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔''

''آپ میرے گھر کا دروازہ میرے بچوں کے لیے بند ہوتا کبھی نہیں دیکھیں گے۔''

پاپا چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ پھر ان کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئے۔ میں نے سام کو دیکھا۔ اس کا چہرہ اب بھی تمتما رہا تھا۔ ''تم نے یہ سب کیوں کیا؟ بے کار وقت گنوایا'' میں نے کہا۔

''میں تنگ آ چکا ہوں ان کی لاف وگزاف سے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ سمجھیں اور کہیں، وہی درست ہے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں اور میں تمہارے بارے میں ان کی طنزیہ گفتگو سن سن کر اُکتا چکا ہوں۔ انہیں کیا توقعات تھیں تم سے، اور تم نے کتنا مایوس کیا انہیں......کوئی حد بھی ہوتی ہے۔''

''تم کیوں تلخ ہوتے ہو۔ تمہارا کیا واسطہ اس سے؟'' میں نے کہا ''وہ میرے متعلق بات کرتے ہیں، تمہارے متعلق تو نہیں۔''

''وہ جانتے ہیں کہ میں تمہیں فائٹر بنانا چاہتا تھا۔ اصل میں وہ تم پر رکھ کر مجھے برا بھلا کہتے ہیں۔ انہیں غم ہے کہ تم نے ان کی بات نہیں مانی اور میری مانی۔ کسی دن میں ان پر ثابت کر دوں گا کہ بہت سے معاملات میں وہ صریحاً غلط تھے۔''

میں نے منہ پھیرا اور سگریٹ جلالی ''تم ایسا کبھی نہ کرنا سام۔'' میں نے کہا ''تم ان کے اندر کبھی کوئی معمولی سی تبدیلی بھی نہیں لاسکو گے۔ میری بات مان لو۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ آخر ان کا بیٹا ہوں میں۔''

☆☆

ریپئر روم سے گزرتے ہوئے میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ مکینک ایک سگریٹ مشین کی مرمت میں مصروف تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا ''تین چار گھنٹے لگیں گے اس مشین کو سیٹ ہونے میں۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ فی الوقت تو ہم اسے کہیں لگا بھی نہیں سکتے۔''

''سگریٹ نہیں مل رہے کہیں سے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

اس صورتِ حال کو چھ ماہ ہو چکے تھے۔ سگریٹ حاصل کرنا دولت کمانے سے زیادہ دشوار ہو گیا تھا۔ جس جگہ کے بارے میں خبر پھیلتی کہ وہاں سگریٹ مل رہی ہے، وہاں لوگوں کی قطاریں لگ جاتیں۔ شکر ہے کہ میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ ہونے والا ہے، ورنہ اب تک تو میں قلاش ہو چکا ہوتا۔ لیکن میں نے درست اندازہ لگایا تھا اور کچھ لوگوں کے تعاون سے اپنے لیے بندوبست کر لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو، مجھے نقصان نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں تو میں اپنی مشین میں سگریٹیں بھر کر فروخت کر دوں گا لیکن جس طرح سے سگریٹ عنقا ہوئی تھی، اس میں تو میرے وارے کے نیارے ہو گئے تھے۔ اس وقت میں فیلڈ کے ان چند افراد میں سے تھا، جن کے پاس سگریٹ کا اسٹاک تھا۔

میں نے شاپ کے عقبی کمرے میں جھانکا، جسے ہم آفس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ''سام گورڈن کی کال نہیں آئی؟'' میں نے وہاں موجود لڑکی سے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں مسٹر فشر۔''

''آئے تو فوراً مجھے بتانا'' میں نے کہا اور واپس چل دیا۔ میں جانتا تھا کہ سام فون ضرور کرے گا۔ چاہے یا نہ چاہے، فون تو اسے کرنا ہی تھا۔

سچی بات یہ ہے کہ میں خود سے خوش اور مطمئن تھا۔ اگر سگریٹ کی قلت اور کچھ عرصہ قائم رہی تو یہ طے تھا کہ میں خاصا مال بنالوں گا۔ اتنا مال کہ شہر کی بہت اچھی لوکیشنز حاصل کرسکوں۔

میں دوبارہ ریپئرنگ روم میں گیا، جہاں مکینک کام کررہا تھا۔ ذرا دیر بعد وہ میرے پاس آیا ''اب یہ مشین پھر سے کارآمد ہے مسٹر فشر'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے گس۔ اب اور کوئی کام تو ہے نہیں۔ تم چھٹی کرلو۔''

''شکریہ مسٹر فشر'' اس نے تشکر سے کہا۔ پھر وہ مشین کی طرف مڑا ''کاش ہمارے پاس سگریٹیں ہوتیں اور ہم اسے استعمال کرسکتے۔''

''لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہم بے سبب پریشان ہو رہے ہوں'' میں نے کہا ''اخباروں میں تو لکھا ہے کہ سگریٹ کی قلت ہے ہی نہیں۔''

''میں نے بھی پڑھا تھا'' اس نے تند لہجے میں کہا ''یہ سب بلیک مارکیٹنگ کرنے والے بے ایمانوں کا کیا دھرا ہے، جو ہم جیسے ایمان دار لوگوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔''

میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اگر اسے پتا چل جاتا کہ میں نے کتنی سگریٹ چھپا رکھی ہے تو وہ یقیناً مجھ پر پولیس چڑھا لاتا۔ وہ ایسا ہی ایماندار آدمی تھا لیکن میں بے وقوف نہیں تھا۔ میں نے اپنا اسٹاک دکان سے دور، پرائیویٹ گوداموں میں چھپا کر رکھا تھا۔ کسی کو نہیں پتا تھا کہ میرے پاس کتنا مال ہے۔

لڑکی نے مجھے پکارا ''مسٹر گورڈن کی کال آرہی ہے سر''

''میں ابھی آیا'' میں نے اخبار رکھا اور آفس کی طرف لپکا۔ لڑکی کچھ کاغذات سمیٹ رہی تھی۔ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔

میں نے ریسیور اُٹھا کر کہا ''ہیلو سام''

''آج بلیک مارکیٹ میں سگریٹ کی کیا پوزیشن ہے ڈینی؟'' اس نے پوچھا۔

میں مسکرایا ''آرام سے سام، آرام سے۔ تم جانتے ہو کہ میں کتنا حساس ہوں۔ تم

میرے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہو۔''

''تمہارے جذبات نازک ہیں ہی نہیں۔ انھیں ٹھیس بھی نہیں پہنچ سکتی'' سام نے تیز لہجے میں کہا ''ہاں، ایک ڈالر کا خسارہ تمہیں دکھی کرسکتی ہے۔''

''اپنے اکلوتے سالے سے کوئی اس طرح بات نہیں کرتا ہوگا'' میں نے شوخی سے کہا ''بھائی! میں تو تمہاری مدد کررہا ہوں۔''

''تمہیں خوب جانتا ہوں میں'' سام نے دوستانہ انداز میں کہا ''بہرحال آج کا ریٹ کیا ہے؟''

''اس کا انحصار تمہاری طلب پر ہے۔ تمہیں کتنا چاہیے؟''

''پانچ ہزار کارٹن''

میں سیٹی بجا کر رہ گیا ''اتنے دھویں میں تو پورا شہر چھپ جائے گا سام۔ تو سنو، ساڑھے تین ڈالر فی کارٹن ملے گا۔''

''سا.....ڑ.....ھے.....تین.....ڈالر'' سام چلایا۔ ریسیور جھنجھنا اُٹھا۔

''اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو۔ وہ تمہاری نیم برہنہ لڑکیاں تو ایک پیکٹ کا ایک ڈالر تک وصول کرتی ہیں'' میں نے کہا اور یہ سچ تھا۔ نائٹ کلبوں میں ٹرے پر سگریٹ کے پیکٹ رکھے نیم عریاں لڑکیوں کا سام کا آئیڈیا بہت کامیاب رہا تھا۔

''سوا تین سے لگا لو، پلیز..... دیکھو نا، میں نے مدد نہ کی ہوتی تو تم اس بزنس میں آ بھی نہیں سکتے تھے۔'' اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں سام، ساڑھے تین ڈالر، ایک دام۔ تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے کتنے محترم ہو۔ میں اب بھی تمہارا چھ ہزار ڈالر کا مقروض ہوں لیکن دیکھو، کاروبار تو کاروبار ہے نا'' میں ابھی تک سام کو اس کی رقم نہیں لوٹا سکا تھا۔ کیونکہ جو کچھ میں کماتا تھا، اس سے نئی اور اہم لوکیشنز پکڑ لیتا تھا۔

''ڈینی پلیز''

''یہ بتاؤ، مال کہاں پہنچانا ہے۔'' میں نے اس کی التجا کو نظرانداز کرتے ہوئے

کہا۔ میں جانتا تھا کہ یہ قیمت اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وقت وہ جس رفتار سے مال کما رہا تھا، پہلے اس نے کبھی نہیں کمایا تھا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی، پھر اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا ''وہی پرانی جگہ''

''سی او ڈی؟''

''ہاں'' اس کا لہجہ بے جان تھا ''اور میری دعا ہے کہ پولیس تمہیں پکڑ لے۔ گڈ بائی''

میں نے مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا۔ یہ سیدھا سیدھا دس ہزار کا منافع تھا۔ مجھے ایک کارٹن صرف ڈیڑھ ڈالر کا پڑا تھا۔ میں نے میز کی دراز کھول کر اس میں سے چھوٹی نوٹ بک نکالی۔ میں نے اس میں اپنی منتخب کردہ لوکیشنز کا جائزہ لیا۔ اس تازہ منافع سے وہ سب کی سب مجھے مل سکتی تھیں۔ اُس کے بعد مجھے مشینوں کے لیے آرڈر دینا تھا۔

میں نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ ماہ مئی ختم ہونے والا تھا۔ چند روز بعد میں ۲۷ برس کا ہو جاؤں گا۔ وقت میرے ہاتھوں سے پھسلا جا رہا تھا۔ میں بوڑھا ہو رہا تھا۔

☆☆

میں مسکراتا ہوا اپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ نیلی چولہے پر چڑھی دیگچی میں جھانک رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ میں نے اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔

''آج ڈنر میں کیا ملے گا بے بی''

''پاٹ روسٹ''

میں نے اس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے گہری سانس لی ''واہ..... کیا خوشبو ہے۔ بھوک چمک اُٹھی۔''

وہ خوشی سے مسکرائی۔

''کیسے کر لیتی ہو تم یہ سب'' میں نے ستائشی لہجے میں کہا ''دن بھر شدید گرمی میں اس بدبودار پلانٹ پر کام کرتی ہو۔ اور پھر گھر آ کر اتنا زبردست کھانا پکاتی ہو۔''

''اتنی تعریفیں؟'' اس نے مجھے چھیڑا ''کس چکر میں ہو تم؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا ''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ سنو، اب تو پیسوں کی ضرورت بھی نہیں۔ تم جاب چھوڑ دو۔''

''اب میں سنجیدگی سے اس پر غور کر رہی ہوں'' وہ بولی ''لیکن اب وہاں لوگ مجھ پر انحصار کرنے لگے ہیں۔''

''میں بھی تو تم پر انحصار کر رہا ہوں'' میں نے کہا ''تم خود کو تھکا لو گی تو میرا کیا ہوگا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو ڈینی''

''یہ احمقانہ باتیں نہیں ہیں۔ مجھے پاٹ روسٹ بہت پسند ہے۔''

''تو وہ تمہیں مل تو رہا ہے۔'' اس نے کہا اور مجھے باتھ روم کی طرف دھکیلا ''جاؤ..... کھانا تقریباً تیار ہے۔'' وہ ہنس رہی تھی۔

میں مسکراتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔ اسے خوش دیکھنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ بہت عرصے بعد وہ اتنی خوش، اتنی مطمئن نظر آئی تھی۔

☆☆

''میں برتن دھونے میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں؟'' میں نے شام کے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''تم چالاک بھی ہو، اور نکمے بھی۔ جب میں دھو چکی تو پوچھ رہے ہو۔''

میں پھر آرام کرسی میں دراز ہو کر اخبار پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پارلر میں آئی اور میرے سامنے کاؤچ پر بیٹھ گئی ''آج کام کیسا رہا تمہارا؟'' اس کے لہجے میں تھکن تھی۔

''آج میں نے سام کو پانچ ہزار کارٹن ٹکائے۔ دس ہزار ڈالر کا کھرا منافع'' میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلکنے لگی ''ڈینی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ اگر تم پکڑے گئے تو؟''

میں نے کندھے جھٹک دیے۔ ''تم پریشان نہ ہو۔ ایسا نہیں ہوگا۔''

''لیکن ڈینی! میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ......''

''اخبار والے تو بے پر کی اُڑاتے ہیں'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''اور وہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ سگریٹ بیچنا جرم تو نہیں ہے۔''

لیکن وہ فکرمند ہی رہی ''ایسی دولت کس کام کی۔ میں ڈھنگ سے سو بھی نہیں پاتی رات کو۔''

میں نے اخبار ایک طرف رکھا اور اسے غور سے دیکھا '' پکڑا تو میں اس وقت گیا تھا جب میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ جب ہم اپنی بچی کو دفنا کر بیٹھے تھے۔ جب تم بیمار تھیں۔ جب میری جیب میں ایک نکل بھی نہیں تھا۔ جب میں لوگوں کی اکثریت کی طرح بے وقوف تھا۔ تمہیں یاد ہے؟ شاید تمہیں مفلسی میں بھوکا مرنا اچھا لگتا ہوگا۔ مجھے نہیں لگتا۔ میں اپنے حصے کی تمام تکلیفیں اُٹھا چکا ہوں۔''

''میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم کسی دشواری میں نہ پھنسو۔''

''پھنس بھی گیا تو کیا۔ اب نکلنے کے لیے پیسہ ہے میرے پاس۔ تم فکر نہ کرو۔ عنقریب تم زیورات سے لد جاؤ گی۔''

''میں ان کے بغیر بھی خوش ہوں'' وہ بولی ''میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس رہو'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر میں نے اسے مٹھیاں بھینچتے دیکھا ''سنو، میں اپنے بیٹے کو یہ بتانا ہرگز پسند نہیں کروں گی کہ اس کا باپ جیل میں ہے۔''

میں اُچھل کر کھڑا ہوگیا ''کیا کہا تم نے؟'' میرے لہجے میں بے یقینی تھی۔

وہ مسکرائی ''وہی، جو تم نے سنا''

میرے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی ''تت...... تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟''

''میں پہلے کنفرم کرنا چاہتی تھی۔''

میں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا ''تو تم ڈاکٹر سے مل بھی چکیں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں...... صبح کام پر جانے سے پہلے۔''

میں نے اس کے ہاتھ کو چوما اور اپنے رخسار سے لگا لیا ''تو تم مجھے فون پر تو بتا سکتی تھیں۔''

وہ ہنسنے لگی ''اس کے بعد تم کوئی کام کر سکتے تھے۔ کتنا نقصان ہو جاتا ہمارا۔''

''اور میں تمہیں اس طرح کام کرتے دیکھتا رہا'' میں نے شکایت کی ''اچھا...... یہ بتاؤ، ولادت کب متوقع ہے؟''

''تقریباً سات ماہ بعد...... نومبر کے آخر میں''

میں کاؤچ پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ میرے کچھ اندازے سو فیصد درست تھے۔ جیسے مجھے یقین تھا کہ جب بھی نیلی کا عدم تحفظ کا احساس دور ہوا، وہ مجھے یہ خوشخبری سنائے گی۔

''تم خوش ہو ڈینی؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ مجھے یاد تھا کہ پچھلی بار کیا ہوا تھا۔ لیکن اب کے صورتِ حال مختلف تھی ''اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے'' میں نے کہا۔

''کیوں؟ یہ جگہ نہایت مناسب ہے۔''

''نہیں۔ بچے کی پرورش اور تربیت کے لیے یہ ماحول مناسب نہیں۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ہم بہتری کے متحمل بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا ''ہمیں ایسی جگہ رہنا چاہیے، جہاں دھوپ بھی ہو، اور تازہ ہوا بھی۔''

''ایسی جگہ مہنگی ہوگی ڈینی'' اس نے احتجاج کیا ''اور آسانی سے ملے گی بھی نہیں۔ اچھے اپارٹمنٹ کے لیے میز کے نیچے سے بھی رقم دینی پڑتی ہے۔''

''اپارٹمنٹ کی بات کون کر رہا ہے؟ میں تو مکان خریدنا چاہتا ہوں۔''

''مکان؟'' اس کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔ ''وہ تو بہت مہنگا ہوگا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اتنی رقم! نہیں بھئی، اس کے مقابلے میں مجھے یہاں رہنا اور وہ رقم سنبھال کر رکھنا زیادہ بہتر لگے گا۔''

''بے کار کی باتیں مت کرو۔ میں کما کس کے لیے رہا ہوں۔'' میں نے سخت لہجے

میں کہا ''تمہارے لیے......اور اپنے آنے والے بچے کے لیے!''

☆☆

اگست کا جلتا تپتا سورج میرے جسم سے پانی کی ایک ایک بوند نچوڑ چکا تھا۔ میں اپنی کار میں بیٹھا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔ پھر اسٹارٹر دبایا۔ انجن نے ایک آہ سی بھری، چند لمحے جیسے کھانسا اور پھر خاموش ہو گیا۔ میں نے دوبارہ کوشش کی۔ نتیجہ وہی نکلا۔

میں نے ڈیش بورڈ کا جائزہ لیا، میٹر کی سوئی ڈسچارج پر ٹھک رہی تھی۔ میں نے دوبارہ اسٹارٹر پر دباؤ ڈالا لیکن بے سود، بیٹری جواب دے چکی تھی۔ میں نے چابی نکالی اور کار سے باہر آ گیا۔ میں کار کو شکایت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، جیسے کوئی وقت پر کام نہ آنے والے دوست کو دیکھتا ہے۔ پھر میں زیر لب گالیاں بکنے لگا۔ گاڑی نے بڑے غلط موقع پر دھوکا دیا تھا۔ میں نے نیلی سے جلدی گھر آنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چار بجے تھے۔ بیٹری کو یا تو ری چارج کرانا تھا، یا تبدیل کرانا تھا۔ دونوں صورتوں میں ایک گھنٹا ضایع ہوتا اور نیلی خفا ہو جاتی۔ ان دنوں وہ بہت حساس ہو رہی تھی۔

میں نے گاڑی کو لاک کیا اور سب وے کی طرف چل دیا۔ قریب ترین سب وے اسٹیشن چھ بلاک کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پہنچتے پہنچتے میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو میں پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا۔ میں نے نیوز اسٹینڈ کی طرف دیکھا۔ ان میں سے بعض پر ٹھنڈی یخ کوکا کولا کی بوتلیں بھی ملتی تھیں۔ مجھے اس وقت اس کی سخت ضرورت تھی۔

میں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پورا پلیٹ فارم چیک کر لیا لیکن کوک نہیں ملی۔ میں جھنجھلانے لگا۔ آفس سے نکلتے ہی لگتا تھا کہ قسمت مجھے ستانے پر تل گئی ہے۔ پہلے گاڑی خراب ہوئی، پھر پیدل چلنا پڑا اور اب پینے کے لیے کوئی ٹھنڈی چیز بھی نہیں مل رہی تھی۔ پیاس اور بڑھ گئی تھی۔

ٹرین آئی اور میں اس میں سوار ہو گیا۔ میں نے ساتھی مسافروں کے چہروں پر نظر

دوڑائی۔ وہ بھی پسینے میں نہا رہے تھے۔ ہر چہرہ میرے لیے آئینہ تھا۔ وہی بے زاری، وہی گھبراہٹ، وہی پسینہ، وہی جلتی آنکھوں میں پیاس۔ ذرا دیر میں میں بور ہو گیا۔ کاش میں نے اخبار ہی خرید لیا ہوتا۔

میں کھڑکی سے گزرتے سائن بورڈ پڑھتا رہا۔ پھر اچانک مجھے کوکا کولا کا بورڈ نظر آیا۔ وہی مسکراتی ہوئی حسین لڑکی، جو گلاب کی طرح کھلی کھلی اور تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے عقب میں پگھلتی ہوئی برف کی ایک بڑی ڈلی تھی، جو پسینے میں نہا رہی تھی، گھلنے کا تاثر دے رہی تھی۔ لڑکی کے ہاتھ میں کوک کی بوتل تھی اور نیچے لکھا تھا...... تازہ دم کرنے والا ایک وقفہ۔ میرے منہ میں پانی بھر آیا۔

ٹرین رک گئی تھی۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ایک شخص چیونگم کی مشین میں سکہ ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور تمتمایا ہوا تھا۔ وہ بھی گرمی سے بے حال تھا۔ چیونگم اس وقت اس کی ضرورت نہیں، مجبوری تھی۔ کوک کا واحد متبادل تھا۔

دروازے بند ہونے لگے میں نے کوک کے ہورڈنگ کو پھر ایک بار دیکھا۔ گم مشین پر لعنت بھیجو، میں نے دل میں سوچا، اس وقت تو اس سب وے پر میری کوک کی مشینوں کی ضرورت ہے۔ صرف مجھے ہی نہیں ہر شخص کو۔ کتنا کامیاب ہو سکتی ہیں وہ۔

یہ وہ لمحہ تھا، جب اس خیال نے میرے گھبرائے ہوئے ذہن کے دروازے پر دستک دی۔ مجھے وہ وقت یاد آیا، جب میں سوڈا فاؤنٹین پر کام کرتا تھا۔ وہاں ایک لڑکی نے مجھ سے کہا تھا سب وے پر بھی کوک ملنی چاہیے۔ اس وقت میں نے جواب دیا تھا...... رومینٹک جواب...... میں تو یہ نہیں چاہوں گا۔ وہاں کوک اور لائم ملے تو تم یہاں آنا چھوڑ دو گی۔ مگر اب خود بھگتا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ کتنی سچی اور اہم بات کہی تھی اُس نے۔

میں کوک ہورڈنگ کو دیکھتا رہا۔ میں عام لوگوں کو احمق کہتا ہوں۔ سب سے بڑا احمق تو میں خود ہوں۔ احمقوں کا بادشاہ۔ یہ سب کچھ میری ناک کے عین نیچے موجود تھا اور مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ یہ تو دنیا کی بہترین لوکیشنز تھیں۔ نیو یارک کے سب وے! مجھے

صرف سٹی گورنمنٹ سے ڈیل کرنی ہوگی اور اس کے بعد عیش ہی عیش اور کیش ہی کیش۔ زندگی بھر کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

اب میں نے ٹرین کے مسافروں کو اور انداز میں دیکھا۔ وہ سب گرمی سے بے حال اور پیاس سے عاجز تھے۔ میں نے تصور کی آنکھ سے کوک کی مشینوں کے سلاٹ میں سکے گرتے دیکھے..... ٹھنڈی کوک! اور موسم سرما میں گرما گرم کافی!

میرے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی۔ اس معاملے کی طرف سے آنکھ بند نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہی تو میرا خواب تھا۔ یہی تو وہ لوکیشن تھی، جسے میں کب سے کھوج رہا تھا۔ اب مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ میری کار کی بیٹری ڈاؤن ہوگئی۔ وہ تو مجھے خوابِ خرگوش سے جگانے کے لیے خراب ہوئی تھی۔ حیرت ہے، میں نے پہلے کیوں نہیں سوچا۔ آسانی سے پیسہ کمانا ہو تو آپ کو لوگوں کے اژدہام میں جگہ بنانی چاہیے۔ وہاں جانا چاہیے، جہاں لوگ بڑی تعداد میں ہوں۔ وول ورتھ نے درست فارمولا بنایا تھا۔ دس اور بیس سینٹ کا بزنس کرو تو ڈالروں میں حساب کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔ قطرہ قطرہ دریا بن جاتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا، سب وے پر دس اور بیس سینٹ کے ذریعے اتنا مال کمایا جا سکتا ہے کہ ففتھ ایونیو کا ڈیپارٹمنٹل اسٹور بھی نہیں کما سکتا۔

☆☆

میں نے بڑی بے تابی سے بزرد بابا اور ساتھ کھڑی نیلی کی طرف دیکھا۔ پھر میں نے دوبارہ بزرد بابا اور نیلی کو دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ماں بننے کی خوشی نے اس کے حسن کو اور جلا بخشی تھی۔

''میری سمجھ میں اب بھی نہیں آیا کہ تم سام سے ملنے کے لیے اتنی عجلت میں کیوں دوڑے چلے آئے ہو'' اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی'' یہ کام کل بھی تو کیا جا سکتا تھا۔''

میں سمجھ رہا تھا۔ گرمی اسے بے آرام کر رہی تھی۔ اور میں اسے یہاں دوڑا لایا تھا۔

''ہاں، یہ ممکن تھا'' میں نے کہا'' لیکن جو آئیڈیا میرے ذہن میں آیا ہے، کسی اور کو بھی تو سجھائی دے سکتا ہے۔ پھر جس نے پہلے عمل کیا، وہ جیت.....'' دروازہ کھلا اور میں کہتے

کہتے رُک گیا۔

میمی ہمیں دیکھ کر حیران ہوئی ''ڈینی، نیلی..... خلافِ توقع'' وہ مسکرائی اور ایک طرف ہٹ گئی۔

میں تو دو لمبے ڈگ بھر کر ڈیوڑھی میں پہنچ چکا تھا۔ ''میں ایک ڈیل کے سلسلے میں سام سے ملنے آیا ہوں'' میں نے لونگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا'' وہ گھر میں ہے نا؟''

اندر سے سام کی دہاڑ سنائی دی۔ ''کون ہے میمی؟''

''ڈینی اور نیلی'' میمی نے جواباً پکارا'' ڈینی تم سے ملنے آیا ہے'' پھر وہ ہماری طرف مڑی'' آؤ نا۔ سام ابھی چند منٹ میں نیچے آ جائے گا۔''

ہم اس کے ساتھ لونگ روم میں چلے آئے ''تمہارا کیا حال ہے؟'' میمی نے ہمدردانہ لہجے میں نیلی سے پوچھا۔

''زبردست، شاندار۔ اگر ڈاکٹر نے یقین نہ دلایا ہوتا تو میں کبھی نہ مانتی کہ میں اُمید سے ہوں۔''

''خوش قسمت ہو تم'' میمی نے رشک سے کہا'' مجھ پر تو ہر بار قیامت گزر جاتی ہے۔''

آہ عورتیں! بیٹھیں اور زچگی کے مسائل پر شروع ''سام کیا کر رہا ہے؟'' میں نے بے صبرے پن سے کہا۔

''شاور لے رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ گرمی اس سے برداشت نہیں ہوتی''

میں نے سر ہلایا اور ڈپلیکس اپارٹمنٹ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ''تم لوگ باتیں کرو۔ میں سام سے کچھ بات کرلوں۔''

میں اُوپر پہنچا۔ سام جسم پر تولیا لپیٹے آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا'' کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو؟'' اس نے بے رُخی سے پوچھا۔

''ملین ڈالر کمانے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے'' میں نے چھوٹتے ہی کہا۔

اس نے آئینے میں مجھے دیکھا۔ اس کی نظروں میں اشتباہ تھا'' مجھے کوئی دلچسپی نہیں''

اس نے کہا ’’تم جب بھی میرے پاس کوئی نیا آئیڈیا لے کر آتے ہو، میرا اچھا خاص مال خرچ ہو جاتا ہے۔‘‘

’’مسخرا پن چھوڑو۔ اس بار معاملہ پکا ہے۔‘‘ میں نے کہا ’’اب بولو، سننا چاہتے ہو یا نہیں۔‘‘

اس نے کنگھا نیچے رکھا اور میری طرف مڑا ’’چلو، بتاؤ۔ سننے میں میرا کیا جاتا ہے۔‘‘

میں مسکرایا ’’تم نے کبھی سب وے پر کوک خریدنے کی کوشش کی؟‘‘

وہ بری طرح گڑبڑا گیا ’’کیا بات کر رہے ہو؟ تم جانتے ہو کہ میں نے برسوں سے سب وے کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ وہ تو دہقانوں کے لیے ہیں۔‘‘

’’یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں سام‘‘ میں نے نرم لہجے میں کہا ’’کبھی کبھی دہقانوں کے درمیان بھی چلے جایا کرو تاکہ تمہیں یاد رہے کہ تم بھی کبھی ان ہی میں سے تھے۔‘‘

سام کو غصہ آ گیا ’’میں نے تمہارا ملین ڈالر والا آئیڈیا سننے کی ہامی بھری ہے، خرافات سننے کی نہیں۔‘‘

’’تو آئیڈیا تو تم سن چکے ہو سام‘‘ میں نے کہا ’’لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں دہقانوں سے دور ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا کہ سننے کے باوجود بھی تم سن نہیں سکے۔ اگر آج میری کار خراب نہ ہو گئی ہوتی تو مجھے بھی پتا نہ چلتا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ مجھے مدت ہو گئی دہقانوں سے دور ہوئے‘‘ سام نے نہایت بدمزگی سے کہا ’’اب یہ فضولیات چھوڑو اور کام کی بات کرو۔ ورنہ مجھے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔‘‘

میں نے ایک سگریٹ سلگائی اور دھوئیں کا مرغولا اس کی طرف اُچھالا ’’پرانے دن یاد کرو سام‘‘ میں نے کہا ’’وہ دن، جب تم ان ساٹھ لاکھ دہقانوں میں شامل ہوتے تھے۔ جب تم سینٹرل پارک ساؤتھ کے پاس نہیں تھے۔ اب تصور کرو کہ تم کام کے بعد گھر لوٹ رہے ہو۔ گرمی سے بے چین ہو اور پیاس سے نڈھال۔ سب وے پر پہنچتے پہنچتے

تمہاری حالت اور تباہ ہو گئی ہے۔ تمہیں اس وقت دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ٹھنڈے مشروب کی ضرورت ہے۔ تم ادھر ادھر دیکھتے ہو۔ مگر پینے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ سوچو تو کیا حال ہے تمہارا؟‘‘ میں نے سانس لینے کے لیے توقف کیا۔

’’اے ڈینی! تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ اس سال کی بہترین پرفارمنس آسکر جیتنا چاہتے ہو۔‘‘ سام نے جل کر کہا۔

میرا چہرہ گرم ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا انداز اس قدر ڈرامائی ہے۔ ’’تم اب بھی نہیں سمجھے؟‘‘ میں نے بے بسی سے کہا۔

’’نہیں، میں نہیں سمجھا‘‘ اس نے نفی میں سر ہلایا ’’میں سینٹرل پارک ساؤتھ کا رہنے والا ہوں۔ پرلے درجے کا احمق ہوں اور سب وے پر جوتے چٹخانے والے دہقانوں کی طرح اسمارٹ نہیں ہوں۔‘‘

’’جو کچھ میں نے ڈرامائی انداز میں کہا تھا، اب اس کے آگے میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تم گرمی سے نڈھال اور پیاس سے بے حال دہقان ہوتے اور سب وے پر تمہیں میری کوک مشین نظر آ جاتی تو کیا تم کوک نہ پیتے؟‘‘

وہ تولیے سے اپنا سر خشک کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اچانک ساکت ہو گیا اور وہ مجھے گھورنے لگا۔ اب اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی ’’پھر سے کہو ڈینی‘‘ اس نے محتاط لہجے میں کہا ’’اور ذرا ٹھہر ٹھہر کر۔ اب میں تمہاری بات توجہ سے سنوں گا۔‘‘

☆☆

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ڈیل بہت بڑی تھی۔ یہ بات تو سام نے بھی تسلیم کی۔ ہم نے اس سلسلے میں ایک علاحدہ کمپنی قائم کی، جو صرف اس معاملے کو ہینڈل کرتی۔ یہ طے پایا کہ سرمایہ سام کا ہوگا اور محنت میری۔ بزنس میں چلاؤں گا۔

لیکن اس سلسلے میں ایسے معاملات بھی تھے، جن کے بارے میں میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں اس میں اس بری طرح مصروف ہوا کہ مجھے اپنا کاروبار کلی طور پر زیپ کے سپرد کرنا پڑا تاکہ میں نئی کمپنی کے انتظامات میں یکسوئی کے ساتھ لگا رہوں۔

سب وے پر کوک مشینیں! کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنے سیدھے سے کام میں اتنا وقت لگے گا، اتنی محنت کرنی ہوگی۔ لیکن اس سلسلے میں بے شمار لوگوں سے ملنا تھا۔ سٹی گورنمنٹ کے افسران، بورڈ آف ٹرانسپورٹیشن کے افسر، انجینئر، محکمہ صحت کے افسران۔ اتنی مختلف جگہوں سے منظوری لینی تھی کہ میرا دماغ گھوم کر رہ گیا اور یہی نہیں، ان سب کے بعد سیاست داں بھی تھے۔

اس طرح کے کام کے لیے اثر و رسوخ بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے تو میں آئیڈیا لے کر سام کے پاس دوڑا تھا۔ سام کے بڑے بڑے تعلقات تھے۔ بہت اثر و رسوخ تھا۔ اس کے باوجود ہمیں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے بڑی رکاوٹ کا نام ماریو لمبارڈی تھا۔

ماریو لمبارڈی مختصر الوجود اور خاموش طبع آدمی تھا، جس نے اپنے نام کو اخبارات سے دور رکھنے کے لیے بطورِ خاص ایک پریس ایجنٹ کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ مجھے پتا چلا کہ نیو یارک شہر میں ماریو کی منظوری کے بغیر کوئی کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سٹی گورنمنٹ بڑی ایمانداری سے ہمارے پروجیکٹ کی حمایت کر رہی تھی کہ اس میں عام لوگوں کی بہتری ہے لیکن ماریو کی منظوری بہت ضروری تھی۔

سام کے نزدیک ماریو لمبارڈی تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ تھا..... میکسی فیلڈز۔ میں اس سے بچنا چاہتا تھا لیکن سام نے بے بسی سے کہا کہ کوئی اور راستہ ہوتا تو وہ خود بھی فیلڈز کو شامل کرنے سے گریز کرتا۔ چنانچہ ہمیں میکسی سے بات کرنی پڑی۔ اس کے نتیجے میں ہم اس وقت اپر پارک ایونیو کے اپارٹمنٹ میں ماریو لمبارڈی کے لونگ روم آفس میں بیٹھے تھے۔ اور ہماری کمپنی میں دو پارٹنرز کا اضافہ ہونے والا تھا۔

میں نے سگریٹ کا طویل کش لے کر لمبارڈی کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا ''چلیں مسٹر لمبارڈی ہم آپ کو شامل کر لیتے ہیں'' میں نے کہا ''لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد بھی ہماری یہ ڈیل قائم رہے گی۔ دیکھیں نا، اس شہر کی سیاست میں تو اُتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ آج آپ 'اِن' ہیں اور کل 'آؤٹ' پھر

ہمارا کیا بنے گا؟''

لمبارڈی نے اپنے سگار کی ساکھ کو بڑی نزاکت سے ایش ٹرے میں گرایا۔ اس کی انگلی میں بڑے ہیرے کی گلابی انگوٹھی اپنی شعاعوں سے مجھے مسحور کر رہی تھی۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا ''ماریو لمبارڈی وہ وعدہ ہی نہیں کرتا، جو وہ نبھا نہ سکے۔'' اس نے پر اعتماد سادگی سے کہا ''جنگ کے بعد کون اس شہر کا نظام چلاتا ہے، مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ میرا شہر ہے۔ یہاں وہی کچھ ہوگا، جو میں چاہوں گا۔''

''یہ حقیقت ہے ڈینی'' میکسی فیلڈز نے جلدی سے کہا ''ماریو کے حکم کے بغیر اس شہر میں پتا بھی نہیں گرتا۔''

میں نے میکسی کو سرد نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آواز سن کر ہی مجھے متلی ہوتی تھی۔ میں اب بھی اسے ناپسند کرتا تھا۔ اس میں کوئی ایسی بات، کوئی ایسی چیز تھی، جو مجھے سخت بدبو کا احساس دلاتی تھی۔

سام کا چہرہ بے تاثر تھا لیکن اس کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔

سام مطمئن تھا تو میرے لیے غیر مطمئن ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ آخر سرمایہ تو سام کا تھا۔ میں نے لمبارڈی کو دیکھا جو ہم سے اور ہماری گفتگو سے بے نیاز اب اپنے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اب اس کے آگے معاملہ قسمت کے ہاتھ میں ہے۔ میں خود کئی سیاست دانوں سے مل چکا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا تھا کہ یہ ڈیل ماریو لمبارڈی کے تعاون کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

''اوکے ماریو'' میں نے کہا۔ آدمی اپنے پارٹنر کو بے تکلفی سے، اس کے پہلے نام سے ہی پکارتا ہے ''تو بات طے ہوگئی۔ منافع کا دس فیصد تمہارا۔''

ماریو اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا ''تم اس ڈیل پر کبھی نہیں پچھتاؤ گے ڈینی'' اس نے کہا ''اور کبھی، کسی بھی معاملے میں میری مدد کی ضرورت ہو تو آ کر مجھ سے مل لینا۔ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔''

میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرایا ''ہر طرح سے؟''

وہ بھی مسکرایا۔ اس کے دانت انگوٹھی کے ہیرے کی طرح چمکنے لگے۔ ''ہاں ڈینی۔ میں نے یہی کہا ہے اور جو مجھے کرنا نہ ہو، وہ میں کہتا ہی نہیں ہوں۔''

☆☆

ہم باہر نکلے تو فیلڈز نے کہا ''تمہیں تو میری طرف ہوتے ہوئے ہی جانا ہے ڈینی؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور سام کی طرف مڑا ''تم سے کل ملاقات ہوگی سام''

''ہاں، کل صبح'' سام نے اپنی کیڈی لاک کنورٹیبل میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

سام چلا گیا۔ میں فیلڈز کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھا۔ میں خاموش تھا، اعداد و شمار پر غور کر رہا تھا۔ دس فیصد ماریو کا اور پانچ فیصد میکسی کا۔

فیلڈز کی آواز نے مجھے چونکا دیا ''یہ سام بہت برائٹ آدمی ہے'' اس نے فرنٹ سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پہلی بار میں اس کے منہ سے کسی کے لیے کوئی اچھی بات سن رہا تھا ''اس میں کوئی شک نہیں'' میں نے جواب دیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

''بڑا زبردست بزنس ہے اس کا۔'' فیلڈز نے کہا ''اور وقت کے ساتھ پھیلتا جا رہا ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ گفتگو کس طرف جا رہی ہے ''ہاں، وہ محنت بھی تو بہت کرتا ہے'' میں نے مختصراً کہا۔

''بے شک'' اس نے بہت تیزی سے کہا۔ عام طور پر وہ کسی کی بات سے اتنی آسانی سے اتفاق نہیں کرتا تھا ''میرا خیال ہے، تم بھی اس کے کاروبار کو پوری طرح سمجھتے ہو۔ تم نے برسوں اس کے بہت قریب رہ کر اس کے ساتھ کام کیا ہے۔''

میں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا ''ہاں'' میں نے کہا۔

''اگر اسے کچھ ہو جائے تو اپنی بہن کے رشتے سے تمہی اس کا کاروبار سنبھالو گے۔'' میکسی نے اپنی بات جاری رکھی۔

ایک لمحے کو تو مجھے یہ سوچنا بھی حیران کن لگا۔ پھر میں بولا تو میری آواز لڑکھڑا گئی ''ہاں..... شاید ایسا ہی ہو۔''

سگنل پر گاڑی رکی۔ فیلڈز کی نظریں مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا ''کبھی کسی موقع پر اس انداز میں سوچنا پڑ جائے تو مجھ سے رابطہ کرنا ڈینی'' اس نے بے حد سرسری انداز میں کہا ''میں تمہاری مدد کر سکوں گا''

میرے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ مجھ سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''ترقی تو ہر شخص کرنا چاہتا ہے ڈینی'' اس نے وضاحت کی۔

میں نے اسٹیرنگ اتنی سختی سے دبوچا کہ میری انگلیوں کی پوریں سپید پڑ گئیں ''میرے پاس جو کچھ ہے، میں اس سے مطمئن ہوں میکسی'' میں نے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی ''اور میرا اپنا کاروبار بھی اچھا جا رہا ہے۔''

''سگریٹ کی قلت ہمیشہ نہیں رہے گی کڈ۔ بلیک مارکیٹ عارضی چیز ہے۔'' وہ بولا ''بہر حال، کسی وقت ارادہ بدلے تو میری یہ بات یاد رکھنا۔''

اس کے بعد ہمارے درمیان خاموشی رہی۔ میرا بس چلتا تو اسے اسی وقت کار سے دھکیل دیتا۔ میرے نزدیک تو کاروبار میں اسے شامل کرنا ہی ایک بڑی برائی تھی۔ میں ضرورت سے ایک پل زیادہ بھی اس کی قربت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆

میں اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو بیڈ روم کے پنکھے کی گنگناہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ میں دبے پاؤں بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ وہاں بستر پر نیلی بے خبر سو رہی تھی۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر خاموشی سے کمرے سے نکلنے لگا۔

''ڈینی'' اس نے مجھے پکارا۔

میں پلٹا۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''میں بہت تھک گئی تھی۔ نیند آ گئی''

میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا''میں تمہیں جگانا نہیں چاہتا تھا''

''تم نے مجھے نہیں جگایا۔ ابھی مجھے کھانا بھی پکانا ہے۔ دن بھر میں اپارٹمنٹ کی تلاش میں پھرتی رہی۔ مگر کوئی ڈھنگ کا اپارٹمنٹ ملا ہی نہیں۔ گھر آئی تو کمزوری محسوس ہوئی۔ سوچا، تھوڑی دیر سولوں۔''

میں مسکرایا''چھوڑو اپارٹمنٹ کو۔ ہم مکان خرید لیتے ہیں''

''اتنے پیسے کیوں خرچ کریں ڈینی''اس نے احتجاج کیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا''تم پیسوں کی فکر مت کرو ہنی۔ سب وے ڈیل لمبارڈی نے اوکے کر دی ہے۔ پیسوں کا اب کوئی مسئلہ نہیں''

وہ مجھے ٹٹولنے والی آنکھوں سے دیکھنے لگی''تم سچ مچ مکان ہی چاہتے ہو ڈینی؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا''زندگی بھر میں نے بس یہی چاہا کہ میرا اپنا مکان ہو''

میں نے کہا اور پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اس سے زیادہ سچے الفاظ میری زبان سے پہلے کبھی ادا نہیں ہوئے تھے اور میں زندگی میں کبھی اتنا خوش نہیں رہا، جتنا اپنے گھر میں تھا

''ہاں، میں یہی چاہتا ہوں۔ دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر...... اپنا گھر''

اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی بانہیں میری گردن میں حمائل کر دیں''اوکے ڈینی''اس نے سرگوشی میں کہا''اگر تمہیں یہی چاہیے تو ٹھیک ہے۔ ہم مکان ہی خریدیں گے۔''

☆☆

کار کو اس گلی میں موڑتے ہی میں نے دل میں سوچا کہ درخت کتنے بڑے ہو گئے ہیں۔ نیلی خاموشی سے کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

تقریباً بیس سال گزر گئے تھے۔ بہت کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ بلاک کے تمام مکان گھر بن چکے تھے۔ کچھ کچھ پرانے سے، کچھ کچھ موسم زدہ سے۔ کچھ ایسے تھے جنہیں رنگ و روغن کی اشد ضرورت تھی لیکن ایک چیز نہیں بدلی تھی۔ دیکھنے میں وہ سب ایک

جیسے ہی تھے۔

میں نے کار کو اپنے گھر کے سامنے روکا اور نیلی کی طرف مڑا۔ وہ اب بھی خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں مکان پر جمی تھیں۔ میں بھی مکان کو دیکھنے لگا۔

میرے اندر گرم جوشی کی ایک لہر سی اُٹھی، ایک گہری طمانیت، جس سے محروم ہوئے مجھے برسوں ہو چکے تھے۔ اب یہ سچ مچ میرا گھر ہوگا۔

''ایجنٹ نے کہا تھا کہ وہ اندر ہمارا منتظر ہوگا''میں نے کہا۔

نیلی کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں''ڈینی......''اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی''بہتر ہوتا کہ ہم اور کچھ دن انتظار کر لیتے۔ جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ کیا پتا، کچھ اور بہتر مل جائے ہمیں''

''کیسی باتیں کر رہی ہو''ڈیڑھ ماہ سے ہم پھر رہے ہیں اور ہمیں کوئی مکان پسند نہیں آیا۔ اب ستمبر بھی تقریباً آدھا گزر چکا ہے۔ اگر ہمیں یکم اکتوبر تک نئے گھر میں منتقل ہونا ہے تو مزید وقت ضایع نہیں کیا جا سکتا۔''

''جلد بازی کیوں؟ ہم بچے کی پیدائش کے بعد بھی تو شفٹ ہو سکتے ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا''نہیں، میں اسے نئے گھر میں لانا چاہتا ہوں۔ آؤ...... اندر چلیں''

وہ آہستگی سے کار سے اُتری اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے بازو کو چھوا۔ اس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی جھلک رہی تھی۔ اس کے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

میں نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ اس کے جسم کی اس لرزش کا کوئی جواز نہیں تھا۔ کافی گرمی ہو رہی تھی''کیا بات ہے؟''میں نے پوچھا''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔''

''تو پھر یہ لرزش کیسی؟ تمہیں سردی لگ رہی ہے؟''

"نہیں" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا "ابھی میرے دل میں ایک خوف ناک خیال آیا، اور میں خوف زدہ ہوگئی۔"

میں مسکرایا "خوفزدہ ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں"

اس نے سر گھما کر مکان کو دیکھا "میں اچانک تمہارے لیے خوف زدہ ہوگئی تھی ڈینی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہت خوفناک بات ہونے والی ہے۔"

"ایسا کیا ہوسکتا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا "اب ہم سیٹ ہو چکے ہیں۔ اب ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

میرے بازو پر اس کی گرفت سخت ہوگئی "یہ مکان تمہارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے ڈینی، ہے نا؟" وہ اب بھی مکان کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ یہ تو ابتدا ہی سے میرا گھر تھا لیکن مجھ سے چھن گیا۔ اب یہ پھر میرا ہوگا۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "زندگی بھر تم اس کو ترستے رہے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا" میں نے اُلجھن بھرے لہجے میں کہا۔

"اس تمام عرصے میں تم ہر چیز سے بڑھ کر صرف اس کی خواہش کرتے رہے ہو؟"

میں چند لمحے سوچتا رہا۔ ممکن ہے، وہ ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تو قسمت کی بات تھی کہ ہم مکان کی تلاش میں نکلے تو میرا پرانا مکان اپنی پیشانی پر 'برائے فروخت' کا بورڈ لگائے دستیاب تھا۔ یہ بھی قسمت کی بات تھی کہ اس وقت کسی نئی ہاؤسنگ اسکیم پر کام بھی نہیں ہو رہا تھا۔ بعض چیزوں کا راستہ خود بہ خود ہموار ہوتا ہے۔ اس کو قسمت کہتے ہیں۔

میں نے اس سے کچھ نہیں کہا، اور مکان کی طرف دیکھا۔ اس نے میرے بازو کو جھٹکا دیا "ڈینی! میرا خیال ہے، ہمیں یہ مکان نہیں خریدنا چاہیے" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا "دیکھو نا، تم یہاں نہیں رہ سکے، کیونکہ یہ تمہاری قسمت میں نہیں تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اگر ہم اس مکان کو حاصل کرنے کی ضد کریں گے تو قسمت ہمارے خلاف ہو جائے گی۔"

میں مسکرا دیا۔ زچگی کے دوران عورتیں عام طور پر وہمی ہو جاتی ہیں "بے وقوفی کی بات نہ کرو نیلی۔ ہم بس ایک مکان ہی تو خرید رہے ہیں"

وہ فرنٹ ڈور کی طرف بڑھی۔ مگر میں ہاتھ تھام کر اسے ڈرائیو وے کی طرف لے گیا۔ ہم دونوں مکانوں کے درمیان، عقبی باغیچے میں چل رہے تھے۔ وہ بھی بدل گیا تھا۔ جب ہم یہاں رہتے تھے تو عقبی صحن خالی تھا۔ مگر اب وہاں گھاس تھی۔ کیاری میں پھولوں کے پودے ہرے بھرے تھے۔ میں نے درمیانی جنگلے کو دیکھا تو مجھے وہ رات یاد آئی، جب میں نے ریکسی کو یہاں لا کر دفن کیا تھا۔ اس جگہ اب بڑے گلابوں کا ایک پودا کھڑا تھا۔

میں نے سوچا، ریکسی اس کی وجہ سے ڈسٹرب تو نہیں ہو رہی ہوگی!

"مسٹر فشر" کسی نے مجھے پکارا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسٹیٹ ایجنٹ تھا۔ وہ ڈرائیو وے کی طرف سے آ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"آپ مکان دیکھنے کے لیے تیار ہیں مسٹر فشر؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

چوبی فرش میرے قدموں تلے چرچرا رہا تھا۔ وہ آواز مجھے خیر مقدمی لگی۔ جیسے وہ سرگوشی میں کہہ رہا ہو...... ہیلو ڈینی فشر۔ ایک بڑا بادل سورج کے سامنے سے گزرا تو کھڑکی دھندلانے لگی۔

میں نے اپنے کمرے کی چوکھٹ پر قدم رکھا۔ نیلی اس وقت ایجنٹ کے ساتھ مکان کے ایک اور حصے میں تھی۔ میں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے عقب میں دروازے کو بند کر دیا۔

کبھی کی طرح...... جیسے میں نے برسوں پہلے کیا تھا، میں فرش پر لیٹ گیا اور اپنا رُخسار اس سے چپکا دیا۔ اب میں بہت بڑا ہو گیا تھا۔ شاید وہ بچپنا مجھے زیب نہیں دیتا تھا۔ کسی دن شاید میرا بیٹا بھی یہی کرے گا۔

''کتنے برس گزر گئے ڈینی'' کمرے نے جیسے سرگوشی کی۔

میں نے فرش کا جائزہ لیا۔ جہاں کبھی ریکسی کے لیٹنے کی وجہ سے سیاہ نشان پڑ گیا تھا، وہ اب وہاں موجود نہیں تھا۔ تب سے اب تک کئی بار فرش کی رگڑائی ہوئی ہوگی۔ اس پر وارنش پھیری گئی ہوگی۔ دیواروں پر اور چھت پر پینٹ کی نہ جانے کتنی تہیں چڑھی تھیں۔ اپنی یادداشت کے مقابلے میں کمرا مجھے چھوٹا لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس وقت میں خود چھوٹا سا لڑکا تھا، اس لیے کمرا مجھے زیادہ ہی بڑا لگتا ہوگا۔ آدمی ہر چیز کو اپنے وجود کے حوالے سے ہی تو دیکھتا ہے۔

میں اُٹھا، آگے بڑھا اور میں نے کھڑکی کھولی۔ جبلی طور پر میری نگاہ ڈرائیو وے کے پار پڑوس کے مکان کی طرف اُٹھی۔

برسوں پہلے، وہاں ایک لڑکی ہوتی تھی۔ وہ اس کا کمرا تھا۔ میں نے اس لڑکی کا نام یاد کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے اس کا نام یاد نہیں آیا۔ ہاں مجھے یہ یاد تھا کہ بلب کی روشنی میں، کھلی ہوئی کھڑکی سے وہ کیسی دِکھتی تھی۔ مجھے اس کی پکار سنائی دے رہی تھی...... ڈینی!

لیکن اس سامنے والی کھڑکی پر پردے پڑے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کمرا اب بھی ویسا ہی ہوگا۔

میں پلٹا تو جیسے کمرا بھی پلٹا۔ جیسے وہ جاندار تھا اور میرے ساتھ حرکت کر رہا تھا۔

''میں تمہیں مس کرتا رہا ہوں ڈینی'' اس نے پھر سرگوشی میں کہا ''کیا تم پھر سے یہاں رہنے کے لیے آئے ہو؟''

میرے اندر عجیب سا اضمحلال بھر گیا۔ میں کھڑکی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میں کبھی صحیح معنوں میں سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ اپنے اس مکان کو میں کتنا زیادہ مس کرتا رہا ہوں۔ اب نیلی کی بات میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ میرے اور اس مکان کے درمیان کوئی وعدہ اور معاہدہ تھا، جس کے بارے میں، کہیں اپنے وجود کی نہایت گہرائی میں مجھے یقین تھا کہ اس کی پاسداری کی جائے گی۔ میں جس طرف بھی نگاہ کرتا، مجھے وہ وعدہ، وہ معاہدہ لکھا نظر آتا۔ ''میں تمہارے بیٹے کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا ڈینی۔ میں اسے

بڑا، دراز قد، مضبوط اور طاقتور، خوش اور مطمئن، عقل مند اور سمجھدار بناؤں گا۔ میں اس سے ویسے ہی محبت کروں گا، جیسے میں نے تم سے کی تھی۔ بس تم یہاں رہنے کے لیے آ جاؤ ڈینی......''

باہر ہال کی طرف قدموں کی آہٹیں اُبھریں اور دروازہ کھلا۔ نیلی اور ایجنٹ کمرے میں آ گئے۔ نیلی نے میرے چہرے کو دیکھا اور لپک کر میرے پاس آئی ''ڈینی! خیریت تو ہے۔ تم ٹھیک تو ہو؟'' خالی کمرے میں اس کی آواز بار بار گونجی۔

مجھے سنبھلنے میں...... ذہنی طور پر اُس تک پہنچنے میں کچھ دیر لگی۔

وہ بہت فکرمند نظر آ رہی تھی ''ڈینی! تم ٹھیک تو ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک ہوں'' میں نے مشینی انداز میں کہا۔

''تمہارا چہرہ پیلا پڑ گیا ہے'' وہ بولی۔

اسی وقت سورج کے سامنے سے بادل ہٹ گیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہیں روشنی کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے'' اب میں خود کو نارمل محسوس کر رہا تھا۔

نیلی اب بھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی ''تمہیں یقین ہے ڈینی کہ یہ مکان خرید کر تم غلطی نہیں کر رہے ہو؟'' اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا ''یہاں تمہیں پریشان کرنے کے لیے بھوت تو موجود نہیں ہیں؟''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ میں بھوتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا ''ارے نہیں جان'' میں نے پیار سے کہا۔

اسٹیٹ ایجنٹ مجھے متجسس نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ''آپ کی بیوی نے مجھے بتایا کہ آپ یہاں رہتے رہے ہیں مسٹر فشر؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ مسکرایا ''تب تو مجھے آپ کو مکان کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ یہ کتنا مضبوط ہے۔ آج کل جو مکان بنا رہے ہیں، وہ تعمیر کے اعتبار سے اس کے معیار کو چھو بھی نہیں سکتے۔ کیا خیال ہے آپ کا مسٹر فشر؟''

نیلی نے ایک پل اسے دیکھا پھر میری طرف مڑی ''تمہارا کیا خیال ہے ڈینی؟''

میں نے ایک گہری سانس لی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ میں کیا کہوں گا۔ میں تو شروع ہی سے جانتا تھا اور مکان کی آوازوں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی میرے جواب سے واقف ہے۔

''ہم یہ مکان خرید رہے ہیں'' میں نے کہا ''تم کل سے رنگ و روغن کا کام شروع کرادو۔ میں یکم اکتوبر کو یہاں شفٹ ہونا چاہتا ہوں۔''

☆☆

سام کو میں نے اپنے آفس میں آتے دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔ میں حیران تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ یہاں آیا تھا ''سام! تم اور یہاں؟ خیریت تو ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ میں نے لڑکی کو باہر بھیج دیا۔

سام لڑکی کی خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا ''میں ہر ہفتے سگریٹ کے لیے تمہیں فون کر کے عاجز آ گیا ہوں'' اس نے کہا ''میں یہ معاملہ مستقل بنیادوں پر حل کرنا چاہتا ہوں''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ سب وے کے لیے کوکا کولا کی مشینوں کے آرڈر پر میری خبر لینے آیا ہے۔ کیونکہ میں اس کا پیسہ پانی کی طرح بہا رہا تھا، یوں جیسے وہ میرا ہو۔ میں مسکرایا ''تم جانتے ہو سام کہ یہ ممکن نہیں'' میں نے کہا ''دیکھو نا، باقاعدہ سپلائی کی تو کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ سگریٹ حاصل کرنا تو آسان نہیں ہے۔''

''تمہارے لیے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' اس نے بے حد اعتماد سے کہا۔

''کاش! میں بھی اتنے یقین سے یہ بات کہہ سکتا۔''

''مجھے ہر ہفتے دو سو باکس درکار ہیں'' اس نے سخت لہجے میں کہا ''اور تمہیں ان کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو؟'' میں نے اسے چیلنج کیا۔ وہ سپلائی میرے لیے مسئلہ نہیں تھی لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ سام کے اعتماد کی کیا بنیاد ہے۔

اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا اور میری طرف اُچھال دیا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ وہ میرے گودام کی رسیدوں کی نقل تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ میرے ہر گودام کے بارے میں جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ کس گودام میں کتنا مال ہے۔

مجھے اس نے دہلا دیا ''یہ تمہیں کہاں سے ملا؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

وہ مسکرایا ''میرے اپنے ذرائع ہیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ میرا مطالبہ پورا کرو گے یا نہیں۔''

''فرض کرو، میں انکار کر دوں تو؟''

''تو میں اس کی نقل پولیس کو بھجوا دوں گا۔''

''تم میرے ساتھ ایسا کر سکتے ہو؟'' میرا لہجہ شاکڈ تھا۔

وہ پھر مسکرایا ''نہیں ڈینی، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر تم میرے معاملات کے بارے میں میسی کو نہیں بتا سکتے تو میں پولیس کو کیسے بتا سکتا ہوں۔''

میں نے چہرے پر دل گرفتگی کا تاثر سجایا ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا سام کہ تم ایسے نکلو گے۔'' میں نے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سوگوار لہجے میں کہا۔

سام کا چہرہ خوشی اور احساسِ فتح سے چمک رہا تھا۔ ''تم کرو تو جائز اور میں کروں تو ناجائز۔''

اب میں اپنی ہنسی نہیں روک سکتا تھا۔ میں ہنسا اور کھل کر ہنسا۔

سام نے حیرت سے مجھے دیکھا ''تمہیں کیا ہو گیا؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی ''پاگل ہو گئے ہو کیا؟''

میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ''دو پارٹنر ایک دوسرے کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں، میں اس پر عش عش کر رہا ہوں بہنوئی صاحب''

اس پر اسے بھی ہنسی آ گئی۔ ہم دونوں دیر تک ہنستے رہے۔ پھر میں اسے شاپ میں لے گیا۔ شاپ کا جائزہ لے کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا کاروبار اتنا بڑھ چکا ہے۔ پھر ہم دوبارہ آفس میں آئے۔ میں نے اسے ان لوکیشنز کے بارے میں بتایا جو میں حاصل کر چکا تھا۔

پہلی بار میں نے اُس کی نظروں میں اپنے لیے عزت اور احترام دیکھا ''جتنا کچھ ہماری سب وے ڈیل میں لگا ہے، اتنا تو پہلے ہی یہاں لیے بیٹھے ہو'' اس نے کہا۔

''اس سے زیادہ'' میں نے کہا ''اور جب میں نمٹوں گا تو یہ اس سے دُگنا ہو چکا ہوگا''

جو کچھ اسے معلوم ہوا تھا وہ ابھی اسے ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا ''اب میری سمجھ میں آیا کہ تم ہمیشہ خالی ہاتھ کیوں رہتے ہو'' اس نے کہا۔

''ہاں، ادھر کچھ آتا ہے، اُدھر میں اسے کاروبار میں لگا دیتا ہوں''

''کیوں نہ ہم اسے ایک پیکیج بنا دیں۔ ایک مشترک کاروبار'' اس نے تجویز پیش کی۔ ''یوں تمہارے لیے کام اور آسان ہو جائے گا۔''

''تم اپنا بزنس ضم کرنے کی بات کر رہے ہو سام'' میں نے اسے چھیڑا۔

''نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ میں تمہارے کاروبار کی قیمت کا تعین کر کے آدھا تم سے خرید لوں۔ پھر اسے سب وے کی ڈیل میں شامل کر لیا جائے۔''

''سب وے کی بات اور تھی سام۔ وہ میرے بس سے باہر تھا۔ میں اکیلا اسے ہینڈل نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ کاروبار میرا اپنا ہے۔ میں نے اس پر بڑی محنت کی ہے۔ ایک ایک اینٹ لگا کر اسے تعمیر کیا ہے میں نے۔ اسے میں شیئر نہیں کر سکتا۔''

وہ ایک لمحہ خاموش رہا۔ میں اس کے چہرے کے اس تاثر کو پہچانتا تھا۔ وہ کسی زاویے کی تلاش میں تھا لیکن جب اس نے سر اُٹھایا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ دستبردار ہو گیا ہے ''ٹھیک ہے ڈینی'' اس نے خوش دلی سے کہا ''لیکن کسی وقت ارادہ بدلے تو مجھے بتا دینا اور ہاں..... مکان کا معاملہ کہاں تک پہنچا۔''

''میرا اندازہ ہے کہ اگلے ہفتے..... منگل تک ہم شفٹ ہو سکیں گے۔''

''جب میمی نے تمہارے پاپا کو اس بارے میں بتایا تو کاش تم ان کی صورت دیکھتے۔''

''کیا کہا انہوں نے؟'' میں اپنی دلچسپی نہیں چھپا سکا۔

''پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا۔ مگر جب میمی نے قسم کھا کر کہا کہ یہ سچ ہے تو وہ گنگ ہو گئے۔ ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اور تمہاری ماما رونے لگیں۔''

اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا ''وہ رونے لگیں! مگر کیوں؟''

''وہ تمہارے پاپا سے بار بار یہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے کتنی بار سمجھایا کہ وہ بس اتنا ہی چاہتا ہے، لیکن انہوں نے ان کی بات کبھی نہیں سنی۔ انہوں نے تمہیں کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ تمہارے پاپا نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بس اپنا سگار چباتے رہے۔ کچھ دیر بعد وہ کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے اور باہر دیکھنے لگے۔ کھانے کے دوران وہ چپ چاپ رہے۔ پھر انہوں نے آخر میں سر اُٹھا کر میمی کو دیکھا اور بس ایک بات کہی.....'' سام نے مجھے دیکھا اور گہری سانس لی۔

میں خاموش رہا۔ بس سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''انہوں نے کہا..... تو ڈینی گھر جا رہا ہے؟ اور تمہاری ماما نے کہا..... یہی تو وہ چاہتا تھا۔ اپنے گھر جانا اور تم نے کبھی اسے موقع نہیں دیا۔ اس پر تمہارے پاپا نے کہا..... اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری غلطیاں، جو میں نے کیں، میرے ساتھ قبر میں جائیں گی لیکن میں خوش ہوں کہ ڈینی نے اپنا راستہ تلاش کر لیا۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھے، انہوں نے کہا کہ وہ بہت تھک گئے ہیں اور وہ گھر چلے گئے۔''

میری سگریٹ کا جلتا ہوا سرا اب میری اُنگلی کو چھو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اسے ایش ٹرے میں گرا دیا۔

''ایک بات کہوں کڈ! تمہارے پاپا ہر اعتراف کے لیے تیار ہیں، بس تم ایک بار ان کے پاس چلے جاؤ۔ وہ ہار مان چکے ہیں'' سام نے کہا۔

میں نے گہری سانس لی اور نفی میں سر ہلایا ''مسئلہ صرف میرا نہیں ہے سام۔ انہیں نیلی کی طرف بڑھنا ہوگا پہلے۔ اس کے بارے میں جو کچھ وہ کہتے رہے ہیں، وہ حد سے زیادہ تھا۔ ان کی طرف بہت حساب نکلتا ہے ہمارا۔''

''تم انہیں موقع دو گے ڈینی تو وہ سارا حساب چکا دیں گے۔''

''نہیں سام! یہ انہیں از خود کرنا ہوگا'' میں نے کہا ''میں اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

''تم ان سے واقف ہو کڈ'' سام نے نرم لہجے میں کہا ''وہ خوددار بھی ہیں، ضدی بھی ہیں اور بوڑھے بھی۔ اب یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ ان کے جام میں کتنی زندگی باقی رہ گئی ہے۔ شاید گھونٹ دو گھونٹ ہی ہوگی۔''

''اور میں ان کا بیٹا ہوں سام'' میں نے کہا ''تم مجھے ان کے بارے میں کیا بتا رہے ہو۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں لیکن یہ تو سوچو کہ میں بھی انہی سے ہوں۔ اُن کا بہت کچھ مجھ میں بھی ہے۔ میں بھی ضدی اور خوددار ہوں۔ بلکہ ایک اعتبار سے میں بوڑھا بھی ہوں...... ان سے بھی زیادہ بوڑھا۔ انہوں نے بہت کچھ ایسا کیا جس کے نتیجے میں مجھے بڑا بننا پڑا، بڑوں کی طرح سوچنا اور عمل کرنا پڑا۔ میں نے اپنے اندر کے بچے کو... لڑکے کو دفن کر دیا سام اور یہی نہیں، میں نے اپنی بچی، اپنی پہلی اولاد بھی کھو دی۔ اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا میں نے۔ صرف اس لیے کہ دنیا میں کوئی ایسا نہیں تھا اُس وقت، جس کی طرف میں مدد کے لیے ہاتھ بڑھاتا۔ تم سمجھتے ہو کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد آدمی بوڑھا نہیں ہوتا؟ تم سمجھتے ہو کہ ایسی باتیں بھلائی جا سکتی ہیں؟ نہیں سام، ایسا نہیں ہوتا۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے آدمی کو دکھ اکیلے ہی اُٹھانا پڑے تو وہ کبھی نہیں بھولتا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب یہ سب کچھ آپ کے ساتھ اس وجہ سے ہوا ہو کہ جب آپ زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے تھے تو آپ کے باپ نے آپ کے لیے اپنے گھر کا دروازہ...... دل کا دروازہ بند کر دیا تھا۔'' میں نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ میں اس قدر جذباتی ہو سکتا ہوں۔ ''جیسے میں نے وہ سب

کچھ خود کیا، اب انہیں بھی اکیلے ہی سب کچھ کرنا ہے۔ شاید اس کے بعد ہی میں اور وہ ایک سطح پر کھڑے ہو سکیں گے، اور ایک دوسرے کو اپنا کچھ سمجھ سکیں گے۔''

مجھے احساس ہوا کہ میں جوش میں کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں دوبارہ کرسی پر گر گیا۔ میں نے ایک اور سگریٹ سلگا لیا۔ میں نے سوچا، جب یہ کاروباری دوڑ سرد پڑ جائے گی اور جب میں باپ بن جاؤں گا تو میں اور نیلی کچھ دن کے لیے یہاں سے، ان سب بکھیڑوں سے کہیں دور چلے جائیں گے۔ زندگی کی جسم و جاں کو توڑ دینے والی تھکن دور کرنے کے لیے۔ یہ تو میرا دل ہی جانتا تھا کہ یہ کیسی تھکن ہے اور یہ تھکن نیلی کے اندر بھی ہوگی۔

میں نے سر اُٹھا کر سام کو دیکھا اور موضوع بدلا ''تمہیں مال کہاں پہنچانا ہوگا سام؟''

وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا۔ پھر بولا ''وہیں، جہاں ہمیشہ بھجواتے ہو۔''

''کل صبح پہنچ جائے گا سام''

وہ اب بھی مجھے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا ''او کے ڈینی'' پھر وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

میں خاموشی سے بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر میں اُٹھ کر آفس کے دروازے پر گیا اور میں نے زیپ کو پکارا۔

وہ ورک روم سے دوڑتا ہوا آیا ''کیا بات ہے ڈینی؟''

وقت کبھی رُکتا نہیں۔ وہ ہر چیز پر سے، ہر شخص پر سے گزرتا ہے۔ ورک روم سے آفس کے دروازے تک زیادہ فاصلہ نہیں تھا لیکن اسے طے کرنے کے بعد زیپ ہانپ رہا تھا ''دوسرا فون پکڑو زیپ، اور اپنے گوداموں کے قریب ہی نئے گودام حاصل کرنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا ''آج رات ہمیں اپنا تمام مال نئے گوداموں میں منتقل کرنا ہے۔ ہمارے تمام موجودہ گودام سام کی نظر میں آ چکے ہیں۔''

اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور فون لے کر بیٹھ گیا۔ میں نے بڑی محبت سے اسے

دیکھا۔ وہ بہت اچھا، بہت محبت کرنے والا تھا۔ اس وقت بھی اس نے سوالات میں وقت ضائع نہیں کیا۔ بس تعمیل میں مصروف ہو گیا کہ سوال جواب بعد میں ہوتے رہیں گے۔

میں نے اپنا فون اُٹھایا اور نیلی کو کال کرنے لگا۔ میں اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ آج رات بھی مجھے گھر آنے میں دیر ہو جائے گی لیکن بتائے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ ان دنوں وہ بہت حساس اور نازک ہو رہی تھی۔ بات بات پر پریشان ہو جاتی تھی۔

پہلے تو وہ مشتعل ہوئی۔ مگر پھر میں نے وعدہ کیا کہ آج رات کے بعد میں ہر رات وقت پر گھر آؤں گا اور بچے کی ولادت تک اسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا تو وہ خوش ہو گئی۔

☆☆

میں نے کافی کا کپ میز پر رکھا اور اُٹھا۔ پیکڈ سامان کے کارٹن ہٹاتے ہوئے میں اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کے رخسار پر بوسہ دیا ''خدا حافظ ہنی'' میں نے کہا ''میں اب کام پر جا رہا ہوں''

''آج جلدی آ جانا'' اس نے کہا ''میں آج پیکنگ مکمل کر لینا چاہتی ہوں''

''تم پریشان نہ ہو۔ کچھ کام کل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ سامان شفٹ کرنے والوں کی آمد سے پہلے اور وہ گیارہ بجے سے پہلے نہیں آئیں گے۔''

''مجھے عین وقت پر کام کرنا بالکل پسند نہیں'' وہ بولی ''تم تو ہمیشہ کچھ نہ کچھ بھول جاتے ہو اور پھر عین وقت پر پریشان ہوتے ہو۔''

شفٹ کیا جانے والا سامان تھا بھی نہیں۔ نئے گھر کے لیے میں نے نیا فرنیچر خریدا تھا۔ ہر چیز نئی، اور وہ وہاں پہنچائی بھی جا چکی تھی لیکن عورتیں تو ایسی ہی ہوتی ہیں۔ بات بات پر پریشان ہونے والی۔ جب ہم میرے بچپن میں شفٹ ہوئے تو ماما کا طرزِ عمل بھی بالکل ایسا ہی تھا۔

''او کے نیلی'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ''میں جلدی گھر آ جاؤں گا۔''

اس نے مجھے پکارا۔ میں ڈوروے پر رک گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی میری طرف آئی اور

میں نے اس کے لیے بانہیں کھول دیں۔ وہ ان میں سما گئی اور اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ اس کے جسم میں لرزش تھی۔

میں نے لات مار کر دروازہ بند کیا اور اس کے بالوں کو سہلانے لگا ''بے بی! کیا بات ہے بے بی؟''

اس کی آواز بڑی مشکل سے میری سماعت تک پہنچ رہی تھی ''ڈینی! میں خوفزدہ ہوں۔ اچانک...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

میں نے اسے اور قریب کر لیا۔ وقت اس پر سے بھی سختی کے ساتھ گزرا تھا۔ وہ نازک اور کمزور ہو گئی تھی اور جیسے جیسے ولادت کے دن قریب آ رہے تھے، وہ زیادہ نروس ہوتی جا رہی تھی۔ وکی کے دنوں میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایسی نروس نہیں تھی۔ یہ گزرتے وقت کا کیا دھرا تھا ''تم ڈرو مت جان'' میں نے سرگوشی میں کہا ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا ''تم سمجھ نہیں رہے ہو ڈینی'' وہ بولی ''میں اپنی وجہ سے نہیں، تمہاری وجہ سے خوفزدہ ہوں۔''

میں مسکرایا ''اس کی ضرورت نہیں بے بی۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔''

اس نے پھر میرے سینے پر سر رکھ دیا ''ڈینی! کل شفٹ ہونے کا خیال دل سے نکال دو۔ شفٹ ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہم کوئی اور مکان تلاش کر لیں گے۔ ہم اس کے لیے انتظار کر سکتے ہیں۔''

''بے وقوفی کی بات مت کرو نیلی۔ تم بس نروس اور اپ سیٹ ہو۔ وہاں رہو گی تو تمہیں اس گھر سے محبت ہو جائے گی۔''

وہ رونے لگی ''وہاں مت جاؤ ڈینی'' اس کے لہجے میں التجا تھی ''پلیز! وہاں نہ جاؤ۔ کچھ بھی دہرانا اچھا نہیں ہوتا۔ جو آدمی کے لیے ہو ہی نہیں، وہ اسے کبھی نہیں ملتا۔ میں تمہارے وہاں واپس جانے سے خوفزدہ ہوں۔''

میں نے ٹھوڑی سے تھام کر اس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا ''رو مت نیلی۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم بلاوجہ خود کو ہلکان کر رہی ہو'' میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''وہ بھی دوسرے گھروں کی طرح بس ایک گھر ہے اور کچھ نہیں۔ نہ اس سے زیادہ، نہ اس سے کم۔ تم بلاوجہ اسے ہوا بنا رہی ہو۔ سمجھداری سے کام لو۔''

اس کے آنسو تھم گئے ''ممکن ہے، میں غلطی پر ہوں'' اب اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا ''لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کچھ بے حد خوفناک ہونے والا ہے۔''

''مجھے یاد ہے، ایک بار ماما نے کہا تھا کہ یہ وضع حمل کی بنیادی علامات میں سے ایک ہے۔ ہر کوئی اس سے گزرتا ہے۔''

وہ مسکرائی۔ بے جان سی مسکراہٹ ''مجھے معاف کر دو ڈینی۔ آخر میں ہوں تو ایک عورت ہی۔''

''معافی کیسی؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم ایسی ہی تو مجھے اچھی لگتی ہو'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆

میری سیکرٹری دروازے پر آئی ''بیرونِ شہر کی ایک کال ہے آپ کے لیے۔ بفالو سے''

میں نے حیرت سے سوچا، وہاں سے کون مجھے کال کر سکتا ہے ''کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نام نہیں بتا رہا ہے۔'' اس کے چہرے پر اُلجھن تھی ''بس وہ تم سے کام کرنے پر اصرار کر رہا ہے۔''

میں متجسس ہو گیا ''ٹھیک ہے۔ میں یہ کال ریسیو کروں گا۔''

میں اس کے جانے تک رُکا رہا۔ دروازہ بند ہوا تو میں نے ریسیور اُٹھایا۔ ''فشر اسپیکنگ'' میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ڈینی! میں اسٹیو پیرش بول رہا ہوں۔''

وہ اپنا نام نہ بتانے میں حق بہ جانب تھا۔ وہ سگریٹ کی بلیک مارکیٹنگ کے دوران بڑے سیلزمینوں میں سے تھا۔ اس کاروبار میں قدم رکھنے کے بعد وہ پہلا شخص تھا جس سے میرا رابطہ ہوا تھا ''اسٹیو! تم بیرونِ شہر کال پر کیوں اپنا پیسہ برباد کر رہے ہو'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''میرے پاس ایک بہت بڑی ڈیل ہے'' اس نے سرگوشی میں کہا ''میں نے سوچا، کسی اور سے بات کرنے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔''

میں سنبھل کر بیٹھ گیا ''کتنے باکس ہیں؟'' میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔

''پورا ٹرک ہے'' اس نے کہا ''ایک ہزار باکس ہیں۔ تم انٹرسٹڈ ہو؟''

جہاں سگریٹ کا ایک باکس میسر نہ ہو، ایک ہزار باکس میں کون انٹرسٹڈ نہیں ہوگا۔

''ڈیل کیا ہے؟'' میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

''دو ڈالر کا ایک کارٹن، سو ڈالر کا باکس''

میں سیٹی بجا کر رہ گیا۔ یہ تو بہت بڑی رقم تھی۔ ایک لاکھ ڈالر! ''ہاٹ ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اسٹیو بے رحمی سے ہنسا ''سوال مت کرو ڈینی۔ ایسا مال تو ہاٹ ہی ہوتا ہے۔ مجھے بھی بس اتفاق سے معلوم ہو گیا اس کے بارے میں۔ وہ لوگ جلد سے جلد مال سے جان چھڑا کر ڈالر پکڑنے کے موڈ میں ہیں۔ مجھے فوراً ہی تمہارا خیال آ گیا۔''

''آل کیش ڈیل؟'' میں نے پوچھا۔

''آل کیش'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''یہ نہ ہوتا تو دو ڈالر کا کارٹن کہاں سے ملتا۔ ان کے پاس وقت ہوتا تو ساڑھے تین ڈالر کے حساب سے بیچتے۔''

''اتنی بڑی رقم میں کہاں سے لاؤں گا؟'' اصل میں وہ میری خود کلامی تھی۔

اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔ ''تم ہینڈل نہیں کر سکتے تو میں سام گورڈن سے بات کر لیتا ہوں۔ وہ کب سے میرے پیچھے پڑا ہے کہ مال دلواؤ لیکن میں یہ سوچ کر اسے ٹالتا رہا کہ وہ تمہارا کسٹمر ہے۔ اس سے تمہیں نقصان ہوگا۔''

وہ یقیناً جانتا تھا۔ پہلی بار وہ مجھ سے ملا تو وہ سام ہی کی ملازمت میں تھا'' میں نے یہ تو نہیں کہا اسٹیو'' میں نے جلدی سے کہا'' میں تو صرف رقم کا بندوبست کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا وقت مل سکتا ہے مجھے۔''

''وقت بالکل نہیں ہے۔ جن کا مال ہے، انہیں آج رات ہی رقم چاہیے۔ سنو ڈینی! بہتر یہی ہے کہ میں سام سے بات کرلوں۔ یہ رقم اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔''

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ڈیڑھ بجا تھا۔ بنک ابھی کھلا ہوگا لیکن وہاں سے مجھے صرف ۱۹ ہزار ڈالر مل سکتے تھے، جو میں نے سیف ڈیپازٹ باکس میں رکھ چھوڑے تھے۔ باقی سب کچھ تو کاروبار میں لگا ہوا تھا۔ مجھے مہلت درکار تھی'' آدھا گھنٹا انتظار کر سکتے ہو؟ میں اتنی دیر میں کچھ سوچتا ہوں۔''

''اگر تمہارے پاس رقم نہیں ہے ڈینی تو اس ڈیل کو بھول جاؤ'' اسٹیو نے کہا'' میں سام سے بات کر لیتا ہوں۔''

میں نے انگلیاں چٹخائیں۔ میرے ذہن میں آئیڈیا آ گیا تھا، بلکہ وہ نادانستگی میں خود اس نے ہی مجھے فراہم کیا تھا۔ بار بار سام کا نام لے کر۔'' سنو! میں نے یہ نہیں کہا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے۔ میں رقم ارینج کرنے کے لیے تم سے آدھے گھنٹے کی مہلت مانگ رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں فون پر تم سے تمام معاملات طے کرلوں گا۔ رات کو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

دوسری طرف سے کچھ کھسر پھسر سنائی دی۔ پھر اسٹیو نے کہا'' او کے ڈینی! ہم آدھا گھنٹا انتظار کرلیں گے۔''

''گڈ! اب اپنا نمبر لکھوا دو تاکہ میں تمہیں کال کرسکوں۔'' پھر میں نے وہ نمبر پیڈ پر لکھ لیا۔

اگر میں اس معاملے کو خوش اسلوبی سے نمٹا لیتا تو اس میں صاف ستھرے ۵۰ ہزار ڈالر کی بچت تھی۔ ایسے موقعے ہر روز نہیں ملتے۔ میں نے ریسیور اُٹھایا اور سام کا نمبر ملایا۔ اگر اسٹیو نے کسی اور خریدار کی بات کی ہوتی تو مجھے کبھی یہ خیال آ ہی نہیں سکتا تھا۔

''سام گورڈن انٹر پرائزز''

''میم! ڈینی بات کررہا ہوں۔ باس سے بات کراؤ۔''

''او کے ڈینی''

کلک کی آواز سنائی دی۔ پھر ریسیور پر سام کی آواز اُبھری'' ہیلو؟''

''سام! میں ڈینی بول رہا ہوں''

''ہاں ڈینی! کیا بات ہے؟''

''سگریٹ کے ۶۰۰ باکس کی ایک ڈیل ہے، اگر تم چاہو۔''

''ضرورت مند تو میں ہوں۔ تم ڈیل کے بارے میں بتاؤ'' اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

''تین ڈالر فی کارٹن، باکس کے ۱۵۰ ڈالر۔ آل کیش، ڈیلیوری کل''

وہ ایک لمحے کو ہچکچایا'' لگتا تو ٹھیک ہے لیکن لمبی رقم ہے۔ اگر تم ڈیلیوری نہ دے سکے تو؟''

''اس کی میں گارنٹی دیتا ہوں''

''اور اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو؟ میرے ۹۰ ہزار ڈالر ڈوب جائیں گے۔''

میں تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ایک لاکھ کی ڈیل میں ۹۰ ہزار سام کے لگ رہے تھے۔ ایسا موقع گنوایا نہیں جا سکتا'' تم جانتے ہو، دیکھ چکے ہو۔ ۶۰ ہزار کا اسٹاک تو میرے پاس موجود ہے۔ اس کے علاوہ میرا بزنس، لوکیشنز اور نئی مشینوں کے آرڈر۔ یہ سب چالیس ہزار سے اُوپر ہی ہوگا۔ میں تمام گوداموں کی رسیدیں بھی لے آؤں گا۔ ڈیلیوری تک یہ سب بطور ضمانت تمہارے پاس رہے گا۔ ڈیلیوری کے بعد میں واپس لے لوں گا۔''

''اور تم ڈیلیوری نہ دے سکے تو؟''

میں ہنس دیا'' تو وہ سب کچھ تمہارا۔ بولو، کیا کہتے ہو؟''

وہ ایک لمحے کو ہچکچایا'' سگریٹ کی تو مجھے ضرورت ہے لیکن میں تمہارے بزنس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ مجھے اپنے کاروبار سے فرصت نہیں۔ تمہارا کاروبار لے کر اور مصیبت

میں پھنس جاؤں گا۔''

میں پھر ہنسا ''تو اسے چلانے کے لیے مجھے ملازم رکھ لینا''

وہ پھر ہچکچایا ''تم سنجیدہ ہو کڈ؟''

۵۰ ہزار ڈالر کی ترغیب میرے لیے بہت بڑی تھی ''ہاں سام، تم رسک لے سکتے ہو تو میں بھی رسک لے سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے ڈینی۔ تم آ جاؤ۔ رقم تیار ملے گی۔''

میں نے رابطہ منقطع کیا اور پھر بفالو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اسٹیو کی آواز سنتے ہی میں نے کہا ''رقم تیار ہے اسٹیو۔ اب بتاؤ، کہاں ملنا ہے۔''

''رائل ہوٹل کمرہ نمبر ۲۲۴۔ تم کب پہنچو گے وہاں؟''

''میں پہلی دستیاب فلائٹ پکڑ رہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سات بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، آ جاؤ۔ رقم ملتے ہی ٹرک تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔''

میں نے ریسیور رکھا اور گھڑی دیکھی۔ دو بج رہے تھے۔ اب مجھے بینک کی طرف دوڑنا تھا۔ ورنہ بینک بند ہو جاتا۔

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے زیپ کو پکارا ''چار سو باکس کے لیے جگہ تیار رکھو۔'' میں نے کہا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں ''یہ تو بہت زیادہ ہے۔ کہاں سے مل رہا ہے؟''

میں نے مختصراً اسے ڈیل کے بارے میں بتایا۔ وہ فکرمند نظر آنے لگا۔

''تم بہت بڑا رسک لے رہے ہو ڈینی'' اس نے کہا ''کہیں بھی کوئی غیر متوقع گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔''

''نہیں۔ یہاں کے معاملات سنبھالنے کے لیے بھی تو کوئی ہو۔ تم یہیں رکو۔ مال ملتے ہی میں تمہیں فون کروں گا۔''

..........☆☆..........

ایئرپورٹ پر فلائٹ کا انتظار کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں نے نیلی کو تو بتایا ہی نہیں۔ میں نے وہیں سے اسے فون کیا۔ رابطہ ملا تو میں نے اسے بولنے کا موقع دیے بغیر جلدی جلدی تفصیل بتائی۔ ''میں کاروبار کے سلسلے میں بفالو جا رہا ہوں۔ صبح واپس آ جاؤں گا۔''

''لیکن ڈینی! کل تو ہم شفٹ ہو رہے ہیں''

''فکر نہ کرو۔ میں اس سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔''

''مت جاؤ ڈینی پلیز'' اس کے لہجے میں خوف تھا ''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ میں صبح واپس آ جاؤں گا۔''

''شفٹ ہونے کے بعد چلے جانا......''

''دیکھو جان! اس میں ۵۰ ہزار ڈالر کا خالص منافع ہے۔ میں اسے کیسے چھوڑ دوں۔''

وہ رونے لگی ''میں جانتی تھی کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کاش...... کاش! دنیا میں دولت کا جھنجھٹ ہی نہ ہوتا۔ جب سے تم اس کاروبار میں لگے ہو، بہت بدل گئے ہو۔ پہلے جیسے نہیں رہے۔ مجھے ۵۰ ہزار ڈالر کی کوئی پروا نہیں۔ بس تم گھر آ جاؤ۔''

''یہ ڈیل نمٹا نے دو۔ پھر میں وہی کچھ کروں گا جو تم چاہو گی۔ تمہاری ہر بات مانوں گا۔''

''تم ہمیشہ یہی کہتے ہو'' اس نے الزام دینے والے انداز میں کہا ''لیکن یہ جھوٹے وعدے ہیں، جو کبھی پورے نہیں ہوتے۔ میں اب تمہاری بات پر یقین نہیں کرتی۔ تم کبھی نہیں بدلو گے۔ جیسے ہی کسی ڈالر کا امکان نظر آئے، تم بالکل بدل جاتے ہو۔ سب کچھ بھول جاتے ہو تم۔''

''بے وقوف مت بنو'' میں نے غصے سے کہا ''زندگی کی حقیقت کو سمجھو۔ اس دنیا میں ڈالر کے بغیر تمہاری کوئی وقعت نہیں۔ ہو سکتا ہے، تم ڈالروں کے بغیر بھی خوش رہ سکو، لیکن میں نہیں رہ سکتا۔''

اس نے گہری سانس لی۔ وہ غصے سے بھری خاموشی تھی۔ پھر اس نے فون رکھ دیا۔

میں نے دوبارہ فون کرنے کے لیے جیب میں ایک اور نکل تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت فلائٹ کی روانگی کا اعلان شروع ہو گیا۔

میں نے بے بسی سے فون کو دیکھا، پھر بوتھ سے نکل آیا۔ میں نے سوچا، کل جب وہ رقم دیکھے گی تو خوش ہو جائے گی۔ ۵۰ ہزار ڈالر سے بہت دکھ دور ہو سکتے ہیں، سینکڑوں شکایات رفع ہو سکتی ہیں!

............☆☆............

ڈیسک کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے لابی کا جائزہ لیا۔ وہ ایک عام سا ہوٹل تھا۔ سیلزمینوں کے مطلب کا۔ ڈیسک کلرک میری طرف بڑھا۔

"مجھے ایک سنگل روم چاہیے۔" میں نے کہا۔

اس نے رجسٹر میری طرف بڑھایا" یہاں دستخط کر دیجیے۔"

میں نے دستخط کر دیے۔ اس نے مجھ سے تین ڈالر لیے اور کمرے کی چابی میری طرف بڑھا دی" کمرا نمبر ۴۱۹ جناب۔"

"مجھے ایک لفافہ تمہارے پاس رکھوانا ہے۔" میں نے کہا۔

"جی ضرور۔ میں اسے تجوری میں رکھ دوں گا۔ آپ بس اس پر دستخط کر کے سیل لگا دیجیے۔" اس نے ایک براؤن لفافہ میری طرف بڑھایا۔

میں نے رقم کے لفافے کو براؤن لفافے میں رکھ کر اس پر اپنا نام، پتہ لکھا، دستخط کیے اور بڑی احتیاط سے اسے بند کر کے اس پر مہر لگا دی۔ کلرک نے میرے سامنے وہ لفافہ تجوری میں رکھ دیا۔ میں نے سوچا، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں ایک لاکھ ڈالر ہیں، تو کیا ہو؟

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور گھڑی میں وقت دیکھا" ابھی تو مجھے اپنے کمرے میں نہیں جانا ہے۔" میں نے ایسے کہا، جیسے ابھی میرے ذہن میں اچانک یہ خیال آیا ہو۔" میں نے یہاں سات بجے اپنے ایک دوست اسٹیو پیرش سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ

یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

کلرک نے پلٹ کر چابیوں کے ریک کا جائزہ لیا" جی ہاں..... وہ اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ انہیں بتا دوں کہ آپ یہاں پہنچ چکے ہیں؟"

"یس پلیز۔"

اس نے ریسیور اُٹھایا اور آپریٹر سے آہستہ سے کچھ کہا۔ پھر وہ چند لمحے کچھ سنتا رہا" وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے کہا" کمرا نمبر ۴۲۴"

"شکریہ" میں نے کہا اور لابی میں اس طرف بڑھ گیا جہاں لفٹ موجود تھی۔

ہال وے میں روشنی مدھم تھی لیکن دروازوں پر کمروں کے نمبر چمک رہے تھے۔ میں نے مطلوبہ کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں، وہ اچانک معدوم ہو گئیں اور خاموشی چھا گئی۔

دروازہ آہستگی سے کھلا اور اسٹیو پیرش نے باہر جھانکا" ڈینی" مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا۔ پھر پیچھے ہٹ کر اس نے دروازہ کھول دیا" آ جاؤ، تم بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو۔"

کمرے میں اس کے علاوہ تین افراد اور تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے مجھے تولنے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔ میں اسٹیو کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر کچھ پھیکا پن تھا۔ بہر حال اُس نے مجھ سے ہاتھ ملایا" مجھے خوشی ہے ڈینی کہ تم نے وعدہ نبھایا"

میں نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔

وہ دوسرے لوگوں کی طرف مڑا" حضرات! یہ ہے ڈینی فشر" اس نے کہا۔ پھر ایک ایک کر کے انہیں مجھ سے متعارف کرایا۔

وہ باری باری اُٹھے اور مجھ سے ہاتھ ملایا لیکن بات کسی نے بھی نہیں کی۔

اسٹیو نے وہسکی کی بوتل اُٹھائی" ڈرنک لو گے ڈینی؟"

"نہیں اسٹیو، شکریہ۔ کاروبار کے دوران میں کبھی نہیں پیتا۔"

اسٹیو نے اپنے لیے جام بنایا اور بولا" بہت اچھا اصول ہے" اس نے جام سے

گھونٹ لیا'' میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ لگتا تھا کہ وہ پہلے ہی سے تین چار جام چڑھائے ہوئے ہے۔ میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگایا ''کیا خیال ہے، اب کچھ کاروبار کی بات بھی ہو جائے۔''

''کیوں نہیں'' اسٹیو نے کہا ''رقم لائے ہو؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

ایک آدمی تیزی سے اُٹھ کر کھڑا ہوا ''تو ہمیں رنگ تو دکھاؤ ذرا نوٹوں کا''

میں اس کی طرف مڑا اور مسکرایا ''دیکھ لینا۔ پہلے میں ذرا مال تو دیکھ لوں۔''

''رقم تمہارے پاس ہے'' اس کے لہجے میں اشتباہ تھا۔

''کیا میں اتنا بے وقوف نظر آتا ہوں'' میں نے تیز لہجے میں کہا ''لیکن فکر نہ کرو۔ میں مال کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو تمہیں رقم فوراً ہی مل جائے گی اور وہ بھی نقد۔ یہ بتاؤ، مال کہاں ہے؟''

''یہاں سے چند بلاک دور، ایک گیراج میں'' اس نے کہا ''دیکھنا چاہتے ہو؟''

''تو اور یہاں آیا کس لیے ہوں''

اس نے کرسی پر رکھا ہوا اپنا ہیٹ اُٹھا کر سر پر رکھا اور دروازے کی طرف بڑھا ''تو آؤ میرے ساتھ۔''

☆☆

اسٹیو کے بیان کے عین مطابق ٹرک پوری طرح لوڈ تھا۔ ایک دوسرے کے اوپر باکسز بڑی صفائی سے رکھے گئے تھے۔ میں انہیں اُلجھن بھری نظروں سے دیکھتا نجانے کیوں، مجھے گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔ وجہ بھی میں نہیں جانتا تھا اور گڑبڑ کیا ہے، یہ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ شاید یہ وجہ تھی کہ سب کچھ نہایت آسان اور سیدھا سادہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں اس شخص کی طرف مڑا، جس سے ہوٹل کے کمرے میں بات ہوئی تھی ''میری بات کا برا نہ منانا'' میں نے اس سے کہا ''لیکن یہ بڑی رقم کا معاملہ ہے۔ میں پورا مال

چیک کروں گا۔''

''اس کے لیے تو تمہیں باکس اُتارنے اور پھر دوبارہ لوڈ کرنے ہوں گے۔'' اس نے احتجاج کیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''میں نے کہا نا، رقم بڑی ہے۔ میں چیک کیے بغیر مال نہیں اُٹھاؤں گا۔''

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر مجھے۔ پھر اس نے کندھے جھٹک دیے ''مجھے کوئی اعتراض نہیں'' اس نے کہا ''لیکن تم رات دو بجے سے پہلے یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔''

''کوئی بات نہیں'' میں نے کہا۔

☆☆

میں نے تھکے تھکے انداز میں اسٹیو کو اور پھر ان تینوں کو دیکھا۔ وہ میرے گرد نیم دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ ان کے چہرے تمتما رہے تھے اور پسینے میں ترقمیصیں ان کے جسموں سے چپکی ہوئی تھیں ''میرا خیال ہے سب ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا لیکن گڑبڑ کا احساس اب بھی موجود تھا۔ میں اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میں نروس ہونے لگا۔ میں نے کندھے جھٹک دیے۔ شاید یہ بے یقینی، یہ خوف نیلی نے مجھے سونپ دیا تھا۔

''میں نے تو پہلے ہی تمہیں یقین دلایا تھا ڈینی'' اسٹیو نے جلدی سے کہا ''تمہیں چیک کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی''

''ایک لاکھ ڈالر دیتے ہوئے چیک کرنا ضروری ہوتا ہے'' میں نے کہا۔ پھر میں ان تینوں کی طرف مڑا ''ٹرک کون ڈرائیو کرے گا؟''

ان میں سے ایک آگے بڑھا ''میں ڈرائیو کروں گا۔''

''او کے۔ تم مجھے ٹرک میں بٹھا کر ہوٹل لے چلو۔ ہم وہاں سے روانہ ہوں گے۔''

''ابھی؟''

''ہاں، ابھی''

''لیکن میرا ہیلپر تو صبح کو آئے گا۔'' اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''ہم انتظار نہیں کر سکتے'' میں نے کہا ''میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ یہ مال کل صبح تک ہر حال میں نیویارک پہنچنا ہے۔''

..........☆☆..........

''یس مسٹر فشر؟'' ڈیسک کلرک میری طرف مڑا۔

''مجھے چیک آؤٹ کرنا ہے۔ رکنے کا ارادہ میں نے ملتوی کر دیا ہے۔ تم وہ میرا لفافہ مجھے......''

''ابھی لیجیے مسٹر فشر'' اس نے پیچھے جا کر تجوری کھولی اور لفافہ میرے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ پھر وہ مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے ہوٹل کے براؤن لفافے کو کھول کر اپنا لفافہ باہر نکالا۔

''سب ٹھیک ہے نا سر'' کلرک نے جماہی لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک ڈالر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے شکریہ ادا کیا لیکن اس وقت تک میں دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

ٹرک اسٹریٹ لیمپ کے نیچے کھڑا تھا اور وہ سب اس کے پاس کھڑے تھے۔ میں دروازہ کھول کر ٹرک کے اگلے حصے میں بیٹھا اور لفافہ اسٹیو کی طرف بڑھا دیا۔ اسٹیو نے وہ اس شخص کو تھما دیا، جس سے ہوٹل میں میری بات ہوئی تھی۔ اس شخص نے لفافہ چیک کیا، اس میں جھانکا، پھر اس کی انگلیاں متحرک ہوئیں اور وہ نوٹ گننے لگا۔

ذرا دیر بعد اس نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا اور سلیوٹ کیا۔ میں نے ہاتھ ہلایا اور ڈرائیور سے کہا ''چلو بھائی! اب اس کی تیز رفتاری ثابت کرو۔''

..........☆☆..........

ہم نیوبرگ سے نکلے تو سوا دس بجے تھے۔ میں نے سامنے سڑک پر نظریں جمائیں اور ایکسلیٹر دبایا۔ ٹرک کی رفتار بڑھنے لگی۔ سڑک سنسان تھی۔ میں نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اس کا سر دروازے سے ٹکا ہوا تھا اور وہ سو رہا تھا۔ میں بہت بھوکا تھا۔ کل

دوپہر سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا لیکن ٹرک روکنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ یہ ہاٹ مال تھا۔ ویسے بھی بغیر رکے چلنے کی صورت میں میں دوپہر تک نیویارک پہنچ سکتا تھا۔

ڈرائیور کی آواز نے مجھے چونکا دیا ''اب میں سنبھالتا ہوں ڈینی۔ تم کچھ دیر سو جاؤ۔ تمہارا بہت برا حال ہو رہا ہے۔''

''میں ابھی اور کچھ دیر ڈرائیو کر سکتا ہوں'' میں نے کہا ''یہ ٹرک بہت اچھا ہے...... اشارے پر چلنے والا۔''

''پھر بھی، بہتر ہے تم آرام کر لو۔ تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں لیکن تم تھک چکے ہو۔''

''ٹھیک ہے'' میں نے بریک لگایا۔ ٹرک رُکا اور ہم دونوں نے جگہیں بدل لیں۔

''تم کچھ دیر سو جاؤ'' اس نے سیفٹی بریک ہٹاتے ہوئے کہا ''بفالو سے نکلنے کے بعد سے اب تک تم سوئے نہیں ہو۔ پوری رات جاگے ہو۔''

''یہ سفر ختم ہوگا تو میں سو جاؤں گا'' میں نے جواب دیا ''اس وقت اطمینان ہو جائے گا نا'' یہ کہہ کر میں نے سیٹ پر ٹیک لگا لی۔

ٹرک پھر حرکت میں آ گیا۔ میں نے سڑک کی سفید پٹی پر سے نگاہیں ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے سحر زدہ کر دیا تھا۔ وہ ختم نہ ہونے والی لکیر، جو حد نظر تک دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے اس طرف رہو تو خیریت ہے، اس طرف گئے تو مر جاؤ گے۔ سیدھی جانب رہو...... سیدھی جانب...... سیدھی جانب...... سیدھی...... سیدھی......

میرا ذہن تکرار کیے جا رہا تھا۔ میرا سر دروازے کی طرف ڈھلک رہا تھا۔ میں نے اسے جھٹکا۔ آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تھکن میرے وجود پر چھا گئی تھی۔ تنگ آ کر میں نے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

پھر ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھلی۔ ٹرک ساکت تھا۔ اس کا انجن بھی بند تھا۔ میں نے پلکیں جھپکائیں اور ساتھ بیٹھے ہوئے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا ''کوئی گڑبڑ ہے کیا؟''

وہ مجھے تمسخرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آواز دوسری طرف سے آئی۔ میں نے اس طرف سر گھما کر دیکھا۔ میری آنکھیں پھیل گئیں۔ میری نیند ہوا ہو گئی تھی۔ وہ شخص ریوالور ہاتھ میں لیے ٹرک کے پائیدان پر کھڑا تھا۔ ریوالور کا رخ میرے سر کی طرف تھا ''ہیلو سلیپنگ بیوٹی'' اس نے کہا ''اب ذرا اُٹھو اور چمک کر دکھاؤ۔''

میں نے آگے جھکتے ہوئے پیروں میں پڑا پانا اُٹھانے کی کوشش کی۔

''ہاتھ اُوپر رکھو، جہاں میں انہیں دیکھ سکوں۔'' ریوالور والا غرایا ''سمجھے ڈینی بوائے۔''

میں نے آہستگی سے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے۔ میرا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ وہ سڑک پر نظریں جمائے ساکت و صامت بیٹھا تھا۔ بات اب میری سمجھ میں آنے لگی ''تم بھی اس کھیل میں شامل ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

ڈرائیور نے جواب نہیں دیا لیکن ریوالور والے نے کہا ''تمہارا کیا خیال ہے؟''

میں اس کی طرف مڑا ''مجھے یہ مال لے جانے دو تو میں معقول رقم دے سکتا ہوں''

اس نے دانت نکال دیے۔ زرد، بدنما دانت ''تمہاری رقم تو ہم پہلے ہی ہتھیا چکے ہیں'' اس نے کہا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا اور پائیدان سے اُتر گیا ''اب تم نیچے آ جاؤ۔'' اس نے ریوالور لہراتے ہوئے کہا ''مفت کی سیر ختم''

''میں تمہیں دس ہزار ڈالر دوں گا'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے پھر ریوالور لہرایا ''میں نے کہا نا، نیچے آ جاؤ۔''

میں آہستہ سے اُترا۔ آسمان سیاہ ہو رہا تھا۔ لگتا تھا، بارش ہونے والی ہے۔ اب میرے اندر غصہ اُمنڈ رہا تھا۔ میں کتنا احمق ہوں کہ مجھے اتنی آسانی سے بے وقوف بنا لیا گیا۔ مجھے سوچنا تو چاہیے تھا۔

تھکن سے میری ٹانگیں اینٹھ رہی تھیں۔ باہر نکل کر میں نے دیکھا، ٹرک کے عقب

میں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ شاید بفالو سے ہی ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔ یہ مقام ان کے لیے بہت مناسب تھا۔ چنانچہ یہاں انہوں نے مجھے چھاپ لیا۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگا۔ کوئی حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' میرے عقب سے کسی نے پوچھا۔

ریوالور والے کی توجہ اس طرف ہوئی۔ میں نے اس کی طرف جست لگائی۔ میرے گھونسے کا ہدف اس کا جبڑا تھا لیکن وہ جبلی طور پر پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس کے قریب سے گزرا۔ سڑک کے کنارے کیچڑ تھی۔ میں خود کو اس میں گرنے سے بچا رہا تھا۔ اسی لمحے میرے سر پر ایک ضرب لگی اور میں منہ کے بل کیچڑ میں گر گیا۔ میں نے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل پر اُٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اسی جگہ لگنے والی دوسری ضرب نے میرے ہاتھوں اور پیروں کی جان نکال لی۔ میرا چہرہ کیچڑ میں لت پت ہو گیا۔ میرا ذہن اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔ میں اس سے لڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جانتا تھا کہ ہار جاؤں گا۔

اس کیفیت میں مجھے دور سے...... بہت دور سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے سمجھنے کی کوشش کی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں لیکن کچھ الفاظ واضح تھے اور کچھ غیر واضح۔ اتنا سمجھ میں آ گیا کہ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ یہ بات مسٹر گورڈن کو اچھی نہیں لگے گی۔ اس پر دوسرا زہریلے انداز میں ہنسنے لگا۔

میں نے ذہن پر چھاتے ہوئے اندھیرے کے سامنے ہتھیار ڈال دیے لیکن اس میں ڈوبنے سے پہلے ایک خیال میرے ذہن میں گردش کرتا رہا۔ دھوکا...... دھوکا! ابتدا ہی سے دھوکا! اسی لیے تو اسٹیو بار بار سام کا نام لیتا رہا تھا تاکہ میرے ذہن میں سام کا خیال آئے۔

پھر وہ خیال بھی میرے ذہن کے ساتھ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

..........☆☆..........

تبدیلی لانے والا دن

۱۳ اکتوبر ۱۹۴۴ء

ہاتھ میرے کندھوں کو ہلا رہے تھے۔ میں نے خود کو ان سے بچانے کے لیے پہلو بدلا تو سر میں درد کی شدید لہر اُٹھی۔ ہاتھ پھر بھی مجھے ٹٹولتے رہے۔ میں اِدھر اُدھر ڈولتا رہا۔ مجھے وہ سب برا لگ رہا تھا۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیا جاتا۔ اب تو کہیں مجھے آرام مل رہا تھا۔ کب سے مجھے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ شاید بہت دیر سے۔ اب جبکہ جسم کو گرمی ملنی شروع ہوئی تھی تو ان ہاتھوں نے مجھے ستانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے انہیں دھکیلنے کی کوشش کی اور کروٹ لے کر سیدھا ہو گیا۔ میرے چہرے پر ایک تھپڑ لگا۔ تکلیف ہوئی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ ایک شخص مجھ پر جھکا، میرے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو مسٹر؟'' اس نے پرتشویش لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے سر گھما کر دیکھنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ مگر وہ اکیلا تھا۔ پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ بارش ہو رہی ہے۔ میں ہنسنے لگا لیکن مجھے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر میں نے سوچا، یہ بے موقع ہنسی! کیا میں پاگل ہو گیا ہوں؟ میں نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

سر میں درد کی شدید لہر اُٹھی۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس شخص نے میرا کندھا تھام کر مجھے سہارا دیا ''کیا ہوا مسٹر؟'' اس کے لہجے میں خوف تھا۔

''وہ راہزن تھے۔ مجھے لوٹ لیا گیا'' میں نے جواب دیا۔ اب میں اسے حقیقت تو نہیں بتا سکتا تھا۔ ''وہ میری کار بھی لے گئے۔''

اس نے اطمینان کی سانس لی اور مسکراتے ہوئے مجھے سہارا دے کر اُٹھایا ''تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میرے گردے کمزور ہیں'' اس نے کہا'' میں تو یہاں خود کو ہلکا کرنے کے لیے رُکا تھا۔ پھر تمہارے کراہنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو تم اس گڑھے میں

پڑے ہوئے تھے۔''

میں اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ اگرچہ میں لڑکھڑا رہا تھا لیکن احساس ہوتا تھا کہ میری توانائی واپس آ رہی ہے۔

''تمہیں تو نمونیا بھی ہو سکتا تھا''

''واقعی، میں خوش قسمت ہوں'' میں نے گھڑی میں وقت دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ٹوٹ چکی تھی ''وقت کیا ہوا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ایک بج کر پانچ منٹ''

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ تو میں یہاں دو گھنٹے سے بھی زیادہ دیر پڑا رہا تھا۔ میری گھڑی پونے گیارہ بجے بند ہوئی تھی ''مجھے گھر پہنچنا ہے۔ آج ہم گھر تبدیل کر رہے تھے۔ میری بیوی بہت پریشان ہو گی۔''

''میں نیویارک جا رہا ہوں۔ اگر تم بھی وہیں.....''

''ہاں، مجھے بھی وہیں جانا ہے'' میں نے جلدی سے کہا۔

''آؤ، میری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹ جاؤ۔ ہم ڈھائی بجے تک پہنچ جائیں گے۔''

لیکن میں نے فرنٹ سیٹ کو ترجیح دی۔ دروازہ بند ہوتے ہی مجھ پر تھرتھری چڑھ گئی۔ اس نے میرے نیلے ہوتے ہونٹوں کو دیکھا اور گاڑی کا ہیٹر آن کر دیا ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ بالکل بھیگے ہوئے ہو۔ ذرا دیر میں کپڑے سوکھ جائیں گے۔''

میں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ جوان آدمی نہیں تھا۔ ''شکریہ مسٹر'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں بیٹے۔ دنیا میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' اس کے لہجے میں شفقت تھی۔

میں نے تھکے تھکے انداز میں آنکھیں بند کر لیں اور انسان ہی انسان کو ڈستا ہے۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ گاڑی میں ونڈ شیلڈ پر وائپرز کے حرکت کرنے کے سوا کوئی آواز

نہیں تھی۔ میرے خیالات کی رفتار کم ہونے لگی۔ سام اس مقولے کا قائل نہیں تھا کہ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ وہ وار کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتا تھا کہ وار کس پر کر رہا ہے۔ سام صرف اپنے بارے میں سوچنے کا قائل تھا۔

میں تیزی سے بڑھ رہا تھا...... پھیل رہا تھا۔ شاید سام کو یہ بات اچھی نہیں لگی ہوگی۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ میں وہ پودا تھا، جو اس کے سائے میں لگا تھا۔ وہ تو اس وقت بھی یہ نہیں چاہتا تھا لیکن تنخواہ دار آدمی بہرحال اپنے ہاتھ کے نیچے رہتا ہے۔ مگر اب وہ پچھتا رہا ہوگا کہ اس نے نہ صرف ایک اچھا کاروبار مس کر دیا، بلکہ مجھے بڑا بننے کا موقع بھی فراہم کر دیا۔ چنانچہ اس نے وہ سب کچھ ہتھیانے کا فیصلہ کر لیا اور اب وہ سب کچھ اُسی کا تھا۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں۔

کچھ بھی نہیں؟ میں نے سوچا۔ میرے اندر غصہ مچلنے لگا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سام غلطی پر ہے۔ میں نے یہ سب کچھ بہت محنت سے بنایا تھا اور میں اتنی آسانی سے یہ سب ہارنے والا نہیں تھا۔ بس بہت ہوگیا۔ بہت عرصہ میں نے اس کی برخورداری میں گزار دیا۔ اس حرکت کا تو اسے خمیازہ بہرحال بھگتنا ہوگا۔ یہ میری حماقت تھی کہ میں اس بچکانہ جال میں پھنس گیا لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ جلد ہی اسے معلوم ہو جائے گا۔

اس غصے نے میرے اندر گرمی سی جگا دی اور مجھے اونگھ آ گئی۔

☆☆

اپنے بازو پر مجھے ایک ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ہم ویسٹ سائیڈ ہائی وے پر پہنچ رہے تھے۔

''اب کچھ بہتر محسوس کر رہے ہو؟'' مہربان شخص نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ سر کا درد اب رخصت ہو چکا تھا۔

''کہاں ڈراپ کروں تمہیں؟''

میں نے اسے اپنا پتا بتایا اور پھر کہا ''یہ آپ کے راستے میں ہی ہے نا؟''

''ہاں۔ میرا گھر اس کے بعد آتا ہے۔''

سوا تین بجے گاڑی میرے گھر کے سامنے رُکی۔ میں اُترا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف گیا ''آپ کا بہت بہت شکریہ جناب'' میں نے کہا ''آپ کی یہ مہربانی میں کبھی نہیں بھولوں گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں بیٹے۔ میں نے کہا نا، میں بھی انسان ہوں اور انسان وہی ہے، جو ضرورت کے وقت دوسرے انسان کے کام آئے۔''

میں کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ مجھے اس کا نام پوچھنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ یہ دنیا کتنی عجیب ہے۔ کوئی شخص جسے آپ ایک عمر سے جانتے ہیں، آپ کو بدترین نقصان پہنچاتا ہے، اور کوئی شخص جسے آپ نے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں، آپ کی مدد کرتا ہے اور آپ کی زندگی بچاتا ہے۔ کیا نیرنگی ہے زندگی کی!

میں دیکھتا رہا۔ موڑ کاٹ کر کار نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ پھر میں پلٹا اور بلڈنگ میں داخل ہوگیا۔ خاکروب ہال میں جھاڑو لگا رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ مجھے خود بھی اپنی ہیئت کذائی کا اندازہ تھا۔ میرا چہرہ کٹا پھٹا تھا اور کپڑے گندے ہو رہے تھے۔ اگرچہ کیچڑ سوکھ چکی تھی۔

''وین تو جا چکی ہے مسٹر فشر'' اس نے مجھے بتایا ''آپ کی اہلیہ نے بہت انتظار کیا آپ کا۔ وہ بہت پریشان تھیں لیکن آپ کے بہنوئی نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ شفٹنگ مکمل کر لی جائے۔''

''میرا بہنوئی یہاں آیا تھا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''آپ کی وائف نے انہیں فون کیا تھا۔ ان کا اپنا بھائی تو پہلے ہی یہاں موجود تھا لیکن وہ آپ کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند ہو رہی تھیں'' اس نے رک کر متجسس نظروں سے مجھے دیکھا ''آپ کے بہنوئی نے آپ کے لیے ایک پیغام چھوڑا ہے۔''

''کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے کہا کہ آپ آتے ہی ان سے مل لیں۔ وہ اپنے آفس میں ہوں گے۔''اس نے کہا۔ پھر مسکرایا''آپ کے بہنوئی بہت اچھے آدمی ہیں مسٹر فنشر۔ وہ آپ کے لیے فکرمند ہو رہے تھے۔ میرے بہنوئی کو تو میرے جینے مرنے سے بھی غرض نہیں۔''

''شکریہ''میں نے کہا اور بلڈنگ سے نکل آیا۔ سام کو تو یقیناً میری فکر ہوگی صرف اس لیے کہ میرے پاس اس کے ۹۰ ہزار ڈالر تھے۔ لیکن نہیں ۹۰ ہزار کیوں، اس کے لیے تو وہ دو لاکھ ڈالر کا معاملہ تھا۔ کیونکہ اب تو میرا سب کچھ بھی اس کا ہو چکا تھا۔ ایسے میں نیلی نے فون کر کے اسے بلایا تو وہ کیوں نہ آتا۔

میں نے ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو سام کے آفس کا پتا بتا دیا۔

..........☆☆..........

میں سام کی سیکرٹری کو زحمت دیے بغیر ہی اس کے دفتر میں گھس گیا۔ میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔

وہ کوئی کال نمٹا کر ریسیور رکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظریں اُٹھیں اور اس نے مجھے دیکھا۔ اس کا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا۔''تم کہاں تھے اب تک؟''بالآخر وہ دہاڑا۔ ریسیور اس نے کریڈل پر رکھ دیا''میں تو اب پولیس کو فون کرنے والا تھا۔''

اس کی آواز میں کوئی بات تھی، جس سے میں چڑ گیا''کیا بات ہے سام، کیا تمہیں میری واپسی کی اُمید نہیں تھی؟''میں نے پوچھا۔

وہ اُٹھا اور میز کے گرد سے گھوم کر میری طرف آیا''کوئی کسی کو ۹۰ ہزار ڈالر کی خطیر رقم دے اور وہ وقت پر نہ پہنچے تو آدمی اور کیا کر سکتا ہے''اس نے کھردرے لہجے میں کہا''میں تو سمجھا تھا کہ تم رقم لے کر بھاگ گئے ہو۔''

میں اس کے انداز کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ غضب کی اداکاری کر رہا تھا۔ یوں جو نقصان اس نے مجھے پہنچایا تھا، اس میں توہین کا اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اب تک میری خواہش تھی کہ میں اس جیسا بن جاؤں۔ مگر اب میں نے سمجھ لیا کہ یہ ناممکن ہے۔ میں

اسے گھورتا رہا۔ اب وہ مجھے مزید بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔

''تم جانتے تھے کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ کر ہی نہیں سکتا''میں نے خشک لہجے میں کہا''تمہاری رقم سے زیادہ کی تو ضمانت دے کر گیا تھا میں''

وہ دوبارہ جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا''۹۰ ہزار ڈالر چھوٹی رقم نہیں ہوتی اور امکانات کیسے کیسے ہیں''اس نے کہا''عین ممکن تھا کہ تم اپنی بیوی سے اُکتا گئے ہو اور شہر چھوڑ کر بھاگنے کے موڈ میں ہو اور بھی درجنوں وجوہات ہو سکتی ہیں، جن کا مجھے علم بھی نہ ہو۔''

میں اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا''تم کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرتے سام؟ ہے نا؟''میں نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

وہ سر جھکا کر اپنی میز کو تکنے لگا''اگر میں ہر جوکر پر بھروسہ کرنے والا ہوتا تو اس مقام پر نہ ہوتا۔''اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور تیز لہجے میں بولا''مال کہاں ہے؟''

میں نے کندھے جھٹک دیے''مجھے نہیں معلوم''میں نے سادگی سے کہا۔ وہ شخص مجھ سے پوچھ رہا تھا، جو سب کچھ جانتا تھا۔

وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیروں میں جیسے اسپرنگ لگ گئے تھے''کیا مطلب ہے تمہارا؟''وہ پھنکارا''کیا ہوا؟''

کون اسے سراہے بغیر رہ سکتا تھا۔ اسے کسی بھی پیچیدہ صورتِ حال کے ایک ایک لمحے سے استفادہ کرنے کا ہنر آتا تھا''مجھے راستے میں لوٹ لیا گیا''میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا''مجھے زخمی کر کے کیچڑ سے بھرے ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔ یہ محض میری خوش قسمتی ہے کہ میں زندہ ہوں۔''

''مجھے پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا۔''وہ حلق کے بل چلایا''تمہیں اس طرح ۹۰ ہزار ڈالر دے دینا.....''اب وہ آخری سین کی اداکاری کر رہا تھا۔

میں مسکرایا''اتنا چیخ کیوں رہے ہو سام''میں نے کہا''اس ڈیل میں تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ نقصان تو میرا ہوا ہے۔ میری تو برسوں کی محنت لٹ گئی۔ اب میرا سب کچھ تمہارا ہے۔''

”مجھے وہ چاہیے ہی کب تھا۔ میرے لیے تو وہ وبال ہے“ وہ دہاڑا ”میرے لیے اپنی پریشانیاں ہی کم نہیں۔ میرے لیے تمہارے کاروبار کے مقابلے میں ۹۰ ہزار ڈالر زیادہ قابل ترجیح ہیں۔“

اس بار وہ مجھے اوورایکٹنگ کرتا محسوس ہوا۔ جس شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو، وہ اس طرح نہیں چلاتا ”سچ کہہ رہے ہو سام؟“

وہ مجھے گھورنے لگا۔ اس کی نگاہیں محتاط تھیں ”تو اور کیا۔ اب مجھے ایک نہیں، دو مصیبتیں بھگتنی ہوں گی، ایک تمہارا کاروبار اور دوسرے تم خود۔ کیونکہ تمہی اسے چلاؤ گے۔ اب مجھے یہ نہیں پتا کہ زیادہ بڑی مصیبت کون سی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم مجھے زیادہ نقصان پہنچاؤ گے یا تمہارا کاروبار۔ تم جیسے چھوکرے کے ساتھ کاروبار کرنے سے تو بہتر تھا کہ میکسی فیلڈ سے اشتراک کر لیتا۔ اس کے پاس کم از کم تنظیم تو ہے، مین پاور تو ہے۔“

میں بولنے سے پہلے چند لمحے سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں وہ آئیڈیا پھیلتا جا رہا تھا۔ دو دن میں وہ دوسرا آئیڈیا تھا، جو کسی اور نے مجھے فراہم کیا تھا۔ پہلا اسٹیو نے سام کا حوالہ دے کر اور اب سام نے میکسی فیلڈز کا حوالہ دے کر۔ البتہ ایک فرق تھا۔ پہلا آئیڈیا بالارادہ دیا گیا تھا، جبکہ یہ دوسرا بلاارادہ تھا۔ میں نے کہا ”یہ آئیڈیا زبردست ہے سام“ میرا لہجہ نرم تھا ”اس سے اچھا آئیڈیا آج کے دن تو میں نے نہیں سنا کم از کم“

اس کا منہ حیرت سے کھلا اور وہ مجھے اچنبھے سے دیکھتا رہا۔ میں اسے اسی حال میں چھوڑ کر اس کے کمرے سے نکل آیا۔ وہ مجھے آواز دیتا رہا...... واپس آنے کو پکارتا رہا لیکن میں اس کی سیکرٹری کے پاس سے گزرتا ہوا دفتر کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر لفٹ منتظر تھی۔ میں اس میں بیٹھ گیا۔

میں سڑک پر پہنچا تو سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ سام سمجھ رہا تھا کہ کیک ہتھیا بھی لے گیا اور کھا بھی لیا گیا لیکن وہ غلطی پر تھا۔ میں کیک کو اس کے لیے گندگی کا ڈھیر بنانے کا

ارادہ رکھتا تھا۔ سیانے کووں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے!

..........☆☆..........

دروازے کی پیشانی پر وہی پرانا بورڈ تھا۔ فیلڈز چیک کیشنگ سروس۔ سڑک پر وہی گندگی تھی۔ کہیں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ یہاں کبھی کچھ بھی نہیں بدلے گا۔

میں نے دروازہ دھکیلا اور اندر چلا گیا۔ کاؤنٹر پر موجود شخص نے مجھے دیکھا اور پوچھا ”یس سر؟“ اس کے لہجے میں احترام تھا۔

”میکسی فیلڈز موجود ہے؟“

”آپ کی تعریف؟“

”ڈینی فشر“ میں نے درشت لہجے میں کہا ”اس سے کہو کہ ایک لاکھ کی ڈیل ہے۔ وہ مجھ سے ملے بغیر نہیں رہے گا۔“

اس نے فون اُٹھایا اور ایک بزر دبایا۔ فون پر اس نے سرگوشی میں کہا، پھر میری طرف دیکھا ”اس دروازے سے اندر چلے جائیں“ اس نے اشارہ کیا۔

”راستہ مجھے معلوم ہے“ میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سیڑھیاں چڑھ کر میں اُوپر پہنچا تو وہ دروازے پر موجود تھا۔ اس کی آنکھوں میں سختی کی چمک تھی اور وہ مجھے گھور رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر ہٹنے کے بجائے وہ دروازے پر اور پھیل کر کھڑا ہو گیا ”کس چکر میں ہو ڈینی؟“ اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا ”دولت سے تو تمہیں اب بھی محبت ہے نا؟“

اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

”تو میں تمہارے لیے بہت بڑی ڈیل لایا ہوں“ میں نے کہا ”اندر چلو۔ میں راستوں پر کھڑے ہو کر کاروبار نہیں کرتا۔“

وہ اندر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ اس کا اپارٹمنٹ بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی شاہانہ آرائش، وہی آسائشیں!

”ایک ڈرنک کے بارے میں کیا خیال ہے میکسی؟“

وہ میرے چہرے کوغور سے دیکھتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف رُخ کر کے دہاڑا ''رونی! دو جام بنا کر لاؤ'' جواب کا انتظار کیے بغیر وہ گھوم کر اپنی میز کے عقب میں، کرسی پر جا بیٹھا۔ چند لمحے وہ مجھے گھورتا رہا۔ پھر بولا ''ڈیل کیا ہے ڈینی؟''

میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ آتے ہوئے قدموں کی چاپ سن کر میں نے سر گھمایا۔ وہ ڈیبورا تھی، جو دونوں ہاتھوں میں جام لیے چلی آ رہی تھی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور جب دیکھا تو حیران نظر آنے لگی۔ اس کا منہ کھلا، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔ لیکن فوراً ہی اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ خاموشی سے اس نے دونوں جام میز پر ہم دونوں کے سامنے رکھے اور واپس جانے لگی۔

فیلڈز نے اسے پکارا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی ''تمہیں اپنا دوست ڈینی یاد ہے یا اسے بھول گئیں؟''

اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ ان آنکھوں میں شکست خوردگی تھی۔ ایک لمحے کو ان میں روشنی سی چمکی، مگر فوراً ہی جل بجھی۔ ''ہاں، مجھے یاد ہے'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا ''ہیلو ڈینی''

ان برسوں نے اس کی ظاہری شخصیت کو نہیں بدلا تھا ''اس کا سراپا ویسا ہی دل کش تھا۔ چمن در چمن۔ لیکن اس کی روح کچلی جا چکی تھی۔ وقت نے اس کی روح کو، زندگی کے جذبے کو روند ڈالا تھا'' ہیلو رونی'' میں نے آہستہ سے کہا۔

مگر فیلڈز کو سکون نہیں ملا تھا۔ وہ اور کچوکے لگانا چاہتا تھا اور تفریح کرنا چاہتا تھا ''ڈینی مجھ سے ایک معاملہ کرنے آیا ہے'' اس کے لہجے میں فخر تھا ''کوئی بھی میکسی فیلڈز سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکتا بے بی۔ یہی تو ہمیشہ سے کہتا رہا ہوں میں۔''

''ہاں میکسی'' اس کا لہجہ اب بھی بے تاثر تھا۔ وہ جانے کے لیے پلٹی۔

''رونی! یہاں آؤ۔ تم بھی ہمارے پاس بیٹھو۔''

وہ آئی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا انداز مشینی تھا۔ اس کے چہرے پر کسی جذبے کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

فیلڈز نے اپنا جام اُٹھایا اور مجھ سے کہا ''اب کام کی بات کرو ڈینی''

میں نے جام اُٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔ مشروب خوش ذائقہ تھا۔ میں نے جام بلند کیا اور شیشے کے پار اسے دیکھے ''ایک لاکھ ڈالر مالیت کے سگریٹ ہیں'' میں نے کہا۔

فیلڈز نے گھونٹ لیے بغیر جام کو میز پر رکھ دیا ''ہیں تو کیا؟'' اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

''سمجھ لو، وہ تمہارے ہیں'' میں نے ایک اور گھونٹ لیا ''بشرطے کہ تم میرا ایک کام کر دو۔''

اس نے ایک گہری سانس لی ''میں تمہیں جانتا ہوں ڈینی'' اس نے کرخت آواز میں کہا ''موسم سرما میں تم اپنی برف فروخت کرنے لگتے ہو اور پھر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟''

''تو سنو......'' میں نے اسے مرحلہ وار پوری تفصیل سنا دی اپنے لٹنے تک۔ اب اس کے انداز میں گہری دلچسپی تھی۔

''تو اب وہ تمہیں واپس کیسے ملیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں سام کا کاروبار سنبھال رہا ہوں''

وہ ایک دم محتاط نظر آنے لگا ''کس طرح؟''

''سیدھی سی بات ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''جس روز تم لمبارڈی کے آفس میں میرے ساتھ آئے تھے، اس روز ہمارے درمیان کچھ گفتگو ہوئی تھی نا۔ تمہیں یاد ہے کہ تم نے کیا کہا تھا؟''

اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، مجھے یاد ہے'' وہ مجھے بہ غور دیکھ رہا تھا ''سوال یہ ہے کہ کیا سام کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے؟''

میں نے اپنا جام دوبارہ اُٹھایا اور کندھے جھٹکتے ہوئے کہا ''یہ تو تم مجھے بتاؤ۔''

''نہیں ڈینی'' اچانک رونی ہذیانی انداز میں چلائی۔ میں نے سر گھما کر حیرت سے اُسے دیکھا۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں مجھے زندگی کی رمق نظر آ رہی تھی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔ایک سام ہی تو تھا......''

''شٹ اپ رونی''فیلڈز نے اس کی بات کاٹ دی۔وہ بری طرح دہاڑا تھا۔

وہ اس کی طرف مڑی۔اس کے چہرے پر خوف تھا''میکسی!تم اسے بتاؤ نا......''

مجھے اپنے عقب میں تحرک کا احساس ہوا۔وہ اسپٹ تھا جو رونی کے پہلو میں آ کھڑا ہوا تھا۔اس لمحے سے پہلے مجھے کمرے میں اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا

''اُسے یہاں سے لے جاؤ''فیلڈز نے کہا۔

اسپٹ نے رونی کا ہاتھ تھاما۔مگر رونی نے اسے جھٹک دیا اور اٹھ کر کمرے سے بھاگی۔اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا تھا۔

میکسی فیلڈز اب گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔پھر وہ میری طرف مڑا۔اس نے اسپٹ کو رونی کی خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس کے بعد چند لمحے وہ مجھے گھورتا رہا''مجھے کیسے یقین ہو کہ تم وعدے کے مطابق مجھے ادائیگی کرو گے۔تمہیں تو ابھی یہ بھی یقینی طور پر نہیں معلوم کہ مال سام ہی کے پاس ہے۔''

''ایک منٹ کے لیے فون میری طرف بڑھاؤ۔ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

اس نے فون میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے سام کے گودام کا نمبر ملایا۔آخر میں، کبھ [illegible] س کے لیے کام کرتا رہا تھا۔وہاں میں سب کو جانتا تھا۔

دوسری طرف سے مجھے جو آواز سنائی دی، میں نے فوراً ہی اسے پہچان لیا۔''جو؟''

''ہاں۔کون بات کر رہا ہے؟''دوسری طرف سے جو نے پوچھا۔

''ڈینی فشر''میں نے جلدی سے کہا''یہ معلوم کرنا تھا کہ میرا ٹرک پہنچ گیا ہے یا نہیں۔بڑا ٹرالر ہے......بفالو سے آیا ہوگا۔''

''آ گیا ہے ڈینی۔ہم اس وقت اسے خالی کر رہے ہیں۔مال اُتار رہے ہیں۔''

''او کے جو، تھینکس''میں نے ریسیور رکھ دیا اور میکسی کی طرف مڑا۔وہ میری بات سن رہا تھا۔''اب تم مطمئن ہو؟''میں نے پوچھا۔

اس کی آنکھوں میں ڈالروں کے لالچ کی چمک تھی''پورا مال مجھے ملے گا؟''

''یہ تو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔''

''تو ٹھیک ہے''وہ اُٹھ کھڑا ہوا''میں اسپٹ اور کلکٹر کے ساتھ خود یہ کام کروں گا۔رات ختم ہونے سے پہلے صفایا''اس نے چٹکی بجائی اور اپنے گلے پر ہاتھ سے چاقو پھیرنے کا اشارہ کر کے دکھایا۔

''میں کہتا ہوں باس، اس شخص سے دور رہو۔یہ وبال ہے۔''اسپٹ نے غصے سے کہا۔وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور میکسی کو ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا بات ہے اسپٹ؟''میں نے اسے چیلنج کیا''ڈر لگ رہا ہے؟ ہمت نہیں ہے؟ سدا کے بزدل جو ٹھہرے۔''

وہ میری طرف مڑا''میں تم پر بھروسہ نہیں کرتا''وہ غرایا''میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میکسی بے وقوف ہے۔وہ مجھے نہیں جا [illegible]''میں نے آگ لگائی۔

اسپٹ کا چہرہ فق ہو گیا۔ہونٹ لرز کر رہ گئے،آواز نہیں نکلی۔

میکسی نے بہت سخت لہجے میں کہا''شٹ اپ اسپٹ۔بیٹھ جاؤ۔یہ ڈیل میری ہے۔تمہیں بولنے کی جرات کیسے ہوئی۔''

اسپٹ بیٹھ گیا لیکن اُس کی نظروں میں میرے لیے اب بھی عناد تھا۔

''سودا پکا ہو گیا ڈینی''میکسی نے مجھ سے کہا''لیکن یاد رکھو، پچھلی بار کی طرح اس بار پیچھے نہیں ہٹنا۔اس بار میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔اچھی طرح سوچ لو،ابھی آن ہونے کے اند [illegible] یہ ڈیل آف نہیں ہوگی۔''

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔نجانے کیوں، اس کی بات سن کر میرے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔دروازے پر پہنچ کر میں پلٹا۔اسپٹ نفرت سے مجھے گھور رہا تھا۔میکسی کی نگاہیں سرد تھیں لیکن چہرہ بے تاثر تھا اور اس کی سانسیں ناہموار تھیں''تم بل تیار کرو میکسی، ادا میں

کروں گا۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆☆

چھ بجنے میں چند منٹ باقی تھے جب میری ٹیکسی میرے گھر کے سامنے رُکی۔ میں نے کرایہ ادا کیا اور جاتی ہوئی ٹیکسی کو دیکھتا رہا۔ پھر میں نے پلٹ کر اپنے گھر پر نگاہ ڈالی۔ میں بہت تھکا ہوا تھا اور خود کو بوڑھا محسوس کر رہا تھا لیکن بہر حال اپنے گھر واپس آنے کی خوشی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں کہیں بھی رہا، میں نے کسی مکان کو اپنا گھر کبھی نہیں سمجھا۔ گھر تو بس یہی تھا۔ باقی سارے تو وقتی ٹھکانے تھے۔ نہ وہ میرے تھے، نہ میں نے کبھی انہیں اپنایا تھا۔ میرا گھر تو بس یہی تھا۔

پھر وہیں کھڑے کھڑے میں نے سوچا کہ کیا کچھ کر کے یہاں تک آیا ہوں اور اچانک گھر واپس آنے کی خوشی اور طمانیت میرے وجود میں سے بھاپ بن کر اُڑ گئی۔ میں جیسے ریت کا صحرا ہو گیا...... بے آب و گیاہ!

مجھ پر بہت کچھ گزری تھی۔ پلوں کے نیچے سے پانی گزرتا ہے، لیکن لوگوں پر تو قیامتیں گزر جاتی ہیں۔ میں اب وہ شخص نہیں تھا جو برسوں پہلے یہاں رہتا تھا اور پھر یہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس بیچ میں میں اپنا بچپنا اور اپنا لڑکپن، دونوں کھو چکا تھا۔ زندگی بہت سخت، طاقتور اور بے رحم حریف ہوتی ہے۔ تمام وقت آدمی کو اس سے لڑنا...... مقابلہ کرنا ہوتا ہے، ورنہ یہ اسے مٹا دیتی ہے۔ پلٹ کر دیکھو کہ کیا کمایا تو نہ کوئی دوست، نہ سچی خوشی اور نہ دلی سکون۔ دنیا میں رہنا اپنی بقا کی جنگ لڑنا ہے۔ مار دو یا مر جاؤ۔

چبوترے پر میرے قدموں کی آہٹیں گونجیں۔ مجھے زندگی کو سمجھنے میں بہت عرصہ لگا تھا۔ زندگی گزارنے میں محسوسات کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ دل کو لوگوں کے لیے بند کر کے اس پر قفل لگانا پڑتا ہے۔ تاکہ کوئی آپ کی نزاکتوں کو چھو نہ سکے، آپ کو کمزور نہ کر سکے۔ کیونکہ جس دن آپ پیدا ہوئے، تب بھی اکیلے تھے اور جس دن آپ کو موت آئے گی تب بھی آپ اکیلے ہوں گے۔

میں نے بھاری داخلی دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ میرے چھونے سے پہلے ہی کھل گیا''ہیلو ڈینی'' مکان کی آواز نے کہا۔

مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ آواز میں نے پہلے بھی سنی تھی۔ یہ مکان کی آواز تھی، جو میں نے اس دن بھی سنی تھی، جب نیلی اور میں یہ مکان خریدنے کے لیے آئے تھے۔

''ہیلو پاپا''

میرے پاپا نے میرا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں مکان میں داخل ہوئے، جیسے برسوں پہلے ہوتے تھے۔ چند لمحے ہم کچھ بول نہیں سکے۔ درحقیقت لفظوں کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر ہم لونگ روم میں رک گئے اور ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں انہیں روتے دیکھ رہا تھا۔ ان کی آواز دھیمی تھی، لیکن لہجے میں فخر تھا۔ اور جب میری سمجھ میں آیا کہ ان کے لہجے کا وہ فخر میرے لیے ہے تو میں حیران ہوا۔

''ہم سب پھر گھر لوٹ آئے ہیں ڈینی'' ان کے لہجے میں عجز در آیا''اگر تم ایک بوڑھے شخص کی غلطیوں کو معاف کر سکو تو ہم یہاں ہمیشہ ان خوشیوں کے ساتھ رہیں گے، جو پہلی بار ہمیں یہیں ملی تھیں۔ تم درگزر کر دو تو اب ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔''

میں مسکرایا۔ میری سمجھ میں بہت کچھ آ رہا تھا۔ پاپا کی آواز ہی تو میرے مکان کی آواز تھی۔ درحقیقت یہ کبھی میرا مکان نہیں تھا۔ یہ تو اُن کا تھا۔ جب جب میں نے مکان سے اظہارِ محبت کیا تھا میں نے درحقیقت پاپا سے اظہارِ محبت کیا تھا۔ یہ مکان اس وقت تک میرا نہیں ہو سکتا تھا جب تک پاپا خود اسے مجھ کو نہ دیتے۔ خواہ اس کی قیمت میں نے ادا کی ہو۔ پاپا کی عطا کے بغیر یہ میرا گھر نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے سر گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ مجھے تمام وقت یہاں کسی کمی کا احساس رہتا تھا لیکن اب جب وہ یہاں موجود تھے تو وہ کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ یہاں ماما کی ممتا بھری آغوش کی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اب زندہ لگ رہا تھا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ پاپا یہاں آ گئے۔ اور مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ مجھے کچھ کہنا بھی نہیں پڑا۔ نجانے کیسے، انہوں

نے سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ میرے جذبات، میرے احساسات، میرے گلے، میری شکایتیں!

''مجھے زندگی میں اس سے زیادہ شاندار برتھ ڈے گفٹ کبھی نہیں ملا پاپا'' میں نے محبت سے کہا۔

اچانک، پہلی بار انہیں میری ہیئت کذائی کا احساس ہوا ''مائی گاڈ'' انہوں نے بے ساختہ کہا''ڈینی! یہ کیا حال ہو رہا ہے تمہارا؟''

ان کے الفاظ مجھے بھی ماضی سے حال میں کھینچ لائے''ایک حادثہ ہو گیا تھا پاپا'' میں نے کہا''نیلی کہاں ہے؟''

وہ مجھے اب بھی پریشان نظروں سے دیکھ رہے تھے۔''تمہاری ماما نے اسے اوپر بڑی مشکل سے لٹایا ہے۔ وہ تمہارے لیے بہت فکر مند تھی۔ ہسٹریائی کیفیت ہو گئی تھی اُس کی۔''

سیڑھیوں کی طرف سے آہٹیں سنائی دیں۔ پھر وہاں نیلی کھڑی نظر آئی۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا، اور وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ شاید مدھم روشنی میں میرا حلیہ اسے اور ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ نیم وا ہوئے اور وہ چلائی''ڈینی......''

اس کی آواز دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھی۔ میں سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ اس نے ایک قدم میری طرف بڑھایا۔ اسی لمحے اس کی آنکھیں اُوپر کو چڑھ گئیں۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔

''نیلی'' میں چلایا اور اسے تھامنے کے لیے لپکا۔

لیکن وہ گر رہی تھی، لڑھک رہی تھی۔ آدھے زینے پر کہیں میں اسے روکنے میں کامیاب ہوا۔ وہ دیوار کے پاس تڑی مڑی سی پڑی تھی۔ میں اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا، اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیے دیوانہ وار اسے پکار رہا تھا''نیلی!''

اس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اذیت سے بھنچی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر اذیت بھری سرگوشی تھی۔''ڈینی......ڈینی! میں کتنی پریشان تھی

تمہارے لیے۔''

میں پاپا کی طرف مڑا''سڑک کے پار کارنر والے مکان میں ایک ڈاکٹر ہے۔ اسے بلائیں پاپا'' میں چلایا۔ پھر میں نیلی کی طرف مڑا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سے اندازہ ہوا کہ پاپا چلے گئے ہیں۔ میں نے نیلی کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور جسم ساکت۔ سانس بھی بہت دھیمی چل رہی تھی۔

ایسا کیوں ہے کہ مجھے ہر بات کا بہت دیر میں پتا چلتا ہے۔ اب میں سمجھ سکتا تھا اور سمجھ گیا تھا۔ سارا قصور میرا ہی تھا۔ نیلی ٹھیک تھی، میں غلط تھا۔ میں نے نیلی کی اہمیت نہیں سمجھی تھی۔ مکان نیلی سے زیادہ اہم نہیں تھا۔ وہ تو نیلی کے بغیر گھر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ نیلی ہی تو سب کچھ تھی۔ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اہم اسے کچھ نہ ہو۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

............☆☆............

میں اسپتال کے چھوٹے سے ویٹنگ روم میں مضطربانہ اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ میں بری طرح نروس تھا۔ مجھے وہاں صرف چند گھنٹے ہوئے تھے، لیکن لگ رہا تھا کہ میں کئی دن سے وہاں ہوں۔ میں نے سگریٹ ہونٹوں سے لگایا اور سلگانے کی کوشش کی۔ تین دیا سلائیاں بجھ گئیں۔ مگر کانپتے ہاتھوں کی وجہ سے سگریٹ نہیں جل سکی۔ بالآخر زیپ نے میری مدد کی۔

میں نے تشکر سے اسے دیکھا۔ وہ نہ ہوتا تو یہ دن اور بھاری ہو جاتا۔ پورے دن وہ نیلی کے ساتھ رہا تھا۔ اس کی مدد کرتا، اسے حوصلہ دیتا، سمجھاتا اور اب وہ میرے ساتھ تھا۔''شکریہ زیپ'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں نڈھال ہو کر اس کے اور پاپا کے درمیان والی کرسی پر ڈھیر ہو گیا''بہت وقت لگا دیا ڈاکٹر نے'' میں بڑبڑایا۔

زیپ میری کیفیت سمجھ رہا تھا''فکر نہ کرو ڈینی'' اس نے میرے کندھے کو چھوتے ہوئے کہا''اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کے بچنے کا چانس ہے اور میں اپنی

بہن کو جانتا ہوں۔ اسے تنکے کا سہارا بھی مل جائے تو وہ اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی ڈینی۔''

یہی تو بات تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ چانس ہے۔ مجھے اس بات سے تو ڈر لگ رہا تھا اور میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ چانس! امکان!! یعنی امکان کا دوسرا رُخ بھی تو ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ چوٹ اندرونی ہے اور بچے نے جگہ تبدیل کی تھی۔ اندرونی دباؤ کی وجہ سے خون جاری ہوا تھا اور یہ سب کچھ اندر ہوا تھا، جو نظر نہیں آیا تھا۔ بس اس کے سفید، بے رنگ چہرے کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔

ہم اسے ایمبولینس میں لے کر آئے تھے۔ راستے بھر میں اس کا ٹھنڈا ہاتھ تھامے، اس کے پاس بیٹھا ہولتا رہا تھا۔ اسپتال والوں نے بڑی مستعدی سے اسے اسٹریچر پر منتقل کیا اور آپریشن روم میں لے گئے۔ اس کی آنکھیں اس وقت بھی بند تھیں۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن اس کے ہونٹوں پر موہوم کراہوں کے درمیان میرا ہی نام تھا۔ پھر وہ چلی گئی اور میں انتظار کرنے کے لیے باہر رہ گیا۔

اب دو گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور میں اب بھی انتظار کر رہا تھا۔ ہم سب منتظر تھے۔ میں نے اس کی ماں کو دیکھا، جو کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ نروس انداز میں اپنے ہاتھوں میں موجود رومال کو بار بار بھینچ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ میری ماں اس کے پاس بیٹھی اسے دلاسہ دے رہی تھی۔ وہ خاموشی سے میری ماما کی بات سن رہی تھی۔ اس نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ وہ نیلی کی اس حالت کا ذمہ دار مجھے سمجھتی ہے اور یہ غلط بھی نہیں تھا لیکن سچ یہ تھا کہ یہ سب کچھ سام کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے اپنا وہ کھیل نہ کھیلا ہوتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ باہر سے قریب آتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میسی میری طرف آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ تھی ''ڈینی! کیا ہوا؟''

میں نے اسے جواب نہیں دیا۔ میری نظریں سام پر تھیں، جو اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا...... کچھ بے چینی، کچھ اضطراب۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں اس پر چلایا۔

''پاپا نے فون کر کے بتایا کہ نیلی کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میسی اتنی پریشان تھی کہ ڈرائیو نہیں کر سکتی تھی۔ تو میں اسے یہاں لایا ہوں'' اس نے وضاحت پیش کی۔

میں اُٹھ کر کھڑا ہوا لیکن غصے کی شدت سے میری ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ میرا حلق خشک ہو گیا تھا ''اب تم مطمئن ہو؟'' میں نے نہایت درشت لہجے میں کہا ''یہی چاہتے تھے نا تم؟''

اس کی آنکھوں میں شرمندگی تھی، پچھتاوا تھا ''نہیں، میں یہ کیسے چاہ سکتا تھا۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا'' اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

اسی وقت ڈاکٹر نے مجھے پکارا ''مسٹر فشر''

میں سام کو بھول گیا۔ میں نے ڈاکٹر کا ہاتھ تھام لیا ''اس کا کیا حال ہے ڈاکٹر؟ کیسی ہے وہ؟''

ڈاکٹر کے چہرے پر تھکن تھی لیکن پہلے کی نسبت اب وہ پرسکون لگ رہا تھا ''ابھی وہ تکلیف میں تو ہے لیکن خطرے سے باہر ہے۔ وہ آرام کر رہی ہے۔''

میرا جسم ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ ہر جذبہ، ہر تناؤ، سب کچھ جیسے ختم ہو گیا۔ میں کرسی پر ڈھے گیا اور چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ میں خوش تھا کہ اس بار میری دعا قبول کر لی گئی۔

میں نے اپنے کندھے پر ڈاکٹر کا ہاتھ محسوس کیا تو اس کی طرف دیکھا ''میں اس سے مل سکتا ہوں ڈوک؟''

''نہیں، ابھی نہیں'' اس نے نفی میں سر ہلایا ''مسٹر فشر! اگر ہمیں مطلوبہ خون میسر آ جائے تو ایک موہوم سا امکان ہے کہ ہم تمہارے بیٹے کی جان بھی بچا سکتے ہیں۔''

میں ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں اس کی بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا تھا ''کیا مطلب ڈوک؟''

''تمہارا بیٹا زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا۔شاید اسی لیے کہ پیٹ میں سات ماہ کا ہونے کی وجہ سے وہ بہت چھوٹا تھا لیکن بہر حال خون اس کا ضائع ہوا۔اگر فوری طور پر خون مل جائے تو شاید وہ بھی زندہ رہے۔''

''تو چلو......''میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا''میری رگوں میں خون بہت ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا''آپ کا خون میچ نہیں کرتا۔ہمیں اس کے لیے جس خون کی ضرورت ہے وہ ہزار میں کسی ایک کا ہوتا ہے۔میں نے خبر نشر کرادی ہے۔اب بات صرف وقت کی ہے۔ہم اس خون کے حامل افراد سے رابطہ بھی کر رہے ہیں۔''

میرا دل ڈوبنے لگا۔قسمت بھی پینترے بدل رہی تھی۔

''میرا خون ٹرائی کرو ڈاکٹر''وہ زیپ کی آواز تھی۔

''آؤ میرے ساتھ۔دیکھتے ہیں''ڈاکٹر نے کہا پھر وہ دوسرے لوگوں کی طرف مڑا

''آپ لوگ بھی چاہیں تو ٹیسٹ کرالیں۔آجائیں''

ہم سب ویٹنگ روم سے نکل کر لیبارٹری میں چلے گئے۔وہاں ایک نرس بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ہم لوگوں کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔''ان سب لوگوں کا بلڈ ٹائپ چیک کرنا ہے نرس''ڈاکٹر نے کہا۔

لیکن ذرا دیر میں صورتِ حال واضح ہوگئی۔کسی کے پاس بھی مطلوبہ بلڈ گروپ نہیں تھا۔

''سوری مسٹر فشر''ڈاکٹر نے میرے والدین،زیپ اور اس کی ماں کو دیکھتے ہوئے مایوسی سے سر ہلایا''دعا کریں،کوئی ڈونر جلد آجائے۔''

''اور دیر ہوگئی تو میرا بیٹا کہیں......میرا بیٹا''میری آواز گھٹ گئی۔وہ الفاظ میں نے پہلی بار ادا کیے تھے......میرا بیٹا!

اتنی دیر میں ایک نرس نے آکر ڈاکٹر سے کہا''ایک ڈونر آگیا ہے۔تم خوش قسمت ہو مسٹر فشر''

دروازہ کھلا تو میں نے بڑی اُمید سے اُدھر دیکھا لیکن آنے والا سام تھا۔میرا دل

ڈوبنے لگا۔

سام خجالت کے ساتھ اندر آیا،ایک پل وہ میرے سامنے کھڑا مجھے شرمندگی سے دیکھتا رہا۔پھر وہ ڈاکٹر کی طرف مڑا''میں بلڈ بنک سے آیا ہوں ڈوک۔انہوں نے بتایا کہ میرا گروپ نایاب ہے۔ممکن ہے،آپ کو بچے کے لیے اسی کی تلاش ہو۔''

''ابھی دیکھ لیتے ہیں''ڈاکٹر نے کہا اور نرس کو اشارہ کیا۔

میں چند لمحے سام کو دیکھتا رہا۔پھر باہر کاری ڈور میں چلا آیا۔میں جانتا تھا کہ سام سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔اس سے تو مجھے نقصان ہی پہنچ سکتا تھا۔وہ مجھے تکلیف کے سوا کچھ نہیں دے سکتا تھا۔

''ڈینی......ڈینی''زیپ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔وہ میری طرف دوڑا آ رہا تھا۔اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا''سام کا خون میچ کر گیا۔''

میں اسے دیکھتا رہ گیا۔مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

............☆☆............

آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر ویٹنگ روم میں آیا،جہاں ہم سب بیٹھے تھے۔اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔وہ میری طرف آیا اور اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا

''مبارک ہو مسٹر فشر''

میری آنکھیں یوں دھندلائیں کہ اس کا چہرہ مجھے نظر ہی نہیں آ رہا تھا''تھینک یو ڈوک''میں نے کہا''تھینک یو''

ڈاکٹر پھر مسکرایا۔''میرا شکریہ ادا نہ کریں''اس نے کہا''خدا کا شکر ادا کریں آپ کے بہنوئی یہاں موجود تھے۔یہ تو ایک معجزہ ہے کہ آر ایچ فیکٹر کے ساتھ سات ماہ کے حمل والا بچہ اس مرحلے تک آ گیا۔''

میری ساس خوشی سے رونے لگی۔زیپ ان سے لپٹ گیا۔ماما،پاپا اور میمی میرے گرد جمع ہوگئے۔میرے آنسو اب چہرے پر بہہ رہے تھے۔میمی کی بانہیں میری گردن کے گرد تھیں اور ہونٹ میرے رُخسار پر۔میرے آنسو اس کے ہونٹوں اور

رخسار تک پہنچ گئے۔

اس لمحے ایک سچی خوشی تھی، اس کے سوا کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

میں ڈاکٹر کی طرف مڑا ''اب میں اپنی بیوی سے مل سکتا ہوں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''مگر صرف چند منٹ۔ ابھی وہ بہت کمزور ہیں''

میں کمرے میں داخل ہوا تو بستر کے پاس بیٹھی نرس اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ اب میں نیلی کے ساتھ تنہا تھا۔ چند لمحے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ پوری طرح سفید چادر میں چھپی تھی۔ صرف اس کا چہرہ چادر سے باہر تھا۔ اس کے بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ سو رہی تھی۔

میں آگے بڑھا اور بستر پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میں اس بات سے ڈر بھی رہا تھا کہ وہ ڈسٹرب ہوگی لیکن نجانے کیسے اسے میری موجودگی کا علم ہوگیا۔ اس کی پلکیں چند لمحے پھڑپھڑائیں، جیسے اُٹھنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہوں۔ پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ نرم، گہری، مہربان آنکھیں، اس کے ہونٹوں کی حرکت بہت کمزور تھی۔

''ڈینی'' اس نے بہ مشکل کہا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

''بولنے کی کوشش مت کرو بے بی'' میں نے سرگوشی میں کہا ''سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے۔ بے فکر ہو جاؤ''

''بچہ بھی؟'' اس کے کمزور لہجے میں شبہ تھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، وہ بھی خیریت سے ہے۔ سب ٹھیک ہوگیا۔ بے فکر ہو جاؤ۔ بس تم آرام کرو اور جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں ''میں نے سب کچھ بگاڑ دیا تھا نا...... خراب کر دیا تھا نا؟'' وہ بڑبڑائی۔

''تم نے نہیں، میں نے'' میں نے اس کے رخسار سے اپنا چہرہ ملا دیا ''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے کل جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

اس نے نفی میں سر ہلانے کی کوشش کی لیکن شدید نقاہت نے اسے تھکا دیا۔ اس کی آنکھیں مندنے لگیں ''قصور میرا تھا۔ مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم گھر نہیں آ سکے تو کوئی بڑی مجبوری ہوگی لیکن میں تو برسوں پہلے کے دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ تم گئے تو پچھلی بار کی طرح واپس نہیں آؤ گے۔ اور میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتی اب۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا ڈینی۔ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے'' مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ بہت خوفناک ہونے والا ہے۔ تمہارے ساتھ...... ہمارے ساتھ اور یہ...... اور یہ کہ میں اکیلی رہ جاؤں گی۔''

''بھول جاؤ سب کچھ۔ اب ہم کبھی اکیلے نہیں ہوں گے۔'' میں نے کہا ''چاہے کچھ بھی ہو جائے، اور ہمارا بیٹا بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔''

اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ ''تم نے اسے دیکھا ڈینی؟'' اس کے لہجے میں حیا تھی ''کیسا ہے وہ...... کس کی طرح ہے؟''

میں نے ڈاکٹر کے ساتھ اوپر آتے ہوئے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ ڈاکٹر نرسری کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کو رکا تھا اور اس نے انکیوبیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے دکھایا تھا۔

نیلی مجھے دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار مجھے اس کے چہرے پر رنگ جھلکتا نظر آیا۔

''وہ بہت ننھا منا، بہت پیارا سا ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنی ماما کی طرح''

............☆☆............

میں ویٹنگ روم میں واپس آیا تو وہاں بڑی پرجوش گفتگو ہو رہی تھی۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا، پاپا نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ تھام کر دبایا ''مبارک ہو ڈینی'' ان کے لہجے میں خوشی ہی خوشی تھی۔ تمام لوگ میرے گرد اکٹھا ہوگئے۔ سب کے سب بہ یک وقت بول رہے تھے۔

میری ساس نے میرا دوسرا ہاتھ تھاما اور میرے رخسار پر بوسہ دیا۔ میں انہیں دیکھ کر

مسکرایا۔ پاپا نجانے کہاں سے وہسکی کی ایک بوتل لے آئے تھے۔ اب ہم سب ایک نیم
توسی شکل میں کھڑے تھے۔ پاپا گتے کی پیالوں میں مشروب انڈیل رہے تھے۔

پھر پاپا نے ہی جام تجویز کیا'' تمہارے بیٹے کے نام'' انہوں نے صاف اور واضح
آواز میں کہا'' خدا اسے ہمیشہ صحت مند اور خوش وخرم رکھے اور تمہاری بیوی کے نام، خدا
اسے ہمیشہ بچے کی خوشیاں عطا فرمائے اور تمہارے نام کہ خدا کی مہربانی سے تم ہمیشہ اس
پر اسی طرح فخر کرتے رہو، جیسے میں تم پر فخر کرتا ہوں۔''

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں پاپا کے منہ سے اپنے لیے یہ الفاظ سننے کو
برسوں سے ترس رہا تھا۔ شاید میں ان الفاظ کا مستحق نہیں تھا لیکن پھر بھی، میں چاہتا تھا کہ
وہ میرے لیے یہ بات کہیں۔

پاپا نے اپنا کپ پھر بلند کیا اور سام کی طرف بڑھے'' اور میرے دوسرے بیٹے کے
نام، جس نے بڑی نرمی اور شائستگی سے ایک ضدی اور بوڑھے شخص کو اس کی غلطیوں کا
احساس دلایا اور اب اس نے اپنا خون دے کر مجھے ابد تک کے لیے اپنا مقروض بنا
دیا......''

میں بری طرح چونکا'' آپ کا کیا مطلب ہے پاپا؟'' میں نے مضطربانہ لہجے میں
پوچھا۔

پاپا میری طرف متوجہ ہو گئے'' ہاں...... یہ سام ہی تھا، جو مجھ سے لڑا، جس نے بتایا
کہ میں اب تک ایسا کیا کیا کر چکا ہوں، جو تمہارے لیے، میری پوری فیملی کے لیے
نقصان دہ تھا۔ اس نے مجھے میری غلطیوں پر قائل کیا۔ اس نے مجھے میری حماقتوں کا
احساس دلایا، جو ویسے مجھے کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی نے مجھے قائل کیا کہ باپ ہونے کے
باوجود پہل مجھے کرنی ہوگی، مجھے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا ہوگا کہ اس میں توہین نہیں،
بڑائی ہے۔ اس نے مجھے قائل کیا کہ میں خود تمہارے پاس آؤں۔''

میں نے سام کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ پاپا کی آواز جیسے میرے
کانوں میں دور، بہت دور سے آ رہی تھی......

'' اور اب اس نے خون دے کر تمہارے بیٹے کی جان بچائی ہے۔ بلکہ زندگی دی
ہے۔ ہم دونوں پر...... مجھ پر بھی اور تم پر بھی، اس کا بہت قرض ہے۔ مجھ پر یوں کہ اس کی
وجہ سے تم مجھے دوبارہ ملے اور تم پر یوں کہ اس کی وجہ سے تمہیں تمہارا بیٹا ملا'' پاپا ہنسے......
مختصر سی ہنسی'' یہ بہت بڑا قرض ہے۔ پرانے زمانے میں نیکی کے بدلے ویسی ہی نیکی کا،
احسان کے صلے میں اسی طرح کے احسان کا رواج تھا۔ اس لحاظ سے سوچو تو سام کا ہم پر
خون کا حق ہے۔ ہمارے خون کا! اور اس کا ہم پر زندگی کا حق ہے۔ ہماری زندگیوں کا!
کبھی اسے ضرورت پڑے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم خون دے کر بلکہ زندگی دے کر بھی
اس کا قرض ادا کریں۔ ہم اس کے بہت مقروض ہیں ڈینی۔ ہماری زندگیاں اس کے
پاس رہن ہیں۔''

میں سام کی طرف کھسکنے لگا۔ میں اپنی روح کی گہرائیوں میں اس کے لیے
شکرگزاری محسوس کر رہا تھا۔ میرے پاپا اب بھی بول رہے تھے......

'' اب جبکہ تمہارا بھی ایک بیٹا ہے ڈینی تو تم بھی ذمہ داریوں کا بوجھ محسوس کرو
گے۔ اذیتیں بھی سہو گے۔ جن چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں سے کسی کو تکلیف نہیں
پہنچتی، تم ان سے بھی اسے بچانے کی کوشش کرو گے اور نہیں بچا پائے تو دکھی ہو گے۔ خدا
تمہیں ہمیشہ ان دکھوں اور اذیتوں سے محفوظ رکھے جو میں نے سہی ہیں۔ میں بھی تمہیں ہر
دکھ سے، ہر محرومی سے بچانا چاہتا تھا۔ اور آخر میں اس آگہی کا عذاب جھیلتا رہا کہ تم
میری غلطیوں کی سزا بھگتتے رہے ہو۔''

پاپا ٹھیک کہہ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ مجھے میرے کیے کی سزا نہ ملے، لیکن میرے
بیٹے کو تو مل سکتی ہے۔ اور کوئی باپ یہ نہیں چاہے گا۔ میں اب بھی سام کو دیکھ رہا تھا اور وہ
مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اور پھر اچانک ہی مجھے یاد آ گیا!

کہیں...... کسی جگہ میکسی فیلڈز اس کے لیے گھات لگائے ہوگا اور وہ ڈیل میں نے
ہی تو کی تھی...... سام کی زندگی کا سودا یا اس کی موت کی ڈیل۔ مجھ پر وحشت طاری ہونے

لگی۔ کسی نہ کسی طرح مجھے ڈیل کینسل کرنی تھی...... کسی بھی طرح!

میں نے ویٹنگ روم کے کلاک کی طرف دیکھا۔ دس بج چکے تھے۔ مجھے فوری طور پر میکسی فیلڈز سے رابطہ کر کے اسے بتانا تھا کہ ڈیل اب آف ہے۔ ''مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے'' میں نے کہا اور ویٹنگ روم سے باہر لپکا۔

کاری ڈور میں فون بوتھ موجود تھا۔ میں تیزی سے اس میں گھسا اور فیلڈز کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ کئی گھنٹیوں کے بعد ریسیور اُٹھایا گیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''میکسی فیلڈز موجود ہے؟'' میں نے ہیجانی لہجے میں پوچھا۔

''وہ تو موجود نہیں ہے۔ آپ کون؟''

''ڈینی فشر'' میں نے تیزی سے کہا ''آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔ مجھے کسی بھی طرح اس سے رابطہ کرنا ہے۔''

''ڈینی!'' وہ چلائی۔ ''ہاں ڈینی! تم کسی بھی طرح اسے ملو۔ سنو! میں رونی بول رہی ہوں۔ تمہیں ہر قیمت پر اسے روکنا ہے ڈینی۔ دنیا میں سام وہ واحد شخص ہے جو تمہارا دوست ہے۔ تم صرف سام کی وجہ سے زندہ ہو۔ فائٹ کے بعد تم میرے ساتھ بھاگے تھے نا۔ پھر جب تم یہاں واپس آئے تو وہ سام ہی تھا جس نے میکسی سے کہا تھا کہ وہ تمہیں ہاتھ لگانے کی بھی غلطی نہ کرے۔ سام نے قسم کھائی تھی کہ اگر میکسی نے تمہیں چھوا بھی تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ختم کر دے گا۔''

میرے وجود میں عجیب سی تھکن اُتر گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں ''اور میں سمجھتا رہا کہ تم نے مجھے بچایا ہے۔ اپنے وجود کی قربانی دے کر۔ اس کی غلامی قبول کر کے۔''

''میری اوقات ہی کیا تھی ڈینی۔ میں تو جان دے کر بھی تمہیں نہیں بچا سکتی تھی۔ میں تو اس لیے واپس آئی تھی کہ بین بیمار ہو گیا تھا اور اس کے علاج کے لیے مجھے رقم کی ضرورت تھی لیکن فائدہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ بین بھی مر گیا، اور میں آج بھی کٹھ پتلی کی طرح میکسی کے اشاروں پر ناچ رہی ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے ڈیبورا''

پتا نہیں، اس نے میری بات سنی بھی یا نہیں۔ کیونکہ وہ دیوانہ وار بول رہی تھی۔ وہ سام کے اور میرے بارے میں بول رہی تھی ''ڈینی! تمہیں سام کو میکسی سے بچانا ہوگا۔ سام کو کچھ نہیں ہونے دینا ڈینی۔ میکسی تمہارا کاروبار ہتھیانا چاہتا تھا۔ وہ بھی سام ہی کی وجہ سے بچا رہا۔ سام نے لمبارڈی سے بات کی تھی کہ وہ میکسی کو تمہارے کاروبار پر قبضہ کرنے سے باز رکھے۔ اس بات پر میکسی سام سے اور چڑا ہوا تھا۔ اور سنو، تمہارا سگریٹ والا بزنس بھی سام کے ہی دم سے چل رہا تھا۔ تمہیں سگریٹ سپلائی کرنے والا اسٹیو سام کا ہی آدمی تھا۔ سام چاہتا تو اسٹیو سگریٹ اسے سپلائی کرتا۔ مگر سام تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ تم نے کبھی اسے سمجھا ہی نہیں۔ ڈینی! تم نہیں جانتے کہ میکسی کتنا برا، کتنا منتقم مزاج ہے۔ وہ سام کا دشمن صرف تمہاری وجہ سے بنا ہے لیکن وہ سام پر کبھی ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے تمہیں ہی آلہ کار بنا لیا لیکن ڈینی! تمہیں اسے روکنا ہے۔ سام کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دینا......''

''میں یہی کوشش تو کر رہا ہوں ڈیبورا'' میں نے مداخلت کی ''میری بات سنو۔ تم بتا سکتی ہو کہ میکسی اس وقت کہاں ہوگا۔''

''اس نے بروک لین کا نام لیا تھا۔ ہاں...... اس نے کہا تھا کہ سام تمہارے نئے گھر ضرور جائے گا۔''

اس کا مطلب تھا کہ وہ میرے گھر کے قریب کہیں سام کے لیے گھات لگائے گا۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اب میں ایک ہی کام کر سکتا تھا۔ یہ کہ سب سے پہلے میں اپنے گھر پہنچوں۔

''او کے ڈیبورا'' میں نے ریسیور ہک پر لٹکایا اور بوتھ سے نکل کر ویٹنگ روم کی طرف چل دیا۔

وہاں پہنچ کر میں سام کی طرف گیا اور میں نے بڑے سرسری انداز میں کہا ''سام! مجھے کچھ دیر کے لیے تمہاری کار چاہیے۔ نیلی نے گھر سے کچھ چیزیں لانے کو کہا ہے۔''

میری اپنی کار تو اب بھی ایئر پورٹ پر کھڑی ہے۔''

''میں تمہیں وہاں لے چلتا ہوں کڈ''اس نے پیشکش کی۔

''نہیں..... نہیں''میں نے تیزی سے کہا''ابھی تمہیں کمزوری ہوگی۔ ابھی ذرا دیر پہلے تو خون دیا ہے تم نے۔ تم یہاں کچھ دیر آرام کرو۔ میں ۲۰ منٹ میں واپس آ رہا ہوں۔''

اُس نے جیب سے کار کی چابی نکال کر میری طرف بڑھا دی''او کے چیمپ''اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ برسوں ہو گئے تھے کہ اس نے مجھے چیمپ کہہ کر نہیں پکارا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں گرم جوشی تھی۔

''سب کچھ ٹھیک ہے نا چیمپ؟''اس نے مجھ سے پوچھا۔ اس ایک لفظ میں کتنے جہانِ معانی آباد تھے، یہ ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا''سب ٹھیک ہے سام۔ تم فکر نہ کرو۔''

میرے ہاتھ پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ میں نے نظریں جھکا کر اپنے اور اس کے ہاتھ کو دیکھا، جو باہم جڑے ہوئے تھے۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا اور مجھے عجیب سا لگا کہ ہمارے ہاتھ بالکل ایک جیسے تھے۔ ایک جیسی ساخت، ایک جیسا انگوٹھا اور ایک جیسی اُنگلیاں۔ میں نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ ارے..... میں اس شخص سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اس جیسا ہی تو بننا چاہا تھا..... ہمیشہ سے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، اس کے انداز میں کرنے کی کوشش کی۔ میں خود کو اس کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا تھا۔ میں اس کی شخصیت اوڑھنا چاہتا تھا۔ میں مسکرایا۔ اب میری سمجھ میں سب کچھ آ رہا تھا''شکریہ سام''میں نے کہا''تھینکس فار ایوری تھنگ''میں نے کار کی چابی لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

پاپا نے مجھے روک لیا''احتیاط سے ڈرائیو کرنا ڈینی''انہوں نے کہا''ہم نہیں چاہیں گے کہ اب مزید کوئی گڑ بڑ ہو۔''

''کچھ نہیں ہوگا پاپا اور ہوا بھی تو کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ آدمی زندگی میں جس جس چیز کی آرزو کر سکتا ہے، وہ مجھے مل چکی ہے۔ اب مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ ہی کوئی حسرت ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے ڈینی۔ پھر بھی اپنا خیال رکھنا''پاپا نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

..........☆☆..........

میں سام کی بیش قیمت کار میں گھر کی طرف جا رہا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں سام کی کار میں ہوں۔ اس کا دہرا فائدہ تھا۔ ایک طرف تو سام اس وقت تک محفوظ تھا، جب تک میں میکسی سے مل کر ڈیل ختم کرتا۔ دوسری طرف سام کی کار میں ہونے کی وجہ سے میکسی کو تلاش کرنے میں دُشواری نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ تو خود اس کار کی تلاش میں ہوگا۔

ڈیل آف کرنے کے سلسلے میں مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ کچھ دے دلا کر معاملہ ختم کرا سکتا ہوں۔ میکسی لالچی آدمی ہے۔ اسے تو بس مال چاہیے۔

ڈیبورا کی باتوں نے بہت سے عقدے کھول دیے تھے لیکن ایک اُلجھن اب بھی تھی۔ ایک سوال تھا..... سام نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ پھر مجھے ایک بات یاد آئی۔ جب مجھے ٹرک سے اُتارا گیا تھا تو میں موقع پا کر ریوالور والے پر جھپٹا تھا۔ بدقسمتی سے خود کو بچا گیا تھا اور اس نے ریوالور کے دستے سے میرے سر پر وار کیا تھا اور دوسرا وار اُس نے میرے گرنے کے بعد کیا تھا۔ اس پر اس کے ساتھی نے کہا تھا۔ یہ بات مسٹر گورڈن کو اچھی نہیں لگے گی۔ اس پر مارنے والا بے رحمی سے ہنسا تھا۔ اس وقت تو سام کا نام سن کر میں نے سمجھا تھا کہ سام نے میرے ساتھ یہ کھیل کھیلا ہے۔

مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ سام کا مقصد مجھے تکلیف پہنچانا نہیں تھا۔ اسی لیے تو مجھے زخمی کرنے پر اس دوسرے آدمی نے کہا تھا کہ یہ بات مسٹر گورڈن کو اچھی نہیں لگے گی۔

لیکن وہ سوال اب بھی اپنی جگہ تھا کہ سام نے ایسا کیا ہی کیوں؟

پھر مجھے اس سوال کا جواب بھی مل گیا، اگرچہ وہ قیاسی تھا، محض میرا گمان تھا لیکن

مجھے یقین تھا کہ یہی بات ہے۔

سگریٹ کے کاروبار کو جمانے میں خاص طور پر سگریٹ کی قلت کے دوران سگریٹ کی فراہمی میں میرے ساتھ تعاون اسٹیو نے کیا تھا، جو ایک زمانے میں سام کے لیے کام کرتا تھا۔ اب یہ ثابت ہوگیا تھا کہ اسٹیو اور سام کے درمیان اب بھی رابطہ تھا۔ سام اپنی ضرورت کے لیے مجھ سے سگریٹ بلیک میں خریدتا تھا۔ ایک طرح سے وہ میری مدد ہی کرتا تھا۔ ورنہ وہ اسٹیو کی مدد سے خود ہی اپنی ضرورت زیادہ منافع کے ساتھ پوری کرسکتا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ میرے معاملے میں وہ کتنا مخلص تھا۔

لیکن جب سام نے میرے کاروبار میں شرکت کی بات کی، اور میں نے انکار کیا تو شاید اس کی انا کو ٹھیس پہنچی۔ شاید اس نے مجھے سبق سکھانے کے لیے، میری اوقات یاد دلانے کے لیے اسٹیو کی مدد سے وہ جال بچھایا اور اس کی توقع کے عین مطابق میں اس میں پھنس گیا۔ پچاس ہزار ڈالر کا لالچ میرے لیے بہت بڑا تھا۔ مگر سام کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ مجھے میرے کاروبار سے، ہر چیز سے محروم کرکے، مجھے اپنا غلام بنالے۔ جب میں اسپتال میں اس پر چلایا کہ...... یہی چاہتے تھے نا تم؟ تو اس نے کیسی شرمندگی سے پچھتاتے ہوئے کہا تھا نہیں، یہ میں کیسے چاہ سکتا تھا۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

تو سام سچا تھا۔ وہ بدنیت نہیں تھا۔ وہ مجھے سبق دینا چاہتا تھا، ایک اہم سبق اور سچ یہ ہے کہ میں نے وہ سبق سیکھ بھی لیا تھا۔ کوئی بھی شخص اتنا اسمارٹ نہیں ہوسکتا، جتنا میں خود کو سمجھنے لگا تھا۔ میں نے تنہا اتنی بڑی ڈیل اجنبی لوگوں کے ساتھ کرنے کی کوشش کی، تو یہ حماقت تھی۔ میں اس میں سچ مچ بھی تو لٹ سکتا تھا اور جان سے بھی جاسکتا تھا۔ سام نے میکسی فیلڈز کی تنظیم کا طعنہ دے کر مجھے یہ سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ مجھے پھیلنا چاہیے۔ کاروبار کو منظم کرنا چاہیے۔ بڑے لوگ خود کم ملوث ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کارندوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ خود کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ چاہے وہ سام گورڈن ہو یا میکسی فیلڈز۔

اور میرا بزنس میرے لیے بہت بڑا تھا، لیکن سام کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت

نہیں تھی۔ وہ اس پر قابض ہونے کی کوشش کیوں کرتا۔ اس نے تو مجھے کچھ بہت اہم باتیں سکھانے کی کوشش کی تھی۔ قسمت سے کچھ کا کچھ ہوگیا۔

میرے ذہن کے تمام جالے صاف ہوگئے تھے۔ ہر ناذہنی دور ہوگئی تھی۔ بس اب اس ایک معاملے کو ٹھیک کرنا تھا جو میں نے بے خبری میں ایک بہت بڑا مسئلہ بنادیا تھا۔

میں لنکن بلے وارڈ سے کنگز ہائی وے پر آیا اور کلیرنڈن کی طرف چل دیا۔ کلیرنڈن سے میں سیدھے ہاتھ کی طرف مڑا۔ اب میں اپنی اسٹیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

میں نے عقب نما پر نگاہ ڈالی۔ پیچھے ایک کار آرہی تھی، جو مسلسل روشنی چمکا کر اشارہ دے رہی تھی کہ اسے آگے نکلنا ہے۔ میں ہنسا اور میں نے ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھادیا۔ میں راستہ کیوں دیتا۔ میں تو خود جلدی میں تھا۔

سام کی زبردست کار میرے پاؤں کے اشارے پر لپکی۔ میں نے پھر عقب نما میں دیکھا۔ دوسری کار کی رفتار بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اب درمیانی فاصلے کو کم کررہی تھی۔ پھر اچانک بات میری سمجھ میں آگئی۔ میکسی سام کا پیچھا کرتے ہوئے اسپتال آیا ہوگا اور اب وہاں سے سام کی کار کے پیچھے لگا ہوگا۔

پھر دوسری کار میری کار کے عین برابر آگئی۔ میں نے کار کی کھڑکی سے دیکھا۔ میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ دوسری کار کی کھڑکی سے اسپٹ مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر بڑی شدت سے ہاتھ ہلایا۔

عین اسی لمحے مجھے اسپٹ کا کار کی کھڑکی پر لٹکا ہوا ہاتھ نظر آیا۔ اس ہاتھ میں گن موجود تھی۔

''اسپٹ'' میں نے چیخ کر کہا'' یہ میں ہوں...... ڈینی۔ اس ڈیل کو اب ختم سمجھو۔''

گن والا ہاتھ اب اُوپر کی طرف اُٹھ رہا تھا۔

میں پھر چلایا'' اسپٹ! یو کریزی باسٹرڈ۔ یہ میں ہوں، ڈینی!''

ایک لمحے کو اس کا ہاتھ ٹھٹکا۔ اس نے سر گھما کر اپنی گاڑی کی عقبی سیٹ کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ میں نے بھی دوسری کار کی عقبی سیٹ کی طرف دیکھا۔ مگر

مجھے وہاں ایک سگار کے جلتے سرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔

اسپٹ دوبارہ میری طرف مڑا۔ اس کا گن والا ہاتھ دوبارہ متحرک ہو گیا تھا۔ مجھے میکسی فیلڈز کے الفاظ یاد آئے۔ پچھلی بار کی طرح اس بار پیچھے نہیں ہٹنا۔ اور میں نے جان لیا کہ عقبی سیٹ پر میکسی موجود ہے۔ وہ خود شکار کے لیے نکلا تھا۔

میں نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ میکسی نے کہا تھا اس بار میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ابھی سوچ لو۔ ایک بار آن ہونے کے بعد یہ ڈیل آف نہیں ہوگی۔ اسی لمحے اسپٹ کی گن شعلے تھوکنے لگی۔ اذیت کی ایک تند لہر نے مجھے اسٹیرنگ سے پرے دھکیل دیا۔ میں اسٹیرنگ وہیل پر گرفت قائم رکھنے کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔ اس کوشش میں وہیل گھوم رہا تھا۔

ایک لمحے کو مجھے ایسا لگا کہ میں اندھا ہو گیا ہوں۔ پھر اچانک میری نگاہوں کے سامنے سے دھند ہٹ گئی۔ میں نے دوسری طرف اسپٹ کو دیکھا۔ وہ دانت نکال کر ہنس رہا تھا۔ میرے اندر وحشت بھرا غصہ اُمنڈنے لگا۔ میرا گلا خون جیسی گرم اور چپ چپی کسی چیز سے بھر گیا تھا۔ اسی لمحے میں اسپٹ کی بے پناہ نفرت، ساری زندگی کی نفرت مجتمع کر رہا تھا۔

اسپٹ کا گن والا ہاتھ پھر بلند ہو رہا تھا۔

میں نے دوسری کار کے اُس پار، کارنر کی طرف دیکھا۔ وہ میری سڑک تھی۔ وہاں میرا گھر تھا۔ اس کی کھڑکی روشن تھی۔ نیلی کو اسپتال لے جاتے ہوئے افراتفری میں لائٹ آف کرنا بھول گئے تھے۔ میں نے سوچا، بس میں کسی طرح گھر پہنچ جاؤں۔ پھر مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں محفوظ ہو جاؤں گا۔ میں جانتا تھا، اپنے گھر میں میں ہمیشہ محفوظ رہا تھا۔ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔

میں نے گاڑی کو اپنی اسٹریٹ پر موڑنے کے لیے پوری قوت سے وہیل گھمایا۔ میرے اور اسٹریٹ کے درمیان میکسی کی کار حائل تھی لیکن اب مجھے کسی رکاوٹ کی پروا نہیں تھی۔ میں نے اسپٹ کے چہرے کو دہشت سے چیختے دیکھا۔ اس کی گن نے پھر شعلے

اُگلے لیکن اب شاید میں کچھ محسوس کرنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا یا تو وہ میرا راستہ چھوڑ دیں گے یا پھر میں ان کی گاڑی کی دیوار گرا کر اپنی اسٹریٹ پر مڑوں گا۔ اپنے گھر جاؤں گا۔ مجھے احساس ہوا کہ میرا اسٹیرنگ وہیل لاک ہو گیا ہے۔ مگر مجھے پروا نہیں تھی۔ مجھے تو گھر جانا تھا اور گاڑی تیزی سے گھوم رہی تھی۔

روشنی کا آنکھیں چندھیا دینے والا جھماکا ہوا۔ میری گاڑی میکسی کی گاڑی سے ٹکرائی۔ میکسی کی گاڑی فضا میں اُچھلی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ وہ گاڑی نہیں، جلتی ہوئی ایک بہت بڑی گیند تھی اور اگلے ہی لمحے وہ گیند دھماکے سے پھٹ گئی۔

اب میں آٹھ سال کا بچہ تھا، میں سامان سے لدے ٹرک کے اگلے حصے میں بیٹھا اپنے نئے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ دن کی تیز روشنی اور یہ بات میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ وقت شاید راستہ بھول گیا تھا۔ اپنی پٹری سے اُتر گیا تھا۔ میں اس بارے میں سوچتا رہا لیکن نہیں، ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ ایسا کچھ تو دنیا میں ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ کیا...... میں اپنی یادداشت کے نکتہ آغاز پر کیسے پہنچ گیا۔

پھر وہ احساس معدوم ہو گیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں میں موجود اسٹیرنگ وہیل کو ٹوٹتا بکھرتا محسوس کیا۔ ایک لمحہ پہلے میں نے اپنے ہاتھوں کی گرفت میں اسٹیرنگ وہیل کو دیکھا اور اگلے لمحے وہ موجود نہیں تھا۔ اور اس سے اگلے لمحے میں اُڑ رہا تھا اور میرے چاروں طرف اندھیرا تھا۔

پھر کہیں اس گہری تاریکی اور خاموشی میں کوئی مجھے پکار رہا تھا۔ وہ کھوکھلی، مشینی آواز تھی...... میرے ذہن میں...... تیرتی ہوئی آواز۔

''ڈے...... نی...... فی...... شر......'' وہ ایک تیرتی ہوئی تکرار تھی۔ میں وہ آواز صاف سن رہا تھا اور مجھے موہوم سا ناقابل فہم احساس تھا کہ مجھے اس پکار پر کان نہیں دھرنے ہیں۔ مجھے وہ اذیت ہوئی، جس کے ایک معمولی حصے کا بھی میں کبھی گمان نہیں کر سکتا تھا۔ میرا جسم تشنج میں مبتلا ہو گیا۔

وہ درد، وہ اذیت بڑھتی گئی۔ اب وہ کوئی جسمانی تکلیف نہیں تھی، جسے میرا ذہن محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک دھندلا سا، بے چہرہ درد تھا، جو میرے اندر اس ہوا کی طرح تیر رہا تھا جس میں میں سانس لیا کرتا تھا۔

وہ ہوا، جس میں میں سانس لیا کرتا تھا، سانس لیا کرتا تھا! سانس لیا کرتا تھا! یہ...... میں نے کیا سوچا؟ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟ اذیت نے پھر میرے شعور کو تار تار کر ڈالا، ادھیڑ دیا اور میں اپنے سوال کو بھول گیا۔ مجھے دور سے...... بہت دور سے اپنی اذیت میں ڈوبی چیخ سنائی دی۔ وہ میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ میں پھر گہرے گھپ اندھیرے میں پھسلنے لگا۔

''ڈے......نی......فی......شر......ڈے......نی......فی......شر'' مجھے پھر وہ عجیب سی سکون بخش آواز سنائی دی۔ وہ نرم اور مہربان آواز تھی۔ اس آواز میں سکون اور طمانیت عطا کرنے کا، اذیت سے مکمل نجات کا وعدہ چھپا تھا لیکن میں اس سے لڑ رہا تھا۔ ایسی تیز طاقت سے لڑ رہا تھا، جس سے میں زندگی میں کبھی کسی کے خلاف بھی نہیں لڑا تھا۔

وہ آواز ایک بار پھر معدوم ہوگئی، اور اذیت لوٹ آئی۔

جب جسم سے سب کچھ نکل گیا ہو، جب جسم میں کچھ بھی نہیں رہا ہو تو درد کتنا اچھا لگتا ہے۔ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ وہ اس درد سے چمٹ جائے، جو اس کا تعلق دھرتی سے جوڑے ہوئے ہے۔ پھر وہ ہوا کی جگہ درد کی سانس لیتا ہے اور وہ درد اسے ہوا سے زیادہ میٹھا، ہوا سے زیادہ لطیف لگتا ہے۔ وہ اپنے جسم کے بکھرتے خلیوں کی پیاس بجھانے کے لیے درد پیتا ہے۔ وہ اس درد سے عشق کرتا ہے، کیونکہ وہ اسے جینے کی مہلت دیتا ہے۔

میرا بھی یہی حال تھا۔ میرا وجود درد کی مٹھاس اور اذیت بھری خوشبو سے معمور تھا۔ میں اس اذیت سے عشق میں مبتلا تھا۔ وہ اذیت مجھ سے نہیں چمٹی تھی، میں اس اذیت سے چمٹا ہوا تھا۔ دور سے مجھے اپنی آواز میں، اپنا احتجاج سنائی دے رہا تھا لیکن میں اس سے بے نیاز، اپنے احساس میں خوش تھا۔ یہ احساس کہ میں ہوں...... میں موجود ہوں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس احساس کو چھونا چاہا لیکن اسے نہیں تھام سکا۔ میں نے دوبارہ کوشش

کی لیکن وہ میرے ہاتھ سے پھسل گیا اور میں گہری خاموشی اور اندھیرے میں پھسلنے لگا۔

اب وہ آواز قریب سنائی دی۔ پہلے کی طرح اب بھی وہ میرے ذہن میں تھی، جیسے بے پناہ اذیت کے وار سے پہلے وہ مجھے سنائی دی تھی ''تم مجھ سے کیوں لڑ رہے ہو ڈینی فشر'' اس نے گلہ کیا ''میں تو صرف تمہیں آرام دینے کے لیے آئی ہوں''

''مجھے آرام نہیں چاہیے'' میں نے چیخ کر کہا ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں''

''لیکن زندگی تو دکھ ہے، اذیت ہے ڈینی فشر'' وہ گہری، پرتمازت، سکوں بخش آواز تھی ''اب تک تو تم یہ بات سمجھ چکے ہو گے۔''

''تم مجھے اذیت سہنے دو'' میں پھر چلایا ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔''

''اب یہاں کیا رہ گیا ہے تمہارے لیے'' آواز نے نرمی سے کہا ''یاد ہے، ابھی چند منٹ پہلے تم نے کیا کہا تھا؟ کیا کہا تھا تم نے اپنے باپ سے؟ کہ پاپا، کچھ نہیں ہوگا اور ہوا بھی تو کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ آدمی زندگی میں جس جس چیز کی آرزو کرتا ہے، وہ مجھے مل چکی ہے۔ اب مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ ہی کوئی حسرت ہے۔''

''آدمی بہت کچھ یوں ہی، بے سوچے سمجھے بھی کہا کرتا ہے'' میں مایوسی سے چلایا ''مجھے جینا ہے۔ نیلی نے کہا تھا کہ وہ میرے بغیر نہیں جی سکتی اور پھر میرے بیٹے کو میری ضرورت ہے۔ میں جینا چاہتا ہوں''

اب اس آواز میں دانائی بھی تھی اور درگزر بھی۔ وہ میرے ذہن میں گونجی ''تمہیں خود بھی اس پر یقین نہیں ہے ڈینی فشر۔ ہے نا؟ تم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی کے نہ ہونے سے کوئی دوسرا کبھی نہیں مرتا۔ آدمی رُخصت ہو جاتا ہے مگر زندگی جاری رہتی ہے۔''

''تو پھر میں اپنے لیے، اپنی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔'' میں رو دیا ''میں اپنے قدموں کے تلے نرم مٹی کا لمس محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بیوی کی رعنائیوں کا ذائقہ چکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بیٹے کو بڑے ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

"لیکن ڈینی فشر! اگر تم زندہ رہے تو ان میں سے کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ جس جسم میں تم آباد تھے، وہ اس بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکا ہے کہ اب اس کی مرمت بھی نہیں ہو سکتی۔ اب تم زندہ رہے تو خالی سیپ کی طرح ہو گے۔ جن سے محبت کرتے ہو، ان کے لیے ایک مستقل بوجھ، ایک کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت"

"لیکن میں پھر بھی جینا چاہتا ہوں" میں پوری طاقت سے چلایا۔ آہستہ آہستہ اذیت پھر لوٹ آئی۔ میں نے یوں اس کا خیر مقدم کیا، جیسے کوئی عورت اپنے برسوں سے بچھڑے محبوب کے لیے بانہیں کھولتی ہے۔ میں نے اسے لپٹا لیا، اپنے اندر اُتار لیا۔ اذیت کے ساتھ جیسے رگوں میں خون پھر حرکت میں آ گیا۔

پھر اچانک ایک پل میں روشنی ہو گئی اور مجھے سب کچھ نظر آنے لگا۔

میں اب خود کو دیکھ رہا تھا۔ ٹوٹا پھوٹا، تڑا مڑا، ایک گٹھڑی جیسا بے قامت وجود، جس کی طرف ہاتھ لپک رہے تھے۔ پھر وہ دہشت سے اپنی جگہ منجمد ہو گئے، جیسے اپنے اندر اسے چھونے کی ہمت نہ پا رہے ہوں۔ وہ شاید تصور تھا میرا۔ یہ دکھانے کے لیے کہ یہ میں ہوں، اور یہ لوگوں کا ممکنہ..... ممکنہ نہیں، یقینی ردِعمل ہے۔

مجھے اپنے اندر اُداسی اور گہرے دکھ کے آنسو، اذیت میں گھلتے ملتے محسوس ہوئے۔ کیا واقعی اب مجھ میں ایسا کچھ باقی نہیں رہا، جس سے کسی کو کوئی خوشی مل سکے؟ میں نے خود کو غور سے دیکھا۔ میرا چہرہ صاف تھا، ساکت اور پرسکون۔ بلکہ میرے ہونٹوں پر ہلکی سی وہ آخری مسکراہٹ بھی تھی۔

میں نے اور غور سے دیکھا۔ میری پلکیں بند تھیں، مگر میں ان کے پار دیکھ سکتا تھا۔ آنکھوں کے بے نور ڈھیلے خالی پن سے مجھے گھور رہے تھے۔ مجھے خود بھی خود سے خوف آنے لگا۔ میں خود بھی دہشت زدہ ہو گیا۔ میرے ذہن میں آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے اس تازہ، نئے دکھ کو دھو ڈالا۔

اذیت پھر میرے ہاتھ سے پھسلنے لگی۔ روشنی ماند ہونے لگی اور اندھیرا واپس آنے لگا۔

آواز پھر میرے ذہن میں گونجی "تم نے دیکھا ڈینی فشر۔ اب مجھے اپنی مدد کرنے کا موقع دو۔"

میں نے اپنے ذہن کے آنسو جھٹک دیے۔ ساری زندگی میں سودے بازی کرتا رہا تھا۔ یہ سودے بازی کا آخری موقع تھا میرے لیے "ٹھیک ہے۔ میں خود کو تمہارے سپرد کر دوں گا۔ مگر میری ایک شرط ہے۔ میرے جسم کو ٹھیک کر دو۔ مجھ سے محبت کرنے والے مجھے دیکھیں تو ڈریں نہیں۔ ان کی یادوں میں میرا ٹوٹا پھوٹا جسم نہ رہے۔ میں ان کی یادوں میں ہمیشہ اچھا رہوں۔ خوشی کا سبب بنوں۔ وہ مجھے خوش ہو کر یاد کریں۔ یہ نہ ہو کہ وہ مجھے یاد کرنے سے گھبرائیں، ڈرتے رہیں۔ بس تم میرے جسم کو ٹھیک کر دو۔ صاف ستھرا اور بے داغ۔"

"ہاں..... یہ بالکل ممکن ہے۔" آواز نے کہا۔

نجانے کیسے، مگر میں نے جان لیا کہ یہ وعدہ پورا ہو گا، یہ کام ہو جائے گا۔ مجھے نہ کسی یقین دہانی کی ضرورت ہے، نہ اصرار کی "تو پھر میری مدد کرو پلیز" میں نے التجا کی "میں اب آسودگی چاہتا ہوں۔"

اچانک اپنے چاروں اور محبت بھری نرمی اور گداز کا احساس ہوا۔ "چلو ڈینی فشر! اب پرسکون ہو جاؤ" آواز نے نرمی سے کہا "اب تم خود کو اس طمانیت بھرے سکون بخش اندھیرے کے سپرد کر دو اور ڈرو مت۔ یہ بس ایسا ہی ہے، جیسے تم تھک کر بے سدھ ہو کر سو جاتے تھے۔"

میں پُراعتماد انداز میں اس اندھیرے کی طرف بڑھا۔ وہ بہت مہربان، محبت کرنے والا اندھیرا تھا۔ وہاں ایسی بے پناہ، گداز سے بھری محبت تھی، جو مجھے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ وہ نرم، تیرتے، تھرکتے بادلوں کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ اذیت کی یاد دور ہوتی جا رہی تھی، دھندلاتی جا رہی تھی۔ پھر یادداشت فنا ہو گئی۔ پہلی بار میری سمجھ میں آیا کہ اب تک میں سکون سے ناآشنا کیوں رہا تھا۔

اب میں آسودہ اور قانع تھا..... ابدی سکون کی بانہوں میں!

''ساتواں پتھر''

تم نے جلدی سے وہ پتھر قبر پر رکھ دیا ہے اور اب سوگوار کھڑے ہو۔ تمہاری آنکھیں پھیلی ہوئی ہیں اور ان آنکھوں میں ننھا سا...... رینگتا ہوا ایک شبہ ہے۔ تمہارا باپ!

میری کوئی شکل نہیں۔ تمہاری یادوں میں میرا کوئی عکس بھی نہیں۔ میں تمہارے لیے ایک لفظ، مینٹل پیس پر رکھی ہوئی ایک تصویر اور لوگوں کے ہونٹوں پر موجود ایک آواز کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا اور میں نے تمہاری بس ایک جھلک دیکھی تھی۔

تو میں تم تک کیسے پہنچوں میرے بیٹے۔ میں تمہاری سماعت تک کیسے پہنچوں کہ اس کے لیے میری آواز بھی ایک نامانوس بازگشت ہے۔ میں رو رہا ہوں میرے بیٹے، اُس پوری زندگی کے لیے، جو تمہیں مجھ سے ملی، مگر میں اس میں تمہارے ساتھ ساجھا نہ کر سکا۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں، ننھی منی محرومیاں اور وہ بے معنی دکھ، جو لمحہ موجود میں بڑے لگتے ہیں، وہ سب میں تمہارے ساتھ اس طرح شیئر نہ کر سکا جو میرے باپ نے میرے ساتھ شیئر کیے تھے۔

بے شک میں نے تمہیں زندگی دی لیکن تم نے مجھے اس سے کہیں زیادہ دیا۔ اس چھوٹے سے لمحے میں، جس میں تم اور میں یکجا تھے، میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اس لمحے میں نے دوبارہ اپنے باپ سے محبت کرنا سیکھا۔ میں نے اپنے باپ کے احساسات، اس کی خوشیوں، اس کی محرومیوں اور اس کی نااہلیتوں کے بارے میں جانا۔ اس لمحے میں نے سمجھا کہ میں ان کے لیے کتنا اہم تھا اور اس مختصر لمحے میں میں نے جانا کہ تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔

میں نے تمہیں کبھی اپنی بانہوں میں نہیں لیا، کبھی تمہیں سینے سے، دل سے نہیں لگایا۔ پھر بھی میں اس خوشی کو محسوس کر سکتا ہوں۔ جب تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو میں تمہارا

درد محسوس کرتا ہوں۔ تم اُداس ہوتے ہو تو میں تمہارے آنسوؤں میں ساجھا کرتا ہوں اور جب تم ہنستے ہو تو میرے اندر تمہاری خوشی کی ایک کلی کھل جاتی ہے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ کبھی میرے وجود کا حصہ تھا۔ تمہارا خون، تمہاری ہڈیاں، تمہارا لحم۔

میں نے جو خواب دیکھتے تھے، تم ان کی تعبیر ہو، تم ان کا حصہ ہو۔ تم میرے وجود کا ثبوت ہو۔ تمہارا وجود ثابت کرتا ہے کہ میں کبھی تھا، اس زمین پر متحرک، فعال اور سرگرم، ایک جیتی جاگتی حقیقت، تم اس دنیا میں میری وراثت ہو، میرا ترکہ۔ میرا چھوڑا ہوا سب سے قیمتی اثاثہ۔ تم سے موازنہ کیا جائے تو میری چھوڑی ہوئی ہر چیز بے حقیقت اور بے قیمت ہے۔

اپنی زندگی میں تم بڑے عجائبات دیکھو گے۔ زمانہ آگے بڑھ چکا ہوگا۔ دور دراز کا سفر لمحوں میں ہو جایا کرے گا۔ گہرے سے گہرے سمندر، اُونچے سے اُونچے پہاڑ، بلکہ ستارے بھی شاید تمہاری پہنچ سے دور نہیں ہوں گے لیکن پھر بھی، دنیا کا کوئی کرشمہ بھی اس کرشمے کا ہم پلہ نہیں ہوگا...... وہ کرشمہ جو تم ہو۔

کیونکہ تم کرشمہ ہو میری بقا کا، میرے ارتقا کا۔ تم مجھے آنے والی کل سے جوڑنے والی کڑی ہو۔ اس زنجیر کی کڑی جو آفرینش سے قیامت تک پھیلی ہوئی ہے۔ تم میرا، میری نسلوں کا تسلسل ہو اور اس تسلسل کی ضمانت ہو۔

لیکن اس میں بھی ایک بوالعجبی ہے۔ تم جو میرے خون کے جوش اور میری طاقت سے وجود میں آئے، جو میرا رشتہ آنے والی کل سے جوڑنے والے ہو، مجھ سے ہی ناواقف ہو، تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ جیسے میں تاریخ کا ایک ورق ہوں، جسے ایک مورخ ایک انداز میں بیان کرے گا اور دوسرا مورخ دوسرے انداز میں۔

ہم صرف ایک لمحہ یکجا رہے تھے۔ وہ لمحہ تمہارے آنکھ کھولنے کا لمحہ تھا۔ اس لیے تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ 'تم کس طرح کے ہو...... تم کیسے تھے میرے پاپا؟' تم یہ اپنے دل کی خاموشی میں مجھ سے پوچھتے ہو۔ تم آنکھیں بند کر لو میرے بیٹے۔ میں تمہیں بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔

تم ساکت ہو گئے ہو۔ تم نے آنکھیں بند کر لی ہیں اور تم سن رہے ہو۔ تمہارے لیے میری آواز ایک اجنبی کی آواز ہے لیکن اس کے باوجود اپنے وجود کی نامعلوم گہرائیوں میں تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔

میرے چہرے کے خطوط تمہاری یادداشت میں کبھی واضح نہیں ہوں گے لیکن پھر بھی تمہیں یاد رہیں گے۔ کیونکہ کسی دن، کسی وقت تم میرے متعلق بات کرو گے۔ اس وقت تمہارے لہجے میں تاسف ہوگا کہ ہم ایک دوسرے سے واقف کیوں نہیں ہو سکے لیکن اس تاسف میں بھی ایک آسودگی ہوگی، اس احساس کے بطن سے پیدا ہونے والی آسودگی کہ تم درحقیقت میرے ہی وجود کا ایکس ٹینشن ہو اور جو کچھ تم اپنے بیٹے کو دو گے، اس میں بھی میں اسی طرح شامل ہوں گا، جس طرح تم میں میرے پاپا شامل ہیں اور یہ سب نسلوں سے یونہی چل رہا ہے۔

تو میرے بیٹے سنو اور اپنے باپ کو سمجھو اور جانو۔

اگرچہ آدمی کی یادداشت عارضی چیز ہے، کیونکہ زندگی محض ایک طے شدہ دورانیہ ہے لیکن آدمی میں ایک طرح کی ابدیت بھی ہے، جیسی کہ ستاروں میں ہوتی ہے۔ تو میں تم ہوں اور تم میں ہوں۔ آدم سے جو نسل شروع ہوئی، اس کا ہر فرد روئے زمین پر موجود ہے، اور رہے گا۔ سو میں بھی تھا اور ہوں۔

جس ہوا میں تم سانس لے رہے ہو، کبھی میں بھی اس میں سانس لیتا تھا۔ میں نے بھی پاؤں کے نیچے نرم مٹی کو تمہاری طرح محسوس کیا تھا۔ کبھی تمہارا جوش میری رگوں میں حرکت کرتا تھا اور تمہارے دکھ میری آنکھوں کو بھگوتے تھے۔

کیونکہ میں بھی تمہاری طرح ایک زندہ انسان تھا!

ایک بینک میں میرا بھی اکاؤنٹ تھا۔ کہیں اس بینک میں دبے ہوئے کاغذات ہیں جن پر میرے دستخط موجود ہیں، اگرچہ حروف اپنی روشنائی کھو کر زردی مائل ہو رہے ہوں گے۔ کسی سرکاری فائل میں، جو کہیں بہت نیچے دبی ہوگی، میرا سوشل سیکورٹی نمبر 052-09-8424 موجود ہوگا۔

یہ سب کچھ بھی میرا تھا۔ ان کی وجہ سے، اور ان کے علاوہ بھی کئی اور وجوہ سے میرا نام بھلایا نہیں جا سکے گا۔ یہ بھی تو ابدیت سے میرا ناتا ہے۔

میں کوئی بڑا عظیم انسان نہیں تھا میرے بیٹے کہ جس کے کارناموں کو کتاب میں محفوظ کیا جاتا، تاکہ اسکولوں میں بچے انہیں پڑھتے۔ میرے لیے کہیں گھنٹیاں نہیں بجتیں ہوں گی، پرچم سرنگوں نہیں ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ میں ایک عام آدمی ہوں میرے بچے، ان گنت عام لوگوں کی طرح، جس کے پاس عام سی اُمیدیں تھیں، عام سی خواہشات، عام سے خواب اور عام سے خوف۔ میں بھی دولت اور امارت کے، صحت، طاقت اور اقتدار کے، خواب دیکھتا تھا۔ مجھے بھی بھوک اور غربت سے، لڑائی جھگڑوں سے اور کمزوریوں سے اور جنگوں سے ڈر لگتا تھا۔

میں وہ پڑوسی تھا میرے بیٹے، جو برابر والے گھر میں رہتا ہے۔ میں وہ شخص تھا، جو کام پر جانے کے لیے سب وے پر کھڑا ہوتا تھا۔ جو دیا سلائی جلا کر اپنی سگریٹ سلگاتا تھا۔ جو اپنے کتے کے ساتھ چہل قدمی کرتا تھا۔ میں خوف سے لرزتا ہوا ایک فوجی تھا۔ میں ایک عام ووٹر تھا، جو بہت خوشی سے نااہل اُمیدواروں کو ووٹ دیتا تھا۔ میں وہ شخص ہوں جو انسانی تاریخ کے ۶ ہزار برسوں میں ہزاروں بار جیا اور ہزاروں بار مرا۔ میں وہ شخص تھا جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھا۔ میں وہ ہوں، جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عصا سے پھٹنے والے سمندر کو عبور کر کے عافیت پائی تھی۔ میں وہ شخص تھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کا غم کیا تھا۔

میں وہ عام آدمی ہوں بیٹے، جس کے لیے کبھی قصیدے نہیں لکھے جاتے، جس کے واقعات کبھی نہیں دہرائے جاتے، جس کی کہانیاں کبھی نہیں لکھی جاتیں لیکن میں وہ شخص ہوں، جو آنے والی صدیوں میں بھی زندہ رہے گا۔ میں وہ آدمی ہوں، جسے اپنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو اپنے برے اعمال کی سزا بھگتے گا۔ میں وہ آدمی ہوں، جو بڑے لوگوں کی غلطیوں کی سزا پائے گا۔ کیونکہ بڑے لوگ میرے نوکر ہیں، کیونکہ میں بہت بڑی تعداد ہوں، جو اپنے جیسے لوگوں میں سے کسی کو بڑا آدمی بناتی ہے۔ میں انبوہِ کثیر

ہوں میرے بیٹے۔
بڑے بڑے لوگ اپنے بڑے بڑے مزاروں میں، اپنی قبروں میں اکیلے ہیں، کیونکہ وہ اپنے کاموں کی وجہ سے یاد کیے جاتے ہیں لیکن میں وہ ہوں کہ جو لوگ بھی اپنے پیاروں کے لیے روتے ہیں تو اُن کے اس گریہ میں میرا حصہ بھی ہوتا ہے۔ دنیا میں جب کوئی کسی محبوب کا سوگ مناتا ہے تو وہ میرا سوگ بھی منا رہا ہوتا ہے۔
تم اب اپنی آنکھیں کھولو...... استعجاب سے چھلکتی آنکھیں، اور میری قبر پر رکھے سات پتھروں کو دیکھو۔ اب تم سمجھ گئے ہو میرے بیٹے کہ تمہارا باپ کون تھا۔ تمہاری ماں تمہیں لپٹا لیتی ہے۔ مگر تم پھر بھی ان پتھروں کو تکتے رہتے ہو۔ تمہاری انگلی لوحِ مزار کی طرف اُٹھتی ہے۔ تمہاری ماں کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔ وہ لوحِ مزار پر لکھی عبارت پڑھ رہی ہے۔ غور سے سنو میرے بیٹے، کیا یہ سچ نہیں ہے۔
دلوں میں زندہ رہنے کے لیے جو ہم پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مرتا، کبھی ختم نہیں ہوتا۔
اب میں مطمئن ہوں، خوش ہوں میرے بیٹے کہ میری قبر پر سات پتھر ہیں۔ یہ آخری پتھر سب سے اہم تھا...... ساتواں پتھر!

............☆ ٹوٹا ہوا جام ☆............